سیرتِ مصطفیٰ

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

تصنیف

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر اُردو بازار لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نام کتاب .... سیرتِ مصطفیٰ ﷺ
مصنف .... علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ اشاعت .... اگست 2004ء
تعداد 600
کمپوزنگ .... عبدالسلام/قمرالزمان رائل پارک لاہور
مطبع .... اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر .... محمد اکبر قادری عطاری
قیمت .... 210 روپے

ملنے کا پتہ
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سینٹر اُردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ؕ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ— اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَبَدًا الْاٰبِدِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ؕ

فہرست

عرضِ مولف ۹
مقدمۃ الکتاب ۱۵
١ — پہلا باب خاندانی حالات ۲۶
٢ — دوسرا باب بچپن ۴۰
٣ — تیسرا باب اعلانِ نبوت سے پہلے کے واقعات ۵۱
٤ — چوتھا باب اعلانِ نبوت سے بیعت عقبہ تک ۶۴
٥ — پانچواں باب مدینہ میں آفتاب رسالت کی تجلیاں ۹۱
٦ — چھٹا باب رحمت عالم کی مدنی زندگی ۱۰۷
(ہجرت کا پہلا سال ۱ ہجری) ۱۰۸
٧ — ساتواں باب ہجرت کا دوسرا سال (۲ ہجری) ۱۲۲
٨ — آٹھواں باب ہجرت کا تیسرا سال (سن ۳ ہجری) ۱۶۰
٩ — نواں باب ہجرت کا چوتھا سال (سن ۴ ہجری) ۱۸۵
١٠ — دسواں باب ہجرت کا پانچواں سال (سن ۵ ہجری) ۱۹۷
١١ — گیارھواں باب ہجرت کا چھٹا سال (سن ۶ ہجری) ۲۲۵
١٢ — بارھواں تاب ہجرت کا ساتواں سال (سن ۷ ہجری) ۲۴۸
١٣ — تیرھواں باب ہجرت کا آٹھواں سال (سن ۸ ہجری) ۲۶۳

١٤ – چودھواں باب	ہجرت کا نواں سال (سن ۹ ہجری)	۳۱۰
١٥ –پندرھواں باب	ہجرت کا دسواں سال (سن ۱۰ ہجری)	۳۴۶
	حجۃ الوداع	"
١٦ –سولھواں باب	ہجرت کا گیارھواں سال (سن ۱۱ ہجری)	۳۵۳
١٧ – سترھواں باب	شمائل و خصائل	۳۶۸
١٨ –اٹھارھواں باب	اخلاقِ نبوت	۳۹۵
	پیغمبری دعائیں	۴۱۸
١٩ – انیسواں باب	متعلقین رسالت	۴۲۶
	ازواجِ مطہرات	۴۲۷
	مقدس باندیاں	۴۴۹
	اولاد کرام	۴۵۱
٢٠ – بیسواں باب	معجزاتِ نبوت	۴۶۵
	آسمانی معجزات	۴۷۱
	علم غیب	۴۸۸
	عالم جمادات کے معجزات	۵۰۶
	عالم نباتات کے معجزات	۵۰۹
	عالم حیوانات کے معجزات	۵۱۴
	عالم انسانیت کے معجزات	۵۲۹
	عالم جنات کے معجزات	۵۳۳
	عناصر اربعہ کے معجزات	۵۳۵
٢١ – اکیسواں باب	اُمت پر حضور کے حقوق	۵۴۲
	ہدیہ سلام	۵۶۹

عرضِ مولف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ؕ

الحمدللہ! خداوندِ قدوس جل جلالہ کا بے شمار شکر ہے کہ میری ایک بہت ہی دیرینہ اور بہت بڑی قلبی تمنا پوری ہوگئی کہ بہت سے موانع کے باوجود حضورِ اقدس شہنشاہِ دو عالم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے اہم عنوانوں پر یہ چند اوراق لکھنے کی مجھے سعادت نصیب ہوگئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی اِحْسَانِهٖ۔

یہ کتاب اگرچہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت ہی مختصر ہے۔ لیکن بحمدہٖ تعالیٰ سیرت نبویہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام کے ضروری مضامین کی ایک حد تک جامع ہے جس کو میں چمنستانِ سیرت کے گلہائے رنگارنگ کا ایک مقدس اور حسین گلدستہ بنا کر ''سیرۃ المصطفیٰ'' کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی روحانی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔

مختصر کیوں؟

پہلے خیال تھا کہ سیرتِ مقدسہ کے تمام عنوانوں پر کئی جلدوں میں ایک مبسوط و مفصل کتاب تحریر کروں۔ مگر بچند وجوہ مجھے اپنے اِس خیال سے رجوع کرنا پڑا۔

اولاً یہ کہ مجھ سے پہلے ہر زمانے میں اور ہر زبان میں ہزاروں خوش نصیبوں کو حضور رحمت عالم ﷺ کی مقدس سیرت پر کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اِن شاءَ اللّٰہ تعالیٰ قیامت تک ہزاروں لاکھوں خوش بختِ مسلمان اِس سعادت سے سرفراز ہوتے رہیں گے۔ بہت سے خوش قسمت مصنفین ہزاروں صفحات پر کئی کئی جلدوں میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں اسی

مضمون پر لکھ کر سعادتِ کونین سے سرفراز اور دولتِ دارین سے مالا مال ہو گئے اور اس میں شک نہیں کہ اُن بزرگانِ دین نے اپنی ان ضخیم کتابوں میں سیرت نبویہ کے تمام اہم عنوانوں پر سیر حاصل تفاصیل فراہم کی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہم نے شہنشاہ کونین ﷺ کی سیرت پاک کے تمام گوشوں کو مکمل کر کے اِس کے تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے۔ کیونکہ سیرت نبویہ کا ہر عنوان وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے کہ اِس کو پار کر لینا بڑے بڑے اہل علم کے لئے اِتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ آسمان کے چاند و ستاروں کو توڑ کر اپنے دامن میں رکھ لینا۔

اب ظاہر ہے کہ جو کام علم و عمل کے ان سربلند پہاڑوں سے نہ ہو سکا بھلا مجھ جیسے ناکارہ انسان سے اُس کام کے انجام پا جانے کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے مجھے اسی میں اپنی خیریت نظر آئی کہ صرف چند اَوراق کی ایک کتاب سیرت نبویہ کے موضوع پر لکھ کر مصنفین سیرت کی مقدس فہرست میں اپنا نام لکھوا لوں۔ اور اُن بزرگوں کی صف نعال میں جگہ پا لینے کی سعادت حاصل کر لوں۔

ثانیاً یہ کہ انسانی مصروفیات کے اس دور میں جب کہ مسلمانوں کو اپنی ضروریات زندگی سے بالکل ہی فرصت نہیں مل رہی ہے اور علمی تحقیقات سے ان کی ہمتیں کوتاہ اور دلچسپیاں ناپید ہو چکی ہیں اور ذہن و حافظہ کی قوتیں بھی کافی حد تک ماؤف و کمزور ہو چکی ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں سے یہ اُمید فضول نظر آئی کہ وہ طویل و مفصل اور موٹی موٹی کتابوں کو پڑھ کر اس کے مضامین کو اپنے ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھ سکیں گے۔ لہٰذا اس حال و ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے میرے خیال میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ سیرت نبویہ کے موضوع پر ایک اِتنی مختصر اور جامع کتاب لکھ دی جائے جس کو مسلم طبقہ اپنے قلیل ترین اوقاتِ فرصت میں صرف چند نشستوں کے اندر پڑھ ڈالے اور اس کو اپنے ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھے۔

ثالثاً یہ کہ میرے نزدیک اس موضوع پر مبسوط و مفصل کتاب کی تدوین و تالیف تو بہت ہی آسان کام ہے۔ مگر اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا غریب طبقہ علما کے لئے اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا کہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں کو سر کر لینا۔ کیونکہ مسلمانانِ اہل سنت کا مالدار طبقہ لغو

اور فضول کاموں میں تو لاکھوں کی دولت اڑا دینے کو اپنے لئے اتنا ہی آسان سمجھتا ہے جتنا کہ اپنی ناک پر سے مکھی اڑا دینے کو۔ لیکن کسی دینی و مذہبی کتاب کی طباعت یا اس کی خریداری میں اس کے لئے ایک نیا پیسہ لگا دینا اِتنا ہی دُشوار اور کٹھن کام ہے جتنا کہ اپنی کھال کو اُتار کر پامال کر دینا۔ یہ وہ تلخ حقیقت ہے کہ جس کی تلخی سے بار بار تجربات کے کام و دہن بگڑ چکے ہیں۔ لہٰذا اِن تجربات کی بنا پر میں نے یہی بہتر سمجھا کہ میں بس اِتنی ہی ضخیم کتاب لکھوں جس کی طباعت و اشاعت کے اخراجات کا سارا بار میں خود ہی اٹھا سکوں۔ اور مجھے کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

سببِ تالیف

اولاً تو خود ایک مدت دراز سے یہ نیک تمنا میرے دل کی گہرائیوں میں موجزن رہتی تھی کہ میں اپنے قلم سے حضور رحمتِ عالم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کی مقدس زندگی پر کوئی کتاب لکھ کر ان بزرگان ملت کا کفش بردار بن جاؤں جنہوں نے سیرت نبویہ کی تصنیف و تالیف میں اپنی عمروں کا سرمایہ صرف کر کے ایسی تجارت آخرت کی کہ اس کے نفع میں انہیں ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کی دارین کا خزانہ مل گیا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اِن سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہو گئے۔)

پھر مزید برآں میری تصنیفات کے قدردانوں نے بھی بار بار تقاضا کیا کہ سیرت مبارکہ کے مقدس موضوع پر بھی کچھ نہ کچھ آپ ضرور لکھ دیں اور ان کرم فرماؤں کا یہ مخلصانہ اِصرار اس حد تک میرے سر پر سوار ہو گیا کہ میں اس سے انکار و فرار کی تاب نہ لا سکا۔

پھر ''سمند ناز پہ اِک اور تازیانہ ہوا'' کہ اغیار نے بار بار یہ طعنہ مارا کہ علماء اہل سنت محبتِ رسول کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اُردو زبان میں سیرتِ نبویہ کے موضوع پر ان لوگوں نے بہت ہی کم لکھا۔ برخلاف اس کے ملک کی دوسری جماعتوں کے قلمکاروں نے اس موضوع پر اس قدر زیادہ لکھا کہ اُردو کتابوں کی مارکیٹ میں سیرت کی بہت سی کتابیں مل رہی ہیں جو سب انہی لوگوں کے زورِ قلم کی رہینِ منت ہیں۔

یہ ہیں وہ اسباب و محرکات جن سے متاثر ہو کر اپنی نااہلی اور علمی سرمایہ سے افلاس کے

باوجود مجھے قلم اٹھانا پڑا اور کثرتِ کار و ہجوم افکار کے محشرستاں میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود چند اوراق کا یہ مجموعہ پیش کرنا پڑا۔

اس کتاب کو میں نے حتی الامکان اپنی طاقت بھر جاذبِ قلب و نظر اور جامع ہونے کے ساتھ مختصر بنانے کی کوشش کی ہے اب یہ فیصلہ ناظرین کرام کی نگاہ نقد و نظر کا دست نگر ہے کہ میں اپنی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہوا یا نہیں؟

ہجوم موانع

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ کا دن میری تاریخ زندگی میں یادگار رہے گا کیونکہ استخارہ کے بعد اسی تاریخ کو میں نے اس کتاب کی ''بسم اللہ'' تحریر کی مگر خدا کی شان کہ ابھی چند ہی صفحات لکھنے پایا تھا کہ بالکل ہی ناگہاں ریاحی دردِ گردہ کا اِتنا شدید دورہ پڑا کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگا اور ٹانڈہ سے مکان جا کر مسلسل ایک ماہ تک صاحب فراش رہا۔ پھر رمضان ۱۳۹۵ھ میں مرض سے افاقہ ہوا تو نقاہت ہی کے عالم میں بحالت روزہ اس کام کو شروع کیا اور الحمد للہ! کہ اس کی برکت سے روز بروز صحت و طاقت میں اضافہ ہوتا گیا اور کام آگے بڑھتا رہا۔ مگر پھر ۳ شوال ۱۳۹۵ھ کو اچانک آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا اور پھر کام بند ہو گیا ایک ماہ کے بعد لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو جاڑوں کا چھوٹا دن' دونوں وقت کا مدرسہ' خطوط کے جوابات' احباب سے ملاقاتیں' اِن مشاغل کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے لئے دن بھر قلم پکڑنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ مجبوراً سردیوں کی راتوں میں لحاف اوڑھ کر لکھنا پڑا۔ پھر بڑی مشکل یہ درپیش تھی کہ ٹانڈہ میں ضروری کتابوں کا ملنا دشوار تھا اور مدرسہ کی مصروفیات کے باعث ملک کی کسی لائبریری میں نہیں جا سکتا تھا۔ مجبوراً انہی چند کتابوں کی مدد سے جو اپنے پاس تھیں کام چلانا پڑا۔ جن کے حوالے جا بجا اس کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

پھر اواخر صفر ۱۳۹۶ھ میں ناگہانی طور پر یہ حادثہ گزرا کہ میری پیاری جوان بیٹی عارفہ خاتون مرحومہ مرضِ سرسام میں مبتلا ہو گئی اور ۲۷ صفر ۱۳۹۶ھ کو وفات پا گئی۔ اس صدمہ جانکاہ نے میرے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پھر ربیع الاول ۱۳۹۶ھ میں جلسوں کا ایسا تانتا بندھا

کہ ایک ماہ میں تقریباً بارہ جلسوں میں تقریریں کرنا پڑیں اور بحالت سفر اس کا موقع ہی نہیں تھا کہ کچھ لکھ سکتا۔ غرض روز بروز نامساعد حالات نے قدم قدم پر مجھے قلم اٹھانے سے روکا۔ مگر بحمدہ تعالیٰ ان طوفانوں کے تلاطم میں بھی میرے عزم واستقامت کی کشتی نہیں ڈگمگائی۔ اور میں فرصت کے اوقات میں چلتے پھرتے چند سطریں لکھتا ہی رہا۔ خداوند قدوس علیم وخبیر ہے کہ ان ہوش ربا حالات میں اِس کتاب کا صرف چودہ ماہ کی قلیل مدت میں مکمل ہو جانا میں اس کو اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

ملتجیانہ گزارش

جن پریشان کن حالات میں اس کتاب کی ترتیب وتالیف ہوئی ہے وہ آپ کے سامنے ہیں اس لئے اگر ناظرین کرام کو اس میں کوئی کمی یا خامی نظر آئے تو میں بہت ہی شکر گزار ہوں گا کہ وہ میری اصلاح فرما کر مجھے اپنا ممنونِ احسان بنائیں اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ازراہ کرم ایک کارڈ لکھ کر مجھے اپنے اثرات سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشنوں میں خامیوں کی تکمیل اور آپ کے حکموں کی تعمیل کر کے تلافی مافات کر سکوں۔

شکریہ ودُعا

آخر میں اپنے شاگرد رشید وعزیز سعید مولوی محمد ظہیر عالم صاحب آسی قادری نیپالی سلمہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اِس کتاب کا املاء تحریر کرنے اور حوالوں کو تلاش کرنے میں نہایت ہی اخلاص کے ساتھ میری مدد کی اس طرح اپنے دوسرے تلمیذ باتمیز اَخی فی اللہ مولوی محمد نعیم اللہ صاحب مجددی فیضی سلمہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ میری دوسری تصنیفات کی طرح اس کتاب کی کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح' اور اس کی طباعت واشاعت کی جدوجہد میں میرے شریک کار رہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان دونوں عزیزوں کو نعمت کونین سے سرفراز اور دولت دارین سے مالا مال فرمائے۔ اور میری اِس تالیف کو قبول فرما کر اِس کو قبول فی الارض کی کرامتوں سے نوازے اور اس کو امت مسلمہ کے لئے ذریعہ رشد وہدایت اور مجھ گنہگار کے

لئے زادِ آخرت وسامانِ مغفرت بنائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہٖ الْمُکَرَّمِیْنَ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْن۔

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

یکم شعبان ۱۳۹۶ھ ٹانڈہ

مقدمۃ الکتاب

سیرتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا موضوع اِس قدر دل کش، ایمان افروز اور روح پرور عنوان ہے کہ عاشقانِ رسول کیلئے اِس چمنستان کی گل چینی، ایمانی قلب و روح کے لئے فرح و سرور کی ایسی ''بہشت خلد'' ہے کہ جنۃ الفردوس کی ہزاروں رعنائیاں اس کے ایک ایک پھول سے رنگ و بو کی بھیک مانگنے کو اپنے لئے سرمایہ افتخار تصور کرتی ہیں۔ اسی لئے اِن حق پرست علماء ربانیین نے جن کے مقدس سینوں میں محبتِ رسول کے ہزاروں پھول کھلے ہوئے ہیں اس ایمانی عنوان اور نورانی موضوع پر اپنی زندگی کی آخری سانس تک قلم چلاتے چلاتے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

چنانچہ آج ہر زبان میں سیرتِ نبویہ کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کی سوانح حیات کے بارے میں اِس کا لاکھواں بلکہ کروڑاں حصہ بھی عالم وجود میں نہ آسکا۔

وہ عاشقانِ رسول جو سیرت نویسی کی بدولت آسمان عزت و عظمت میں ستاروں کی طرح چمکتے اور چمنستانِ شہرت میں پھولوں کی طرح مہکتے ہیں ان خوش نصیب عالموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان کا حصر و شمار ہماری طاقت و اقتدار سے باہر ہے مثال کے طور پر ہم یہاں اِن چند مشہور علماء سیرت کے مقدس ناموں کا ان کے سنہ وفات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جو بارگاہ الٰہی میں ذاکر رسول ہونے کی حیثیت سے اِس قدر مقبول ہیں کہ اگر ایامِ قحط میں نمازِ استسقاء کے بعد ان بزرگوں کے ناموں کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے دعا مانگی جائے تو فوراً ہی بارانِ رحمت کا نزول ہو جائے اور اگر مجالس میں ان سعید روحوں کا تذکرہ چھیڑ دیا جائے تو رحمت کے فرشتے اپنے مقدس بازوؤں اور پروں کو پھیلا کر ان محفلوں کا شامیانہ بنا دیں۔

چند مصنفین سیرت

خلفاء راشدین بلکہ خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے کچھ قبل تک چونکہ حدیثوں کا لکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ تاکہ قرآن و حدیث میں خلط ملط نہ ہونے پائے اس لئے سیرت نبویہ کے موضوع پر حضرات صحابہ کرام کی کوئی تصنیف عالم وجود میں نہ آسکی مگر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب احادیثِ نبویہ کی کتابت کا عام طور پر چرچا ہوا تو دور تابعین میں "محدثین" کے ساتھ ساتھ سیرتِ نبویہ کے مصنفین کا بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔

حضراتِ صحابہ کرام سیرتِ نبویہ کے موضوع پر کتابیں تو تصنیف نہ کر سکے۔ مگر وہ اپنی یادداشت سے زبانی طور پر اپنی مجالس، اپنی درسگاہوں اپنے خطبات میں احادیث احکام کے ساتھ ساتھ سیرتِ نبویہ کے مضامین میں بھی بیان کرتے رہتے تھے اسی لئے احادیث کی طرح مضامین سیرت کی روایتوں کا سرچشمہ بھی صحابۂ کرام ہی کی مقدس شخصیتیں ہیں۔

بہر حال دور تابعین سے گیارہویں صدی تک چند مقتدر محدثین و مصنفین سیرت کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمایئے گیارہویں صدی کے بعد والے مصنفین کے ناموں کو ہم نے اس فہرست میں اس لئے جگہ نہیں دی کہ یہ لوگ درحقیقت اگلے مصنفین ہی کے خوشہ چین و فیض یافتہ ہیں۔

۱- حضرت عروہ بن زبیر تابعی (متوفی ۹۲ھ)
۲- حضرت عامر بن شراحیل امام شعبی (متوفی ۱۰۴ھ)
۳- حضرت ابان بن امیر المومنین حضرت عثمان (متوفی ۱۰۵ھ)
۴- حضرت وہب بن منبہ یمنی (متوفی ۱۱۰ھ)
۵- حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی ۱۲۰ھ)
۶- حضرت شرجیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ)
۷- حضرت محمد بن شہاب زہری (متوفی ۱۲۴ھ)
۸- حضرت اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی (متوفی ۱۲۷ھ)
۹- حضرت عبد اللہ بن ابو بکر بن حزم (متوفی ۱۳۵ھ)
۱۰- حضرت موسیٰ بن عقبہ "صاحب المغازی" (متوفی ۱۴۱ھ)

۱۱-حضرت معمر بن ارشد (متوفی ۱۵۰ھ)

۱۲-حضرت محمد بن اسحاق ”صاحب المغازی“ (متوفی ۱۵۰ھ)

۱۳-حضرت زیاد بکائی (متوفی ۱۸۳ھ)

۱۴-حضرت محمد بن عمر واقدی ”صاحب المغازی“ (متوفی ۲۰۷ھ)

۱۵-حضرت محمد بن سعد ”صاحب الطبقات“ (متوفی ۲۳۰ھ)

۱۶-حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ”مصنف بخاری شریف“ (متوفی ۲۵۶ھ)

۱۷-حضرت مسلم بن حجاج قشیری ”مصنف مسلم شریف“ (متوفی ۲۶۱ھ)

۱۸-حضرت ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قیقبہ (متوفی ۲۶۷ھ)

۱۹-حضرت ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی صاحب السنن (متوفی ۲۷۵ھ)

۲۰-حضرت ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ”مصنف جامع ترمذی“ (متوفی ۲۷۹ھ)

۲۱-حضرت ابوعبداللہ محمد یزید بن ماجہ قزوینی ”صاحب السنن“ (متوفی ۲۷۳ھ)

۲۲-حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی ”مصنف سنن نسائی“ (متوفی ۳۰۳ھ)

۲۳-حضرت محمد بن جریر طبری ”صاحب التاریخ“ (متوفی ۳۱۰ھ)

۲۴-حضرت حافظ عبدالغنی بن سعید امام النسب (متوفی ۳۳۲ھ)

۲۵-حضرت ابونعیم احمد بن عبداللہ ”صاحب الحلیہ“ (متوفی ۴۳۰ھ)

۲۶-حضرت شیخ الاسلام ابوعمر حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ)

۲۷-حضرت ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ)

۲۸-حضرت علامہ قاضی عیاض ”صاحب الشفاء“ (متوفی ۵۴۴ھ)

۲۹-حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی ”صاحب الروض الانف“ (متوفی ۵۸۱ھ)

۳۰-حضرت علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی ”صاحب شرف المصطفیٰ“ (متوفی ۵۹۷ھ)

۳۱-حضرت احمد بن محمد بن ابوبکر قسطلانی ”صاحب مواہب لدنیہ“ (متوفی ۹۲۳ھ)

۳۲-حضرت امام شرف الدین عبدالمومن دمیاطی ”صاحب سیرت دمیاطی“ (متوفی ۷۰۵ھ)

۳۳-حضرت ابن سید الناس بصری ”صاحب عیون الاثر“ (متوفی ۷۳۴ھ)

۳۴-حضرت حافظ علاء الدین مغلطائی ”صاحب الاشارۃ الٰی سیرۃ المصطفیٰ“ (متوفی ۷۶۲ھ)

۳۵-حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی ”متوفی ۸۵۲ھ“ (شارح بخاری)

۳۶-حضرت علامہ بدر الدین محمود عینی ”شارح بخاری“ (متوفی ۸۵۵ھ)

۳۷-حضرت ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد سمہودی ”صاحب وفاء الوفاء“ (متوفی ۹۱۱ھ)

۳۸-حضرت محمد بن یوسف صالحی ”صاحب السیرۃ الشامیہ“ (متوفی ۹۴۲ھ)

۳۹-حضرت علی بن برہان الدین ”صاحب السیرۃ الحلبیہ“ (متوفی ۱۰۴۴ھ)

۴۰-حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ”صاحب مدارج النبوۃ“ (متوفی ۱۰۵۲ھ)

(رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

سیرت کیا ہے؟

قدمائے محدثین وفقہاء ”مغازی وسیر“ کے عنوان کے تحت میں فقط غزوات اور اس کے متعلقات کو بیان کرتے تھے مگر سیرتِ نبویہ کے مصنفین نے اس عنوان کو اس قدر وسعت دے دی کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے وفات اقدس تک کے تمام مراحل حیات، آپ کی ذات وصفات، آپ کے دن رات، اور تمام وہ چیزیں جن کو آپ کی ذات والا صفات سے تعلقات ہوں۔ خواہ وہ انسانی زندگی کے معاملات ہوں۔ یا نبوت کے معجزات ہوں ان سب کو ”کتابِ سیرت“ ہی کے ابواب وفصول اور مسائل شمار کرنے لگے۔

چنانچہ اعلان نبوت سے پہلے اور بعد کے تمام واقعات کا شانۂ نبوت سے جبل حراء کے غار تک اور جبل حراء کے غار سے جبل ثور کے غار تک اور حرمِ کعبہ سے طائف کے بازار تک اور مکہ کی چراگاہوں سے ملک شام کی تجارت گاہوں تک اور ازواجِ مطہرات کے حجروں کی خلوت گاہوں سے لے کر اسلامی غزوات کی رزم گاہوں تک آپ کی حیاتِ مقدسہ کے ہر ہر لحہ میں آپ کی مقدس سیرت کا آفتاب عالم تاب جلوہ گر ہے۔

اسی طرح خلفاء راشدین ہوں یا دوسرے صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات ہوں یا آپ کی اولادِ عظام، ان سب کی کتاب زندگی کے اوراق پر سیرتِ نبوت کے نقش ونگار پھولوں کی طرح مہکتے، موتیوں کی طرح چمکتے، اور ستاروں کی طرح جگمگاتے ہیں اور یہ تمام مضامین سیرتِ نبویہ

کے ‘‘شجرۃ الخلد’’ ہی کی شاخیں' پتیاں' پھول اور پھل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملکِ عرب

یہ براعظم ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس ملک کے تین طرف سے سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرہ کی طرح گھیر رکھا ہے اس لئے اس ملک کو ‘‘جزیرۃ العرب’’ بھی کہتے ہیں اس کے شمال میں شام وعراق' مغرب میں بحر احمر (بحرۂ قلزم) جو مکہ معظمہ سے بجانب مغرب تقریباً ستر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان وخلیج فارس ہیں۔

اس ملک میں قابل زراعت زمینیں کم ہیں اور اس کا کثیر حصہ پہاڑوں اور ریگستانی صحراؤں پر مشتمل ہے (تاریخ دول العرب والاسلام جلد ا ص ۳)

علماء جغرافیہ نے زمینوں کے طبعی ساخت کے لحاظ سے اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- حجاز۔ ۲- یمن۔ ۳- حضرموت۔ ۴- مہرہ۔ ۵ - عمان۔ ۶- بحرین۔ ۷- نجد ۸-احقاف۔ (تاریخ دول العرب والاسلام ج ا ص ۳)

حجاز

یہ ملک کے مغربی حصہ میں بحر احمر (بحرۂ قلزم) کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملے ہوئے ساحل سمندر کو جو نشیب میں واقع ہے۔ ‘‘تہامہ’’ یا غور ‘‘پست زمین’’ کہتے۔ اور حجاز سے مشرق کی جانب جو ملک کا حصہ ہے وہ ‘‘نجد’’ (بلند زمین) کہلاتا ہے ‘‘حجاز’’ چونکہ ‘‘تہامہ’’ اور ‘‘نجد’’ کے درمیان حاجز اور حائل ہے اِسی لئے ملک کے اس حصہ کو ‘‘حجاز’’ کہنے لگے۔ (دول العرب والاسلام ج ا ص ۴)

حجاز کے مندرجہ ذیل مقامات تاریخ اسلام میں بہت زیادہ مشہور ہیں۔

مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' بدر' اُحد' خیبر' فدک' حنین' طائف' تبوک' غدیر خم' وغیرہ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر ‘‘مدین’’ تبوک کے محاذ میں بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے مقام ‘‘حجر’’ میں جو وادی القریٰ ہے وہاں اب تک عذاب سے قوم ثمود کی الٹ پلٹ کر دی جانے والی بستیوں کے آثار پائے جاتے ہیں ‘‘طائف’’ حجاز میں سب سے زیادہ سرد اور سرسبز مقام ہے اور یہاں کے میوے بہت مشہور ہیں۔

مکہ مکرمہ

حجاز کا یہ مشہور شہر مشرق میں ''جبل ابوقبیس'' اور مغرب میں ''جبل قعیقعان'' دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ریتلے میدانوں کا سلسلہ دور دور تک چلا گیا ہے۔ اسی شہر میں حضور شہنشاہ کونین ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

اِس شہر اور اِس کے اطراف میں مندرجہ ذیل مشہور مقامات واقع ہیں۔ کعبہ معظّمہ، صفا مروہ، مِنیٰ، مزدلفہ، عرفات، غارِ حرا، غارِ ثور، جبل تنعیم، جعرانہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ کی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ ''جدہ'' ہے جو تقریباً چون کیلو میٹر سے کچھ زائد کے فاصلہ پر بحرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

مکہ مکرمہ میں ہر سال ذوالحجہ کے مہینے میں تمام دنیا کے لاکھوں مسلمان بحری، ہوائی اور خشکی کے راستوں سے حج کے لئے آتے ہیں۔

مدینہ منورہ

مکہ مکرمہ سے تقریباً تین سو بیس کلو میٹر کے فاصلہ پر مدینہ منورہ ہے جہاں مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر حضورِ اکرم ﷺ تشریف لائے اور دس برس تک مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اور اِسی شہر میں آپ کا مزارِ مقدس ہے جو مسجد نبوی کے اندر ''گنبد خضرا'' کے نام سے مشہور ہے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً چار کلو میٹر جانب شمال کو ''اُحد'' کا پہاڑ ہے جہاں حق و باطل کی مشہور لڑائی ''جنگِ اُحد'' لڑی گئی۔ اِسی پہاڑ کے دامن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ کلو میٹر کی دوری پر ''مسجد قبا'' ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہجرت کے بعد حضورِ اقدس ﷺ نے قیام فرمایا اور اپنے دست مبارک سے اِس مسجد کو تعمیر فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی مدینہ منورہ کی بندرگاہ ''ینبع'' ہے جو مدینہ منورہ سے ایک سو سترہ کلو میٹر کے فاصلہ پر بحرہ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔

خاتم النّبیین عرب میں کیوں؟

اگر ہم عرب کو کرۂ زمین کے نقشہ پر دیکھیں تو اس کے محلِ وقوع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ملک عرب کو ایشیا یورپ اور افریقہ تین براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے۔ اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لئے ہم کسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو ملکِ عرب ہی اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب مقام ہے۔ خصوصاً حضور خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ اور یورپ، اور ایشیاء کی تین بڑی بڑی سلطنتوں کا تعلق ملک عرب سے تھا۔ تو ظاہر ہے کہ ملک عرب سے اٹھنے والی آواز کو ان براعظموں میں پہنچائے جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ غالباً یہی وہ حکمت الٰہیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو ملک عرب میں پیدا فرمایا، اور ان کو اقوام عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

عرب کی سیاسی پوزیشن

حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت ملک عرب کی سیاسی حالت کا یہ حال تھا کہ جنوبی حصہ پر سلطنتِ حبشہ کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا قبضہ تھا۔ اور شمالی ٹکڑا سلطنتِ روم کی مشرقی شاخ سلطنتِ قسطنطنیہ کے زیر اثر تھا۔ اندرون ملک بزعم خود ملک عرب آزاد تھا لیکن اس پر قبضہ کرنے کے لئے ہر ایک سلطنت کوشش میں لگی ہوئی تھی اور درحقیقت ان سلطنتوں کی باہمی رقابتوں ہی کے طفیل ملک عرب آزادی کی نعمت سے بہرہ ور تھا۔

عرب کی اخلاقی حالت

عرب کی اخلاقی حالت نہایت ہی ابتر بلکہ بد سے بدتر تھی جہالت نے ان میں بت پرستی کو جنم دیا۔ اور بت پرستی کی لعنت نے ان کے انسانی دل و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ وہ مظاہر فطرت کی ہر چیز پتھر، درخت، چاند، سورج، پہاڑ، دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے۔ اور خود ساختہ مٹی اور پتھر کی مورتوں کی عبادت کرتے تھے عقائد کی خرابی کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال و افعال بے حد بگڑے ہوئے تھے۔ قتل، رہزنی، جوا، شراب نوشی، حرام کاری، عورتوں کا اغواء، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، عیاشی، فحش گوئی، غرض کون سا ایسا گندہ اور گھناؤنا عمل تھا جو ان کی سرشت میں نہ رہا ہو۔ چھوٹے بڑے سب کے سب گناہوں کے پتلے اور پاپ کے پہاڑ بنے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم کی اولاد

بانیٔ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرزند کا نام نامی حضرت

اسماعیل علیہ السلام ہے جو حضرت بی بی ہاجرہ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اور ان کی والدہ حضرت بی بی ہاجرہ کو مکہ مکرمہ میں لاکر آباد کیا اور عرب کی زمین ان کو عطا فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام ہے جو حضرت بی بی سارہ کے مقدس شکم سے تولد ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملک شام عطا فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی حضرت قطورہ کے پیٹ سے جو اولاد ''مدین'' وغیرہ ہوئے ان کو آپ نے یمن کا علاقہ عطا فرمایا۔

اولاد حضرت اسماعیل

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے اور ان کی اولاد میں خداوند قدوس نے اس قدر برکت عطا فرمائی کہ وہ بہت جلد تمام عرب میں پھیل گئے یہاں تک کہ مغرب میں مصر کے قریب تک ان کی آبادیاں جا پہنچیں اور جنوب کی طرف اِن کے خیمے یمن تک پہنچ گئے اور شمال کی طرف ان کی بستیاں ملک شام سے جا ملیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک فرزند جن کا نام ''قیدار'' تھا۔ بہت ہی نامور ہوئے اور ان کی اولاد خاص مکہ میں آباد رہی اور یہ لوگ اپنے باپ کی طرح ہمیشہ کعبہ معظمہ کی خدمت کرتے رہے جس کو دنیا میں توحید کی سب سے پہلی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انہی قیدار کی اولاد میں ''عدنان'' نامی نہایت اُولوالعزم شخص پیدا ہوئے اور ''عدنان'' کی اولاد میں چند پشتوں کے بعد ''قصی'' بہت ہی جاہ وجلال والے شخص پیدا ہوئے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد پر ۴۴۰ء میں ایک سلطنت قائم کی اور ایک قومی مجلس (پارلیمنٹ) بنائی جو ''دارالندوہ'' کے نام سے مشہور ہے اور اپنا ایک قومی جھنڈا بنایا جس کو ''لواء'' کہتے تھے اور مندرج ذیل چار عہدے قائم کئے جن کی ذمہ داری چار قبیلوں کو سونپ دی۔

۱-رفادۃ۔ ۲-سقایۃ۔
۳-حجابۃ۔ ۴-قیادۃ۔

''قصی'' کے بعد ان کے فرزند ''عبدمناف'' اپنے باپ کے جانشین ہوئے پھر ان کے فرزند ''ہاشم'' پھر ان کے فرزند ''عبدالمطلب'' یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے جانشین

ہوتے رہے۔ انہی عبدالمطلب کے فرزند حضرت عبداللہ ہیں جن کے فرزند ارجمند ہمارے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں۔ جن کی مقدس سیرت پاک لکھنے کا خداوند عالم نے اپنے فضل سے ہم کو شرف عطا فرمایا ہے۔

سیرۃ النبی پڑھنے کا طریقہ

اس کتاب کا مطالعہ آپ اس طرح نہ کریں جس طرح عام طور پر لوگ ناولوں یا قصہ کہانیوں' یا تاریخی کتابوں کو نہایت ہی لاپروائی کے ساتھ پاکی ناپاکی ہر حالت میں پڑھتے رہتے ہیں اور نہایت ہی بے توجہی کے ساتھ پڑھ کر اِدھر اُدھر ڈال دیا کرتے ہیں بلکہ آپ اس جذبۂ عقیدت اور والہانہ جوش محبت کے ساتھ اِس کتاب کا مطالعہ کریں کہ یہ شہنشاہ دارین اور محبوب رَبِّ المشرقین وَالمغربین کی حیات طیبہ' اور اُن کی سیرتِ مقدسہ کا ذکر جمیل ہے۔ جو ہماری ایمانی عقیدتوں کا مرکز اور ہماری اسلامی زندگی کا محور ہے۔ یہ محبوب خدا ﷺ کی اُن قابل احترام اداؤں کا بیان ہے جن پر کائناتِ عالم کی تمام عظمتیں قربان ہیں' لہٰذا اِس کے مطالعہ کے وقت آپ کو ادب واحترام کا پیکر بن کر' اور تعظیم وتوقیر کے جذبات صادقہ سے اپنے قلب ودماغ کو منور کر کے اس تصور کے ساتھ اس کی ایک ایک سطر کو پڑھنا چاہیے کہ اس کا ایک ایک لفظ میرے لئے حسنات وبرکات کا خزانہ ہے اور گویا میں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے مقدس دربار میں حاضر ہوں اور آپ کی ان پیاری پیاری اداؤں کو دیکھ رہا ہوں اور آپ کے فیض صحبت سے انوار حاصل کر رہا ہوں۔ حضرت ابوابراہیم تجیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ۔

> ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ رحمتِ عالم ﷺ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ پرسکون ہو کر نیاز مندی و عاجزی کا اظہار کرے اور اپنے قلب میں آپ کی عظمت اور ہیبت وجلال کا ایسا ہی تاثر پیدا کرے جیسا کہ آپ کے روبرو حاضر ہونے کی صورت میں آپ کے جلال وہیبت سے متاثر ہوتا۔ (شفاء ج ۲ ص ۳۲)

اور حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ۔

> حضورِ انور ﷺ کی وفات اقدس کے بعد بھی ہر امتی پر آپ کی اتنی ہی تعظیم و توقیر لازم ہے جتنی کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ بغداد ابوجعفر منصور عباسی جب مسجد نبوی میں آ کر زور زور سے بولنے لگا۔ تو حضرت امام

> مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ اے امیر المومنین! یہاں بلند آواز سے گفتگو نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے حبیب کے دربار کا یہ ادب سکھایا ہے کہ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ یعنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ وَاِنَّ حُرْمَتَهٗ مَيِّتًا كَحُرْمَتِهٖ حَيًّا اور آپ کی وفات اقدس کے بعد بھی ہر امتی پر آپ کی اِتنی ہی تعظیم واجب ہے جتنی کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی۔ یہ سن کر خلیفہ لرزہ براندام ہو کر نرم پڑ گیا۔ (شفاء شریف ج ۲ ص ۳۲ و ص ۳۳)

بہر حال سیرتِ مقدسہ کی کتابوں کو پڑھتے وقت ادب واحترام لازم ہے اور بہتر یہ ہے کہ جب پڑھنا شروع کرے تو دُرُود شریف پڑھ کر کتاب شروع کرے اور جب تک دلجمعی باقی رہے پڑھتا رہے اور جب ذرا بھی اُکتاہٹ محسوس کرے تو پڑھنا بند کر دے اور بے توجہی کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ پڑھے۔

وَاللہ تعالیٰ ھوالموفق والمعین وصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

حضور تاجدارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

کی

مکی زندگی

محمد وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریم قدس کا شمع شبستانی
مبشر جس کی بعثت کا ظہورِ عیسیٰ مریم
مصدق جس کی عظمت کا لب موسیٰ عمرانی
(علیہم الصلوٰۃ والسلام)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا ○ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ الْمُصْطَفٰی ○ وَاٰلِہٖ
وَصَحْبِہٖ اَبَدًا ○

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ نُوْرِ مُحَمَّدْ صَلَّی اللّٰہ
لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ چل میرے خامہ "بِسْمِ اللّٰہ"

پہلا باب

خاندانی حالات

نسب نامہ

حضورِ اقدس ﷺ کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے۔ ١- حضرت محمد ﷺ
٢- بن عبداللہ ٣- بن عبدالمطلب ٤- بن ہاشم ٥- بن عبد مناف ٦- بن قصیٰ ٧- بن کلاب ٨-
بن مرہ ٩- بن کعب ١٠- بن لوی ١١- بن غالب ١٢- بن فہر ١٣- بن مالک ١٤- بن نضر ١٥- بن
کنانہ ١٦- بن خزیمہ ١٧- بن مدریکہ ١٨- بن الیاس ١٩- بن مضر ٢٠- بن نزار ٢١- بن معد
٢٢- بن عدنان۔ (بخاری ج ١ باب مبعث النبی ﷺ)

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

١- حضرت محمد ﷺ ٢- بن آمنہ ٣- بنت وہب
٤- بن عبد مناف ٥- بن زہرہ ٦- بن کلاب ٧- بن مرہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا نسب نامہ "کلاب بن مرہ" پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں "عدنان" تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ باتفاق مورخین ثابت ہے اس کے بعد ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے اور حضور ﷺ جب بھی اپنا نسب نامہ بیان فرماتے تھے تو "عدنان" ہی تک ذکر فرماتے تھے۔ (کرمانی بحوالہ حاشیہ بخاری ج ١ ص ٥٤٣)

مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ "عدنان" حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

خاندانی شرافت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان و نسب نجابت و شرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف و اعلیٰ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ کے بدترین دشمن کفارِ مکہ بھی کبھی اس کا انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت ابو سفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے بادشاہ روم ہرقل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ "هو فینا ذو نسب" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم "عالی خاندان" ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۴)

حالانکہ اس وقت وہ آپ کے بدترین دشمن تھے اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ کی ذات پاک پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرا دیں "مسلم شریف" کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے "کنانہ" کو برگزیدہ بنایا اور "کنانہ" میں سے "قریش" کو چنا اور "قریش" میں سے "بنی ہاشم" کو منتخب فرمایا اور "بنی ہاشم" میں سے مجھ کو چن لیا۔ (مشکوٰۃ فضائل سید المرسلین)

بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ۔

لَهُ النَّسَبُ الْعَالِیْ فَلَیْسَ كَمِثْلِهٖ
حَسِیْبٌ نَسِیْبٌ مُنْعَمٌ مُتَكَرَّمٌ

یعنی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ کوئی بھی حسب و نسب والا اور نعمت و بزرگی والا آپ کے مثل نہیں ہے۔

قریش

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ نبوت میں سبھی حضرات اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بڑے نامی گرامی ہیں مگر چند ہستیاں ایسی ہیں جو آسمان فضل و کمال پر چاند تارے بن کر چمکے ان باکمالوں میں سے "فہر بن مالک" بھی ہیں ان کا لقب "قریش" ہے اور ان کی اولاد "قریشی" "یا قریش" کہلاتی ہے!

"فہر بن مالک" قریش اس لئے کہلاتے ہیں کہ "قریش" ایک سمندری جانور کا نام ہے جو بہت ہی طاقتور ہوتا ہے اور سمندری جانوروں کو کھا ڈالتا ہے۔ یہ تمام جانوروں پر ہمیشہ غالب ہی رہتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا چونکہ "فہر بن مالک" اپنی شجاعت اور خداداد طاقت کی بنا پر تمام قبائل عرب پر غالب تھے اس لئے تمام اہل عرب ان کو "قریش" کے لقب سے پکارنے لگے۔ چنانچہ اس بارے میں "شمرخ بن عمرو حمیری" کا شعر بہت مشہور ہے کہ ۔

وَ قُرَیْشٌ هِیَ الَّتِیْ تَسْکُنُ الْبَحْرَ
بِهَا سُمِّیَتْ قُرَیْشٌ قُرَیْشًا

یعنی "قریش" ایک جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام "قریش" رکھ دیا گیا۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۷۶)

حضور ﷺ کے ماں باپ دونوں کا سلسلہ نسب "فہر بن مالک" سے ملتا ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ ماں باپ دونوں کی طرف سے "قریشی" ہیں۔

ہاشم

حضور ﷺ کے پردادا "ہاشم" بڑی شان و شوکت کے مالک تھے۔ ان کا اصلی نام "عمرو" تھا انتہائی بہادر بے حد سخی، اور اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے۔ ایک سال عرب میں بہت سخت قحط پڑ گیا۔ اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے تو یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر حج کے دنوں میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ثرید بنا کر تمام حاجیوں کو خوب پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے لوگ ان کو "ہاشم" (روٹیوں کا چورہ کرنے والا کہنے لگے)۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸)

چونکہ یہ "عبد مناف" کے سب لڑکوں میں بڑے اور باصلاحیت تھے اس لئے عبد مناف کے بعد کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے۔ بہت حسین و خوبصورت اور وجیہ تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو ان کی شادی مدینہ میں قبیلہ خزرج کے ایک سردار عمرو کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن کا نام "سلمیٰ" تھا اور ان کے صاحبزادے "عبدالمطلب" مدینہ ہی میں پیدا ہوئے چونکہ ہاشم "پچیس سال کی عمر پا کر ملک شام کے راستہ میں بمقام "غزہ" انتقال کر گئے۔ اس لئے عبدالمطلب مدینہ ہی میں اپنے نانا کے گھر پلے بڑھے۔ اور جب سات یا آٹھ سال کے ہو گئے

تو مکہ آ کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

عبدالمطلب

حضورِ اقدس ﷺ کے دادا ''عبدالمطلب'' کا اصلی نام ''شیبہ'' ہے۔ یہ بڑے ہی نیک نفس اور عابد و زاہد تھے۔ ''غارِ حرا'' میں کھانا پانی ساتھ لے کر جاتے اور کئی کئی دنوں تک لگاتار خدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ رمضان شریف کے مہینے میں اکثر غارِ حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خدا کے دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا نورِ نبوت ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اور ان کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اہلِ عرب خصوصاً قریش کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ مکہ والوں پر جب کوئی مصیبت آتی یا قحط پڑ جاتا تو لوگ عبدالمطلب کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ جاتے اور بارگاہ خداوندی میں ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے تھے تو دعا مقبول ہو جاتی تھی۔ یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے لوگوں کو بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے اور چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ اپنے دستر خوان سے پرندوں کو بھی کھلایا کرتے تھے اس لئے ان کا لقب ''مطعم الطیر'' (پرندوں کو کھلانے والا) ہے۔ شراب اور زنا کو حرام جانتے تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے ''موحد'' تھے ''زمزم شریف'' کا کنواں جو بالکل پٹ گیا تھا آپ ہی نے اس کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا اور لوگوں کو آبِ زمزم سے سیراب کیا۔ آپ بھی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے اصحابِ فیل کا واقعہ آپ ہی کے وقت میں پیش آیا ایک سو بیس برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۷۲)

اصحابِ فیل کا واقعہ

حضورِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے صرف پچپن دن پہلے یمن کا بادشاہ ''ابرہہ'' ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ ڈھانے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ''ابرہہ'' نے یمن کے دارالسلطنت ''صنعاء'' میں ایک بہت ہی شاندار اور عالی شان ''گرجا گھر'' بنایا اور یہ کوشش کرنے لگا کہ عرب کے لوگ بجائے خانہ کعبہ کے یمن آ کر اس گرجا گھر کا حج کیا کریں۔ جب مکہ والوں کو یہ معلوم ہوا تو قبیلہ ''کنانہ'' کا ایک شخص غیظ و غضب میں جل بھن کر یمن گیا۔ اور وہاں کے گرجا گھروں میں پاخانہ پھر کر اس کو نجاست سے لت پت کر دیا جب ابرہہ نے یہ واقعہ سنا تو وہ طیش میں آپے سے باہر ہو گیا اور خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کی فوج لے

کر مکہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس کی فوج کے اگلے دستہ نے مکہ والوں کے تمام اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کو چھین لیا اس میں دو سو یا چار سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۸۵)

عبدالمطلب کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا۔ چنانچہ آپ اس معاملہ میں گفتگو کرنے کے لئے اس کے لشکر میں تشریف لے گئے جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ قریش کا سردار اس سے ملاقات کرنے کے لئے آیا ہے تو اس نے آپ کو اپنے خیمے میں بلا لیا اور جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ ایک بلند قامت، رعب دار اور نہایت ہی حسین و جمیل آدمی ہیں جن کی پیشانی پر نورِ نبوت کا جاہ و جلال چمک رہا ہے تو صورت دیکھتے ہی ابرہہ مرعوب ہو گیا۔ اور بے اختیار تختِ شاہی سے اُتر کر آپ کی تعظیم و تکریم کے لئے کھڑا ہو گیا اور اپنے برابر بٹھا کر دریافت کیا کہ کہیے سردار قریش! یہاں آپ کی تشریف آوری کا کیا مقصد ہے؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہمارے اونٹ اور بکریاں وغیرہ جو آپ کے لشکر کے سپاہی ہانک لائے ہیں آپ ان سب مویشیوں کو ہمارے سپرد کر دیجئے۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا کہ اے سردار قریش! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ بہت ہی حوصلہ مند اور شاندار آدمی ہیں مگر آپ نے مجھ سے اپنے اونٹوں کا سوال کر کے میری نظروں میں اپنا وقار کم کر دیا۔ اونٹ اور بکری کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میں تو آپ کے کعبہ کو توڑ پھوڑ کر برباد کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ نے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی عبدالمطلب نے کہا کہ مجھے تو اپنے اونٹوں سے مطلب ہے کعبہ میرا گھر نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا گھر ہے وہ خود اپنے گھر کو بچا لے گا مجھے کعبہ کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ یہ سن کر ابرہہ اپنے فرعونی لہجہ میں کہنے لگا کہ اے سردار مکہ! سن لیجئے میں کعبہ کو ڈھا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور روئے زمین سے اس کا نام و نشان مٹا دوں گا کیونکہ مکہ والوں نے میرے گرجا گھر کی بڑی بے حرمتی کی ہے اس لئے میں اس کا انتقام لینے کے لئے کعبہ کو مسمار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں عبدالمطلب نے فرمایا کہ پھر آپ جانیں اور خدا جانے۔ میں آپ سے سفارش کرنے والا کون؟ اس گفتگو کے بعد ابرہہ نے تمام جانوروں کو واپس کر دینے کا حکم دے دیا اور عبدالمطلب تمام اونٹوں اور بکریوں کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلے آئے اور مکہ والوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے مال مویشیوں کو لے کر مکہ سے باہر نکل جاؤ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اور دروں میں چھپ کر پناہ لو۔ مکہ والوں سے یہ کہہ کر پھر خود اپنے خاندان کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گئے اور دروازہ کا حلقہ پکڑ کر انتہائی بے قراری اور گریہ و زاری کے ساتھ دربار باری میں اس

طرح دعا مانگنے لگے کہ

لَاهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ یَمْنُع رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ
وَانْصُرْ عَلٰى اٰلِ الصَّلِیْبِ وَعَابِدِیْهِ الْیَوْمَ اٰلَكَ

اے اللہ! بے شک ہر شخص اپنے اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے لہٰذا تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ اور صلیب والوں' اور صلیب کے پجاریوں (عیسائیوں) کے مقابلہ میں اپنے اطاعت شعاروں کی مدد فرما۔ عبدالمطلب نے یہ دعا مانگی اور اپنے خاندان والوں کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور خدا کی قدرت کا جلوہ دیکھنے لگے۔ ابرہہ جب صبح کو کعبہ ڈھانے کے لئے اپنے لشکر جرار' اور ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ آگے بڑھا اور مقام ''مغمس'' میں پہنچا تو خود اس کا ہاتھی جس کا نام ''محمود'' تھا ایک دم بیٹھ گیا۔ ہر چند مارا' اور بار بار للکارا مگر ہاتھی نہیں اٹھا۔ اسی حال میں قہر الٰہی ابابیلوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور ننھے ننھے پرندے جھنڈ کے جھنڈ جن کی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں سمندر کی جانب سے حرم کعبہ کی طرف آنے لگے ابابیلوں کے ان دل بادل لشکروں نے ابرہہ کی فوج پر اس زور شور سے سنگ باری شروع کر دی کہ آن کی آن میں ابرہہ کے لشکر' اور اس کے ہاتھیوں کے پرخچے اڑ گئے۔ ابابیلوں کی سنگ باری خداوند قہار و جبار کے قہر و غضب کی ایسی مار تھی کہ جب کوئی کنکری کسی فیل سوار کے سر پر پڑتی تھی تو وہ اس آدمی کے بدن کو چھیدتی ہوئی ہاتھی کے بدن سے پار ہو جاتی تھی ابرہہ کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچا اور سب کے سب ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں سمیت اس طرح ہلاک و برباد ہو گئے کہ ان کے جسموں کی بوٹیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی ''سورۂ فیل'' میں خداوند قدوس نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِیْ
تَضْلِيْلٍ ○ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○

یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کر ڈالا؟ کیا ان کے داؤں کو تباہی میں نہ ڈالا؟ اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں تاکہ انہیں کنکر کے پتھروں سے ماریں۔ تو انہیں چبائے ہوئے بھس جیسا بنا ڈالا۔

جب ابرہہ اور اس کے لشکروں کا یہ انجام ہوا تو عبدالمطلب پہاڑ سے نیچے اترے اور خدا کا شکر ادا کیا ان کی اس کرامت کا دور دور تک چرچا ہو گیا اور تمام اہل عرب ان کو ایک خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے قابل احترام سمجھنے لگے۔

حضرت عبداللہ

یہ ہمارے حضور رحمتِ عالم ﷺ کے والد ماجد ہیں یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے۔ چونکہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لئے حسن و خوبی کے پیکر، اور جمالِ صورت و کمال سیرت کے آئینہ دار، اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔ قبیلہ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ، اور ان سے شادی کی خواستگار تھیں۔ مگر عبدالمطلب ان کے لئے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب و نسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز ہو۔ عجیب اتفاق کہ ایک دن عبداللہ شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے تھے ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے کہ نبی آخرالزماں کے والد ماجد یہی ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبداللہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ عبداللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ عالم غیب سے چند ایسے سوار ناگہاں نمودار ہوئے جو اس دنیا کے لوگوں سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتے تھے ان سواروں نے آ کر یہودیوں کو مار بھگایا اور عبداللہ کو بحفاظت ان کے مکان تک پہنچا دیا۔ "وہب بن مناف" بھی اس دن جنگل میں تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا۔ اس لئے ان کو عبداللہ سے بے انتہا محبت و عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور گھر آ کر یہ عزم کیا کہ میں اپنی نورِ نظر "آمنہ" کی شادی عبداللہ ہی سے کروں گا چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انہوں نے عبدالمطلب تک پہنچا دیا خدا کی شان کہ عبدالمطلب نے اپنے نورِ نظر عبداللہ کے لئے جیسی دلہن کی تلاش میں تھے۔ وہ ساری خوبیاں "حضرت آمنہ" بنت وہب میں موجود تھیں۔ عبدالمطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ چوبیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کا حضرت بی بی آمنہ سے نکاح ہو گیا۔ اور نور محمدی

حضرت عبداللہ سے منتقل ہو کر حضرت بی بی آمنہ کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لئے مدینہ بھیجا یا تجارت کے لئے ملک شام روانہ کیا وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننہال "بنوعدی بن نجار" میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں "دارنابغہ" میں مدفون ہوئے۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۰۱ و مدارج جلد ۲ ص ۱۴)

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لئے اپنے سب سے بڑے لڑکے "حارث" کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ راہی ملک بقا ہو چکے تھے حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا خود حضرت آمنہ نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پر درد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی تیرا نبی یتیم ہو گیا حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و حافظ ہوں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴)

حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی "اُمِ ایمن" جس کا نام "برکہ" تھا۔ کچھ اونٹ کچھ بکریاں تھیں یہ سب ترکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ "اُمِ ایمن" بچپن میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ کھلاتیں، کپڑا پہناتیں، پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں۔ اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر "اُمِ ایمن" کی دل جوئی فرماتے رہے اپنے محبوب و متبنیٰ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا اور ان کے شکم سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ (عامہ کتب سیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مومن ہیں یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مومن نہیں مانتے اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور فرمایا کہ ان دونوں کو مومن یا کافر کہنے سے زبان کو روکنا چاہیے اور اس کا علم خدا کے سپرد کر دینا چاہیے مگر اہلِ سنت کے علماء محققین مثلاً امام جلال الدین سیوطی و علامہ ابن حجر ہیتمی و امام قرطبی و حافظ الشام ابن ناصر الدین و حافظ شمس الدین دمشقی، و قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی

وشیخ عبدالحق محدث دہلوی وصاحب الاکلیل مولانا عبدالحق مہاجر مدنی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور ﷺ کے ماں باپ دونوں یقیناً بلا شبہ مومن ہیں چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ۔

> حضور کے والدین کو مومن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متاخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور کے والدین' بلکہ حضور کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب ''مومن'' ہیں۔

اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء متاخرین کے تین طریقے ہیں۔ اول یہ کہ حضور کے والدین اور آباؤ واجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے' لہٰذا ''مومن'' ہوئے۔ دوم یہ کہ یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ ''فترت'' کہلاتا ہے۔ اور ان لوگوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ ایمان پہنچی ہی نہیں۔ لہٰذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان لوگوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی۔

اور حضور کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ بذاتِ خود ضعیف ہے مگر اس کی سندیں اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث ''صحیح'' اور ''حسن'' کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متاخرین پر منکشف فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتا ہے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کئے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج اول ص ۷۱۸)

اسی طرح خاتمۃ المفسرین حضرت شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ۔

امام قرطبی نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ''حجۃ الوداع'' میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے۔ اور ''حجون'' کی گھاٹی پر گزرے تو رنج وغم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی پھر حضور اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو

خوش خوش مسکراتے ہوئے تشریف لائے میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' کیا بات ہے؟ کہ آپ رنج و غم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے اور واپس لوٹے تو شاداں و فرحاں مسکراتے ہوئے تشریف فرما ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کے زیارت کے لئے گیا تھا۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرمادے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمادیا اور وہ ایمان لائیں۔

اور ''الاشباہ والنظائرۃ'' میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ بجز رسول اللہ ﷺ کے والدین کے کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمایا اور یہ دونوں ایمان لائے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ماں باپ کی قبروں کے پاس روئے اور ایک خشک درخت زمین میں بو دیا اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے۔ اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔

اور ان دونوں کا زندہ ہونا' اور ایمان لانا' نہ عقلاً محال ہے نہ شرعاً کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے۔ جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور ﷺ کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ ''میں نے اپنی والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔'' یہ حدیث حضور کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے۔ کیونکہ حضور کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر ہوا ہے (جو حضور کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے) اور حضور کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے ہی رہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے حضور کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطا فرمایا تھا کہ آپ کے والدین مسلمان ہوں مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ کو سرفراز فرمادیا کہ آپ کے والدین کو صاحبِ ایمان بنادیا اور قاضی امام ابوبکر ابن العربی مالکی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے آباؤ اجداد جہنم میں ہیں۔ تو آپ نے

فرمایا کہ یہ شخص ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (احزاب)

(یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں ملعون کردے گا)

حافظ شمس الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

حَبَا اللّٰهُ النَّبِیَّ مَزِیْدَ فَضْلٍ
عَلٰی فَضْلٍ وَّکَانَ بِهٖ رَئُوْفًا

اللہ تعالیٰ نے نبی کو فضل بالائے فضل سے بھی بڑھ کر فضیلت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان ہے۔

فَاَحْیَا اُمَّهٗ وَکَذَا اَبَاهُ
لِاِیْمَانٍ بِهٖ فَضْلًا لَّطِیْفًا

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضور کے ماں باپ کو حضور پر ایمان لانے کے لئے اپنے فضل لطیف سے زندہ فرمادیا۔

فَسَلِّمْ فَالْقَدِیْمُ بِهٖ قَدِیْرٌ
وَاِنْ کَانَ الْحَدِیْثُ بِهٖ ضَعِیْفًا

تو تم اس بات کو مان لو۔ کیونکہ خداوند قدیم اس بات پر قادر ہے اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (انتہی ملتقطاً تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۲۱۷ تا ۲۱۸)

صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا کہ

علامہ ابن حجر ہیتمی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ "حضور ﷺ کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں ایمان لائے۔ اور پھر وفات پاگئے" یہ حدیث صحیح ہے اور جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی، اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے کیونکہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد اور عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے والدین کا موت کے بعد اٹھ کر ایمان لانا۔ یہ ایمان ان کے لئے نافع ہے حالانکہ دوسروں

کے لئے یہ ایمان مفید نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کے والدین کو نسبت رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لئے نہیں ہے اور حضور کی حدیث **لیت شعری مافعل ابوای** (کاش مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) کے بارے میں امام سیوطی نے ''درمنثور'' میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف الاسناد ہے۔

(اکلیل علی مدارک التنزیل ج۲ ص۱۰)

بہر کیف مندرجہ بالا اقتباسات جو معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں ان کو پڑھ لینے کے بعد حضور اقدس ﷺ کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ حضور کے والدین اور تمام آباء و اجداد بلکہ تمام رشتے داروں کے ساتھ ادب و احترام کا التزام رکھا جائے بجز ان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے ''ابولہب'' اور اس کی بیوی ''حمالۃ الحطب'' باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے کیونکہ جن لوگوں کو حضور ﷺ سے نسبت قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی و گستاخی یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا اور آپ قرآن کا فرمان پڑھ چکے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔

اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک محققانہ رسالہ بھی ہے جس کا نام ''شُمُوْلُ الْاِسْلَام لاباء الاکرام'' ہے جس میں آپ نے نہایت ہی مفصل و مدلل طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء و اجداد موحد و مسلم ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

برکاتِ نبوت کا ظہور

جس طرح سورج نکلنے سے پہلے ستاروں کی روپوشی، صبح صادق کی سفیدی، شفق کی سرخی سورج نکلنے کی خوشخبری دینے لگتی ہیں۔ اسی طرح جب آفتاب رسالت کے طلوع کا زمانہ قریب آ گیا تو اطراف عالم میں بہت سے ایسے عجیب واقعات اور خوارق عادات بطور علامات کے ظاہر ہونے لگے۔ جو ساری کائنات کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ بشارت دینے لگے کہ اب رسالت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے۔

چنانچہ اصحابِ فیل کی ہلاکت کا واقعہ۔ ناگہاں بارانِ رحمت سے سرزمین عرب کا سرسبز و

شاداب ہو جانا۔ اور برسوں کی خشک سالی دفع ہو کر پورے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہو جانا۔ بتوں کا منہ کے بل گر پڑنا۔ فارس کے مجوسیوں کی ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی آگ کا ایک لحہ میں بجھ جانا۔ کسریٰ کے محل کا زلزلہ اور اس کے چودہ کنگوروں کا منہدم ہو جانا۔ ''ہمدان'' اور ''قم'' کے درمیان چھ میل لمبے چھ میل چوڑے ''بحرۂ ساوہ'' کا یکا یک بالکل خشک ہو جانا شام اور کوفہ کے درمیان وادی ''سماوہ'' کی خشک ندی کا اچانک جاری ہو جانا۔ حضور ﷺ کی والدہ کے بدن سے ایک ایسے نور کا نکلنا جس سے ''بصریٰ'' کے محل روشن ہو گئے۔ یہ سب واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو حضور علیہ الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری سے پہلے ہی ''مبشرات'' بن کر عالم کائنات کو یہ خوشخبری دینے لگے کہ ؎

مبارک ہو وہ شہ پردے سے باہر ہونے والا ہے
گدائی کو زمانہ جس کے در پر آنے والا ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل اعلان نبوت جو خلاف عادت اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات صادر ہوتے ہیں ان کو شریعت کی اصطلاح میں ''ارھاص'' کہتے ہیں اور اعلانِ نبوت کے بعد انہی کو ''معجزہ'' کہا جاتا ہے اس لئے مذکورہ بالا تمام واقعات ''ارھاص'' ہیں جو حضورِ اکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کرنے سے قبل ظاہر ہوئے جن کو ہم نے ''برکات نبوت'' کے عنوان سے بیان کیا ہے اس قسم کے واقعات جو ''ارھاص'' کہلاتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے چند کا ذکر ہو چکا ہے چند دوسرے واقعات بھی پڑھ لیجئے۔

۱- محدث ابونعیم نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس رات حضور ﷺ کا نورِ نبوت حضرت عبداللہ کی پشت اقدس سے حضرت آمنہ کے بطن مقدس میں منتقل ہوا روئے زمین کے تمام چوپایوں ،خصوصاً قریش کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی اور انہوں نے بزبانِ فصیح اعلان کیا کہ آج اللہ کا وہ مقدس رسول شکم مادر میں جلوہ گر ہو گیا۔ جس کے سر پر تمام دنیا کی امامت کا تاج ہے۔ اور جو سارے عالم کو روشن کرنے والا چراغ ہے۔ مشرق کے جانوروں نے مغرب کے جانوروں کو بشارت دی اسی طرح سمندروں اور دریاؤں کے جانوروں نے ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت ابوالقاسم ﷺ کی ولادت با سعادت کا وقت قریب آ گیا۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۰۸)

٢- خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب حضورِ اقدس ﷺ پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی بدلی آئی جس میں روشنی کے ساتھ گھوڑوں کے ہنہنانے، اور پرندوں کے اُڑنے کی آواز تھی۔ اور کچھ انسانوں کی بولیاں بھی سنائی دیتی تھیں۔ پھر ایک دم حضور ﷺ میرے سامنے سے غائب ہو گئے اور میں نے سنا کہ ایک اعلان کرنے والا اعلان کر رہا ہے کہ محمد (ﷺ) کو مشرق و مغرب میں گشت کراؤ اور ان کو سمندروں کی بھی سیر کراؤ تا کہ تمام کائنات کو ان کا نام ان کا حلیہ ان کی صفت معلوم ہو جائے اور ان کو تمام جاندار مخلوق یعنی جن و انس، ملائکہ اور چرندوں و پرندوں کے سامنے پیش کرو اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی صورت، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کر کے ان کو تمام پیغمبروں کے کمالات اور اخلاق حسنہ سے مزین کر دو۔ اس کے بعد وہ بادل چھٹ گیا پھر میں نے دیکھا کہ آپ ریشم کے سبز کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور اس کپڑے سے پانی ٹپک رہا ہے اور کوئی منادی اعلان کر رہا ہے کہ واہ واہ! کیا خوب محمد (ﷺ) کو تمام دنیا پر قبضہ دے دیا گیا اور کائناتِ عالم کی کوئی چیز باقی نہ رہی جو ان کے قبضہ اقتدار و غلبہ اطاعت میں نہ ہو۔ میں نے چہرۂ انور کو دیکھا تو چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور بدن سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آ رہی تھی پھر تین شخص نظر آئے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تیسرے کے ہاتھ میں ایک چمک دار انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کو سات مرتبہ دھو کر اس نے حضور (ﷺ) کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی پھر حضور (ﷺ) کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اٹھایا اور ایک لمحہ کے بعد مجھے سپرد کر دیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ١ ص ١١٣ تا ص ١١٥)

دوسرا باب

بچپن

ولادت باسعادت

حضورِ اقدس ﷺ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے مگر قول مشہور یہی ہے کہ واقعہ ''اصحاب فیل'' سے پچپن (۵۵) دن کے بعد ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ولادت با سعادت کی تاریخ ہے۔ اہل مکہ کا بھی اسی پر عملدرآمد ہے کہ وہ لوگ بارھویں ربیع الاول ہی کو کاشانۂ نبوت کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور وہاں میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴)

تاریخ عالم میں یہ وہ نرالا اور عظمت والا دن ہے کہ اسی روز عالم ہستی کے ایجاد کا باعث' گردش لیل و نہار کا مطلوب' خلق آدم کا رمز' کشتی نوح کی حفاظت کا راز بانی کعبہ کی دعا' ابن مریم کی بشارت کا ظہور ہوا۔ کائنات وجود کے الجھے ہوئے گیسوؤں کو سنوارنے والا' تمام جہان کے بگڑے نظاموں کو سدھارنے والا یعنی ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ماویٰ' ضعیفوں کا ملجا
یتیموں کا والی' غلاموں کا آقا

سند الاصفیاء' اشرف الانبیاء' احمد مجتبیٰ' محمد مصطفیٰ ﷺ عالم وجود میں رونق افروز ہوئے اور پاکیزہ بدن' ناف بریدہ' ختنہ کئے ہوئے خوشبو میں بسے ہوئے بحالت سجدہ' مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین میں اپنے والد ماجد کے مکان کے اندر پیدا ہوئے باپ کہاں تھے جو بلائے جاتے اور اپنے نونہال کو دیکھ کر نہال ہوتے۔ وہ تو پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ دادا بلائے گئے جو اس وقت طوافِ کعبہ میں مشغول تھے۔ یہ خوشخبری سن کر دادا ''عبدالمطلب'' خوش خوش حرمِ کعبہ سے اپنے

گھر آئے اور والہانہ جوشِ محبت میں اپنے پوتے کو کلیجے سے لگالیا۔ پھر کعبہ میں لے جا کر خیر و برکت کی دعا مانگی اور ''محمد'' نام رکھا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ''ثوبیہ'' خوشی میں دوڑتی ہوئی گئی اور ''ابولہب'' کو بھتیجا پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو اس نے اس خوشی میں شہادت کی انگلی کے اشارہ سے ''ثوبیہ'' کو آزاد کردیا جس کا ثمرہ ابولہب کو یہ ملا۔ کہ اس کی موت کے بعد اس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو اس نے اپنی انگلی اٹھا کر یہ کہا کہ

> تم لوگوں سے جدا ہونے کے بعد مجھے کچھ (کھانے پینے) کو نہیں ملا بجز اس کے کہ ''ثوبیہ'' کو آزاد کرنے کے سبب سے اس انگلی کے ذریعہ کچھ پانی پلا دیا جاتا ہوں۔ (بخاری ج ۲ باب **و امھاتکم التی ارضعنکم**)

اس موقع پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی فکر انگیز اور بصیرت افروز بات تحریر فرمائی ہے جو اہل محبت کے لئے نہایت ہی لذت بخش ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

> ''اس جگہ میلاد کرنے والوں کے لئے ایک سند ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی شب ولادت میں خوشی مناتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ابولہب کو جو کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت پر خوشی منانے' اور باندی کا دودھ خرچ کرنے پر جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آنحضرت ﷺ کی محبت میں سرشار ہوکر خوشی مناتا ہے اور اپنا مال خرچ کرتا ہے۔'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۹)

مولدالنبی

جس مقدس مکان میں حضور اقدس ﷺ کی ولادت ہوئی۔ تاریخ اسلام میں اس مقام کا نام ''مولدالنبی'' (نبی کی پیدائش کی جگہ) ہے یہ بہت ہی متبرک مقام ہے۔ سلاطین اسلام نے اس مبارک یادگار پر بہت ہی شاندار عمارت بنادی تھی۔ جہاں اہل حرمین شریفین اور تمام دنیا سے آنے والے مسلمان دن رات محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہتے تھے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فیوض الحرمین'' میں تحریر فرمایا ہے کہ میں ایک مرتبہ اس محفل میلاد شریف میں حاضر ہوا جو مکہ مکرمہ میں بارھویں ربیع الاول کو ''مولدالنبی'' میں منعقد ہوئی تھی جس وقت ولادت کا ذکر پڑھا جارہا تھا تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی اس مجلس سے کچھ انوار بلند ہوئے میں نے ان انوار پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ

رحمتِ الٰہی اور ان فرشتوں کے انوار تھے جو ایسی محفلوں میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔

جب حجاز پر نجدی حکومت کا تسلط ہوا تو مقابر جنۃ المعلیٰ و جنۃ البقیع کے گنبدوں کے ساتھ ساتھ نجدی حکومت نے اس مقدس یادگار کو بھی توڑ پھوڑ کو مسمار کر دیا اور برسوں یہ مبارک مقام ویران پڑا رہا۔ مگر میں جب جون ۱۹۵۹ء میں اس مرکز خیر و برکت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو میں نے اس جگہ ایک چھوٹی سی بلڈنگ دیکھی جو مقفل تھی بعض عربوں نے بتایا کہ اب اس بلڈنگ میں ایک مختصر سی لائبریری اور ایک چھوٹا سا مکتب ہے اب اس جگہ نہ میلاد شریف ہو سکتا ہے نہ صلاۃ وسلام پڑھنے کی اجازت ہے میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بلڈنگ سے کچھ دور کھڑے ہو کر چپکے چپکے صلاۃ وسلام پڑھا۔ اور مجھ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں کچھ دیر تک روتا رہا۔

دودھ پینے کا زمانہ

سب سے پہلے حضور ﷺ نے ابولہب کی لونڈی ''حضرت ثویبہ'' کا دودھ نوش فرمایا پھر اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے دودھ سے سیراب ہوتے رہے پھر حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ اور اپنے قبیلہ میں رکھ کر آپ کو دودھ پلاتی رہیں اور انہیں کے پاس آپ کے دودھ پینے کا زمانہ گزرا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۸)

شرفاء عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے گردونواح دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے دیہات کی صاف ستھری آب و ہوا میں بچوں کی تندرستی اور جسمانی صحت بھی اچھی ہو جاتی تھی اور وہ خالص اور فصیح عربی زبان بھی سیکھ جاتے تھے کیونکہ شہر کی زبان باہر کے آدمیوں کے میل جول سے خالص اور فصیح و بلیغ زبان نہیں رہا کرتی۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں ''بنی سعد'' کی عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی۔ اس سال عرب میں بہت سخت کال پڑا ہوا تھا میری گود میں ایک بچہ تھا۔ مگر فقر و فاقہ کی وجہ سے میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا جو اس کو کافی ہو سکے۔ رات بھر وہ بچہ بھوک سے تڑپتا' اور روتا بلبلاتا رہتا تھا اور ہم اس کی دلجوئی اور دلداری کے لئے تمام رات بیٹھ کر گزارتے تھے ایک اونٹنی بھی ہمارے پاس تھی مگر اس کے بھی دودھ نہ تھا مکہ مکرمہ کے سفر میں جس خچر پر سوار تھی وہ بھی اس قدر لاغر تھا کہ قافلہ والوں کے ساتھ نہ چل سکتا تھا میرے ہمراہی بھی اس سے تنگ آ چکے تھے بڑی بڑی مشکلوں سے یہ سفر طے ہوا جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا تو جو عورت رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی اور یہ سنتی کہ یہ یتیم ہیں تو کوئی عورت آپ کو لینے کے

لئے تیار نہیں ہوتی تھی کیونکہ بچے کے یتیم ہونے کے سبب سے زیادہ انعام واکرام ملنے کی امید نہیں تھی۔ ادھر حضرت حلیمہ سعدیہ کی قسمت کا ستارہ ثریا سے زیادہ بلند اور چاند سے زیادہ روشن تھا۔ ان کے دودھ کی کمی ان کے لئے رحمت کی زیادتی کا باعث بن گئی کیونکہ دودھ کم دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچا دینا گوارا نہ کیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر "حارث" بن عبدالعزیٰ سے کہا کہ یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں خالی ہاتھ واپس جاؤں۔ اس سے تو بہتر یہی ہے کہ میں اس یتیم ہی کو لے چلوں شوہر نے اس کو منظور کر لیا اور حضرت حلیمہ اس دریتیم کو لے کر آئیں جس سے صرف حلیمہ اور حضرت آمنہ ہی کے گھر میں نہیں بلکہ کائنات عالم کے مشرق و مغرب میں اجالا ہونے والا تھا یہ خداوند قدوس کا فضل عظیم ہی تھا کہ حضرت حلیمہ کی سوئی ہوئی قسمت بیدار ہوگئی اور سرور کائنات ان کی آغوش میں آ گئے اپنے خیمہ میں لا کر جب دودھ پلانے بیٹھیں تو باران رحمت کی طرح برکات نبوت کا ظہور شروع ہو گیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ حضرت حلیمہ کے مبارک پستان میں اس قدر دودھ اترا کہ رحمت عالم نے بھی اور ان کے رضاعی بھائی نے بھی خوب شکم سیر ہو کر دودھ پیا اور دونوں آرام سے سو گئے۔ ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے تھے حضرت حلیمہ کے شوہر نے اس کا دودھ دوہا اور میاں بیوی دونوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور دونوں شکم سیر ہو کر رات بھر سکھ اور چین کی نیند سوئے۔

حضرت حلیمہ کا شوہر حضور رحمت عالم کی یہ برکتیں دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ حلیمہ! تم بڑا ہی مبارک بچہ لائی ہو حضرت حلیمہ نے کہا کہ واقعی مجھے بھی یہی امید ہے کہ یہ نہایت ہی بابرکت بچہ ہے اور خدا کی رحمت بن کر ہم کو ملا ہے اور مجھے یہی توقع ہے کہ اب ہمارا گھر خیر و برکت سے بھر جائے گا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم رحمت عالم کو اپنی گود میں لے کر مکہ مکرمہ سے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے تو میرا وہی خچر اب اس قدر تیز چلنے لگا کہ کسی کی سواری اس کی گرد کو نہیں پہنچتی تھی۔ قافلہ کی عورتیں حیران ہو کر مجھ سے کہنے لگیں کہ اے حلیمہ! کیا یہ وہی خچر ہے؟ جس پر تم سوار ہو کر آئی تھیں۔ یا کوئی دوسرا تیز رفتار خچر تم نے خرید لیا ہے؟ الغرض ہم اپنے گھر پہنچے۔ وہاں سخت قحط پڑا ہوا تھا تمام جانوروں کے تھن میں دودھ خشک ہو چکے تھے۔ لیکن میرے گھر میں قدم رکھتے ہی میری بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے اب روزانہ میری بکریاں جب چراگاہ سے گھر واپس آتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے حالانکہ پوری

بستی میں اور کسی کو اپنے جانوروں کا ایک قطرہ دودھ نہیں ملتا تھا میرے قبیلہ والوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم لوگ بھی اپنے جانوروں کو اسی جگہ چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ اسی چراگاہ میں اپنے مویشی چرانے لگے جہاں میری بکریاں چرتی تھیں مگر یہاں تو چراگاہ اور جنگل کا کوئی عمل دخل ہی نہیں تھا یہ تو رحمت عالم کے برکات نبوت کا فیض تھا۔ جس کو میں اور میرے شوہر کے سوا میری قوم کا کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔

الغرض اسی طرح ہر دم ہر قدم پر ہم برابر آپ کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ دو سال پورے ہو گئے اور میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا آپ کی تندرستی اور نشوونما کا حال دوسرے بچوں سے اتنا اچھا تھا کہ دو سال میں آپ خوب اچھے بڑے معلوم ہونے لگے اب ہم دستور کے مطابق رحمت عالم کو ان کی والدہ کے پاس لائے اور انہوں نے حسب توفیق ہم کو انعام واکرام سے نوازا۔

گو قاعدہ کے مطابق اب ہمیں رحمت عالم کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ مگر آپ کی برکات نبوت کی وجہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی ہم کو آپ کی جدائی گوارا نہیں تھی۔ عجیب اتفاق کہ اس سال مکہ معظمہ میں وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی چنانچہ ہم نے اس وبائی بیماری کا بہانہ کر کے حضرت بی بی آمنہ کو رضامند کر لیا اور پھر ہم رحمت عالم کو واپس اپنے گھر لائے اور پھر ہمارا مکان رحمتوں اور برکتوں کی کان بن گیا اور آپ ہمارے پاس نہایت خوش وخرم ہو کر رہنے لگے گھر سے باہر نکلتے اور دوسرے لڑکوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے، مگر خود ہمیشہ ہر قسم کے کھیل کود سے علیحدہ رہتے۔

ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ اماں جان! میرے دوست بھائی بہن دن بھر نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ ہمیشہ صبح کو اٹھ کر روزانہ کہاں چلے جاتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ لوگ بکریاں چرانے چلے جاتے ہیں یہ سن کر آپ نے فرمایا مادر مہربان! آپ مجھے بھی میری بھائی بہنوں کے ساتھ بھیجا کیجئے۔ چنانچہ آپ کے اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو حضرت حلیمہ نے اپنے بچوں کے ساتھ چراگاہ جانے کی اجازت دے دی اور آپ روزانہ جہاں حضرت حلیمہ کی بکریاں چرتی تھیں تشریف لے جاتے رہے اور بکریاں چراگاہوں میں لے جا کر ان کی دیکھ بھال کرنا جو تمام انبیاء اور رسولوں کی سنت ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے بچپن ہی میں اپنی ایک خصلت نبوت کا اظہار فرما دیا۔

شق صدر

ایک دن آپ چراگاہ میں تھے کہ ایک دم حضرت حلیمہ کے ایک فرزند "ضمرہ" دوڑتے اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے گھر پر آئے اور اپنی ماں حضرت بی بی حلیمہ سے کہا کہ اماں جان! بڑا غضب ہو گیا۔ محمد (ﷺ) کو تین آدمیوں نے جو بہت ہی سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ چت لٹا کر ان کا شکم پھاڑ ڈالا ہے۔ اور میں اسی حال میں ان کو چھوڑ کر بھاگا ہوا آیا ہوں یہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بدحواس ہو کر گھبرائے ہوئے دوڑ کر جنگل میں پہنچے تو یہ دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں مگر خوف و ہراس سے چہرہ زرد اور اداس ہے حضرت حلیمہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں پیار سے چمکار کر پوچھا کہ بیٹا! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین شخص جن کے کپڑے بہت ہی سفید اور صاف ستھرے تھے میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی اور پھر کوئی چیز میرے شکم میں ڈال کر شگاف کو سی دیا۔ لیکن مجھے ذرہ برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱)

یہ واقعہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بے حد گھبرائے اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ان کے اوپر شاید کچھ آسیب کا اثر ہے لہٰذا بہت جلد تم ان کو ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں کیونکہ انہیں اس واقعہ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اب ہم کما حقہ ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ حضرت حلیمہ نے جب مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ حلیمہ! تم تو بڑی خواہش اور چاہ کے ساتھ میرے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھیں پھر اس قدر جلد واپس لے آنے کی وجہ کیا ہے؟ جب حضرت حلیمہ نے شکم چاک کرنے کا واقعہ بیان کیا اور آسیب کا شبہ ظاہر کیا تو حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں خدا کی قسم میرے نورِ نظر پر ہرگز ہرگز کبھی بھی کسی جن یا شیطان کا عمل دخل نہیں ہو سکتا۔ میرے بیٹے کی بڑی شان ہے پھر ایامِ حمل اور وقتِ ولادت کے حیرت انگیز واقعات سنا کر حضرت حلیمہ کو مطمئن کر دیا اور حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر کے اپنے گاؤں میں واپس چلی آئیں اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے لگے۔

شق صدر کتنی بار ہوا؟

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ "الم نشرح" کی

تفسیر میں فرمایا ہے کہ چار مرتبہ آپ کا مقدس سینہ چاک کیا گیا اور اس میں نور و حکمت کا خزینہ بھرا گیا۔ پہلی مرتبہ جب آپ حضرت حلیمہ کے گھر تھے جس کا ذکر ہو چکا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضور ﷺ ان وسوسوں اور خیالات سے محفوظ رہیں جن میں بچے مبتلا ہو کر کھیل کود اور شرارتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں دوسری بار دس برس کی عمر میں ہوا۔ تا کہ جوانی کی پر آشوب شہوتوں کے خطرات سے آپ بے خوف ہو جائیں۔ تیسری بار غارِ حرا میں شق صدر ہوا اور آپ کے قلب میں نورِ سکینہ بھر دیا گیا تا کہ آپ وحی الٰہی کے عظیم اور گراں بار بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ چوتھی مرتبہ شب معراج میں آپ کا مبارک سینہ چاک کر کے نور و حکمت کے خزانوں سے معمور کیا گیا۔ تا کہ آپ کے قلب مبارک میں اتنی وسعت اور صلاحیت پیدا ہو جائے کہ آپ دیدار الٰہی کی تجلیوں، اور کلام ربانی کی ہیبتوں اور عظمتوں کے متحمل ہو سکیں۔

اُمِ ایمن

جب حضور اقدس ﷺ حضرت حلیمہ کے گھر سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے تو حضرت ''اُمِ ایمن'' جو آپ کے والد ماجد کی باندی تھیں آپ کی خاطر داری اور خدمت گزاری میں دن رات جی جان سے مصروف رہنے لگیں اُمِ ایمن کا نام ''برکت'' ہے یہ آپ کو آپ کے والد سے میراث میں ملی تھیں۔ یہی آپ کو کھانا کھلاتی تھیں کپڑے پہناتی تھیں آپ کے کپڑے دھویا کرتی تھیں آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا جن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

بچپن کی ادائیں

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ کا گہوارہ یعنی جھولا فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا اور آپ بچپن میں چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے تو چاند آپ کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا جب آپ کی زبان کھلی تو سب سے اول جو کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر الحمد للہ رب العالمین وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ بچوں کی عادت کے مطابق کبھی بھی آپ نے کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ ایک معین وقت پر رفع حاجت فرماتے۔ اگر کبھی آپ کی شرم گاہ کھل جاتی تو آپ رو رو کر فریاد کرتے۔ اور جب تک شرم گاہ نہ چھپ جاتی آپ کو چین اور قرار نہیں آتا تھا اور اگر شرم گاہ

چھپانے میں مجھ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ کی شرم گاہ چھپا دیتا۔ جب آپ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوئے تو باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے مگر خود کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے لڑکے آپ کو کھیلنے کے لئے بلاتے تو آپ فرماتے کہ میں کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱)

حضرت آمنہ کی وفات

حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف جب چھ برس کی ہوگئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے نانیہال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئیں حضور ﷺ کے والد ماجد کی باندی اُمِ ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر ''ابواء'' نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہوگئی اور وہ وہیں مدفون ہوئیں والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہوگیا لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ دریتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت اُمِ ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کیا اور حضرت اُمِ ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہوگئی۔ تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔

ابو طالب کے پاس

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور حضور ﷺ کی نیک خصلتوں اور دل لبھا دینے والی بچپن کی پیاری پیاری اداؤں نے ابو طالب کو آپ کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ مکان کے اندر اور باہر ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھتے۔ اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے اپنے پاس ہی آپ کا بستر بچھاتے اور ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔

ابو طالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ کسی وقت بھی کوئی جھوٹ بولے ہوں۔ یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو۔ یا بیہودہ لڑکوں

کے پاس کھیلنے کے لئے گئے ہوں۔ یا کبھی کوئی خلاف تہذیب بات کی ہو ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق' نیک اطوار' نرم گفتار بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے پارسا اور پرہیزگار رہے۔

آپ کی دعا سے بارش

ایک مرتبہ ملک عرب میں انتہائی خوفناک قحط پڑ گیا اہل مکہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر ایک حسین وجمیل بوڑھے نے مکہ والوں سے کہا کہ اے اہل مکہ ہمارے اندر ابو طالب موجود ہیں جو بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اور کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی ہیں ہمیں ان کے پاس چل کر دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ چنانچہ سردارانِ عرب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابو طالب! قحط کی آگ نے سارے عرب کو جھلس کر رکھ دیا ہے۔ جانور گھاس پانی کے لئے ترس رہے ہیں اور انسان دانہ پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں قافلوں کی آمد و رفت بند ہو چکی ہے اور ہر طرف بربادی و ویرانی کا دور دورہ ہے۔ آپ بارش کے لئے دعا کیجئے اہل عرب کی فریاد سن کر ابو طالب کا دل بھر آیا اور حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں گئے اور حضور ﷺ کو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور دعا مانگنے میں مشغول ہوئے۔ درمیان دعا میں حضور ﷺ نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا ایک دم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں۔ اور فوراً ہی اس زور کا باران رحمت برسا کہ عرب کی زمین سیراب ہو گئی۔ جنگلوں اور میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ چٹیل میدانوں کی زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ قحط دفع ہو گیا اور کال کٹ گیا اور سارا عرب خوش حال اور نہال ہو گیا۔

چنانچہ ابو طالب نے اپنے اس طویل قصیدہ میں جس کو انہوں نے حضورِ اقدس ﷺ کی مدح میں نظم کیا ہے اس واقعہ کو ایک شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ۔

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

یعنی وہ (حضور ﷺ) ایسے گورے رنگ والے ہیں کہ ان کے رخ انور کے ذریعہ بدلی سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کے نگہبان ہیں۔

(زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۹۰)

اُمی لقب

حضور اقدس ﷺ کا لقب ''اُمی'' ہے اس لفظ کے دو معنی ہیں یا تو یہ ''اُم القریٰ'' کی

طرف نسبت ہے۔ ''اُم القریٰ'' مکہ مکرمہ کا لقب ہے۔ لہٰذا ''اُمی'' کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے دنیا میں کسی انسان سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی آپ کو نہیں پڑھایا لکھایا مگر خداوند قدوس نے آپ کو اس قدر علم عطا فرمایا کہ آپ کا سینہ اولین و آخرین کے علوم و معارف کا خزینہ بن گیا۔ اور آپ پر ایسی کتاب نازل ہوئی جس کی شان **تبیاناً لکل شئی** (ہر ہر چیز کا روشن بیان) ہے حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ۔

نگار من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ سبق آموز صد مدرس شد

یعنی میرے محبوب ﷺ نہ کبھی مکتب میں گئے نہ لکھنا سیکھا۔ مگر اپنے چشم و ابرو کے اشارہ سے سینکڑوں مدرسوں کو سبق پڑھا دیا۔

ظاہر ہے کہ جس کا استاد اور تعلیم دینے والا خلاق عالم جل جلالہ ہو بھلا اس کو کسی اور استاد سے تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہوگی؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ۔

ایسا امی کس لئے منت کش استاد ہو؟
کیا کفایت اس کو اقرأ ربک الاکرم نہیں

آپ کے امی لقب ہونے کا حقیقی راز کیا ہے؟ اس کو تو خداوند علام الغیوب کے سوا اور کون بتا سکتا ہے؟ لیکن بظاہر اس میں چند حکمتیں اور فوائد معلوم ہوتے ہیں۔

اول: یہ کہ تمام دنیا کو علم و حکمت سکھانے والے حضور اقدس ﷺ ہوں اور آپ کا استاد صرف خداوند عالم ہی ہو۔ کوئی انسان آپ کا استاد نہ ہو تا کہ کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبر تو میرا پڑھایا ہوا شاگرد ہے۔

دوم: یہ کہ کوئی شخص کبھی یہ خیال نہ کر سکے کہ فلاں آدمی حضور ﷺ کا استاد تھا تو شاید وہ حضور ﷺ سے زیادہ علم والا ہوگا۔

سوم: حضور ﷺ کے بارے میں کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ حضور ﷺ چونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لئے انہوں نے خود ہی قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بنا کر پیش کیا ہے اور قرآن انہیں کا بنایا ہوا کلام ہے۔

چہارم: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں تو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پہلی اور پرانی کتابوں کو دیکھ دیکھ کر اس قسم کی انمول اور انقلاب آفریں تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

پنجم: اگر حضور ﷺ کا کوئی استاد ہوتا تو آپ کو اس کی تعظیم کرنی پڑتی۔ حالانکہ حضور ﷺ کو خالق کائنات نے اس لئے پیدا فرمایا تھا۔ کہ سارا عالم آپ کی تعظیم کرے اس لئے حضرت حق جل شانہ نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ میرا محبوب کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرے اور کوئی اس کا استاد ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سفر شام اور بحیریٰ

جب حضور ﷺ کی عمر شریف بارہ برس کی ہوئی تو اس وقت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا۔ ابو طالب کو چونکہ حضور ﷺ سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لئے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے اعلانِ نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے اور ایک بار یمن تشریف لے گئے یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے۔ اس سفر کے دوران ''بصریٰ'' میں ''بحیریٰ'' راہب (عیسائی سادھو) کے پاس آپ کا قیام ہوا۔ اس نے توراۃ و انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزمان کی نشانیوں سے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بہت عقیدت اور احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی اور ابو طالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں۔ جن کو خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ابر ان پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لئے تمہارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ۔ اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جاؤ کیونکہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے بحیریٰ راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا اور بہت جلد حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ بحیریٰ راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔ (ترمذی ج ۲ باب ماجاء فی بدنبوۃ النبی ﷺ)

تیسرا باب

اعلانِ نبوت سے پہلے کے کارنامے

جنگِ فجار

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا۔ انہی لڑائیوں میں سے ایک مشہور لڑائی ''جنگ فجار'' کے نام سے مشہور ہے۔ عرب کے لوگ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے ان چار مہینوں کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ جانتے تھے۔ یہاں تک کہ عام طور پر ان مہینوں میں لوگ تلواروں کو نیام میں رکھ دیتے اور نیزوں کی برچھیاں اتار لیتے تھے۔ مگر اس کے باوجود کبھی کبھی کچھ ایسے ہنگامی حالات در پیش ہو گئے کہ مجبوراً ان مہینوں میں بھی لڑائیاں کرنی پڑیں۔ تو ان لڑائیوں کو اہل عرب ''حروب فجار'' (گناہ کی لڑائیاں) کہتے تھے۔ سب سے آخری جنگ فجار جو قریش اور ''قیس'' کے قبیلوں کے درمیان ہوئی اس وقت حضور ﷺ کی عمر شریف بیس برس کی تھی۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے۔ اس لئے ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ آپ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی۔ مگر کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا۔ صرف اتنا ہی کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ اس لڑائی میں پہلے ''قیس'' پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ (سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۶)

حلف الفضول

روز روز کی لڑائیوں سے عرب کے سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے تھے۔ ہر طرف بدامنی اور آئے دن کی لوٹ مار سے ملک کا امن وامان غارت ہو چکا تھا کوئی شخص اپنی جان ومال کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ نہ دن کو چین، نہ رات کو آرام، اس وحشت ناک صورتحال سے تنگ آ کر کچھ صلح پسند لوگوں نے جنگ فجار کے خاتمہ کے بعد ایک اصلاحی تحریک چلائی۔ چنانچہ بنو ہاشم بنو زہرہ، بنو اسد وغیرہ قبائل قریش کے بڑے بڑے سرداران عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور حضور ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو

سدھارنے کے لئے کوئی معاہدہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ خاندان قریش کے سرداروں نے ”بقائے باہم“ کے اصول پر ”جیو اور جینے دو“ کے قسم کا ایک معاہدہ کیا اور حلف اٹھا کر عہد کیا کہ ہم لوگ۔

۱- ملک سے بے امنی دور کریں گے۔
۲- مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
۳- غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
۴- مظلوم کی حمایت کریں گے۔
۵- کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔

اس معاہدہ میں حضور اقدس ﷺ بھی شریک ہوئے اور آپ کو یہ معاہدہ اس قدر عزیز تھا کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے میں کوئی مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یا ”ال حلف الفضول“ کہہ کر مجھے مدد کے لئے پکارے۔ تو میں اس کی مدد کے لئے تیار ہوں۔

اس تاریخی معاہدہ کو ”حلف الفضول“ اس لئے کہتے ہیں کہ قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ ”جرہم کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا اور چونکہ قبیلہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے۔ ان سب لوگوں کا نام ”فضل“ تھا یعنی فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ اس لئے اس معاہدہ کا نام ”حلف الفضول“ رکھ دیا گیا یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام ”فضل“ تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۱۴۴)

ملکِ شام کا دوسرا سفر

جب آپ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی امانت و صداقت کا چرچا دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک بہت ہی مالدار عورت تھیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی مل جائے تو اس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال و سامان ملک شام بھیجیں۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب نے اس کام کے لئے حضور ﷺ کو منتخب کیا اور کہلا بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ آپ کی امانت و دیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔

حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ اور تجارت کا مال وسامان لے کر ملک شام کو روانہ ہوگئے اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک معتمد غلام ''میسرہ'' کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کردیا تاکہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے۔ جب آپ ملک شام کے مشہور شہر ''بصریٰ'' کے بازار میں پہنچے تو وہاں ''نسطورا'' راہب کی خانقاہ کے قریب میں ٹھہرے ''نسطورا'' میسرہ کو بہت پہلے سے جانتا پہچانتا تھا۔ حضور ﷺ کی صورت دیکھتے ہی ''نسطورا'' میسرہ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ اے میسرہ! یہ کون شخص ہیں جو اس درخت کے نیچے اتر پڑے ہیں میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ اور خاندان بنو ہاشم کے چشم وچراغ ہیں ان کا نام نامی ''محمد'' اور لقب ''امین'' ہے۔ نسطوراء نے کہا کہ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے آج تک کبھی کوئی نہیں اترا۔ اس لئے مجھے یقین کامل ہے کہ ''نبی آخرالزماں'' یہی ہیں۔ کیونکہ آخری نبی کی تمام نشانیاں جو میں نے توریت وانجیل میں پڑھی ہیں وہ سب میں ان میں دیکھ رہا ہوں۔ کاش! میں اس وقت زندہ رہتا جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے تو میں ان کی بھرپور مدد کرتا اور پوری جانثاری کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر گزار دیتا اے میسرہ! میں تم کو نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ خبردار! ایک لمحہ کے لئے بھی تم ان سے جدا نہ ہونا اور انتہائی خلوص وعقیدت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''خاتم النبیین'' ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔

حضرت خدیجہ کے دل میں محبتِ مصطفی

حضور اقدس ﷺ بصریٰ کے بازار میں بہت جلد تجارت کا مال فروخت کرکے مکہ مکرمہ واپس آگئے واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بالاخانے پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ جب ان کی نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی تو انہیں ایسا نظر آیا کہ دو فرشتے آپ کے سر پر دھوپ سے سایہ کئے ہوئے ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا اور وہ فرط عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں پھر اپنے غلام میسرہ سے انہوں نے کئی دن کے بعد اس کا ذکر کیا۔ تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا ہوں۔ اور اس کے علاوہ میں نے بہت سی عجیب وغریب باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میسرہ نے نسطوراء راہب کی گفتگو اور اسکی عقیدت ومحبت کا تذکرہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو

آپ سے بے پناہ قلبی تعلق، اور بے حد عقیدت و محبت ہو گئی اور یہاں تک ان کا دل جھک گیا کہ انہیں آپ سے نکاح کی رغبت ہو گئی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۷)

نکاح

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا مال و دولت کے ساتھ انتہائی شریف اور عفت مآب خاتون تھیں اہل مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی وجہ سے ان کو طاہرہ (پاکباز) کہا کرتے تھے۔ ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی پہلے ان کا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا تھا۔ اور ان سے دو لڑکے ''ہند بن ابو ہالہ'' اور ''ہالہ بن ابو ہالہ'' پیدا ہو چکے تھے۔ پھر ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا نکاح ''عتیق بن عائذ مخزومی'' سے کیا۔ ان سے بھی دو اولاد ہوئی۔ ایک لڑکا ''عبداللہ بن عتیق'' اور ایک لڑکی ''ہند بنت عتیق'' حضرت خدیجہ کے دوسرے شوہر ''عتیق'' کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے سرداران قریش ان کے ساتھ عقد نکاح کے خواہش مند تھے۔ لیکن انہوں نے سب پیغاموں کو ٹھکرا دیا۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اخلاق و عادات کو دیکھ کر، اور آپ کے حیرت انگیز حالات سن کر یہاں تک ان کا دل آپ کی طرف مائل ہو گیا کہ خود بخود ان کے قلب میں آپ سے نکاح کی رغبت پیدا ہو گئی۔ کہاں تو بڑے بڑے مالداروں اور شہر مکہ کے سرداروں کے پیغاموں کو رد کر چکی تھیں اور یہ طے کر چکی تھیں کہ اب چالیس برس کی عمر میں تیسرا نکاح نہیں کروں گی اور کہاں خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کو بلایا جو ان کے بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ذاتی حالات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں پھر ''نفیسہ'' بنت امیہ کے ذریعہ خود ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ مشہور امام سیرت محمد بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ اس رشتہ کو پسند کرنے کی جو وجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔ اِنِّیْ قَدْر رَغِبْتُ فِیْكَ لِحُسْنِ خُلُقِكَ وَصِدْقِ حَدِیْثِكَ یعنی میں نے آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ کو پسند کیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو اپنے چچا ابو طالب اور خاندان کے دوسرے بڑے بوڑھوں کے سامنے پیش فرمایا۔ بھلا حضرت خدیجہ جیسی پاک دامن شریف، عقلمند اور مالدار عورت سے شادی کرنے کو کون نہ کہتا؟ سارے خاندان والوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کر

لیا اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی اور حضور ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد اور شرفاء بنی ہاشم و سرداران مضر کو اپنی برات میں لے کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور نکاح ہوا۔ اس نکاح کے وقت ابو طالب نے نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ سے بہت اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے خاندانی بڑے بوڑھوں کا آپ کے متعلق کیسا خیال تھا اور آپ کے اخلاق و عادات نے ان لوگوں پر کیسا اثر ڈالا تھا۔ ابو طالب کے اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنایا اور ہم کو معد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا اور اپنے گھر کعبہ کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا اور ہم کو علم و حکمت والا گھر اور امن والا حرم عطا فرمایا اور ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔

یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے جس شخص کا بھی اس کے ساتھ موازنہ کیا جائے یہ اس سے ہر شان میں بڑھا ہوا ہی رہے گا۔ ہاں مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں، اور ادل بدل ہونے والی چیز ہے۔ اما بعد میرا بھتیجا محمد (ﷺ) وہ شخص ہے جس کے ساتھ میری قرابت اور قربت و محبت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے اور اس کا مستقبل بہت ہی تابناک، عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۱)

جب ابو طالب اپنا یہ ولولہ انگیز خطبہ ختم کر چکے تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے بھی کھڑے ہو کر ایک شاندار خطبہ پڑھا۔ جس کا مضمون یہ ہے۔

خدا ہی کے لئے حمد ہے جس نے ہم کو ایسا ہی بنایا۔ جیسا کہ اے ابو طالب! آپ نے ذکر کیا اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جن کو آپ نے شمار کیا بلا شبہ ہم لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ لوگ بھی تمام فضائل کے اہل ہیں۔ کوئی قبیلہ آپ لوگوں کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص آپ لوگوں کے فخر و شرف کو رد نہیں کر سکتا اور بے شک ہم لوگوں نے نہایت ہی رغبت کے ساتھ آپ لوگوں کے ساتھ ملنے اور رشتہ میں شامل ہونے کو

پسند کیا لہٰذا اے قریش! تم گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو میں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی زوجیت میں دیا چار سو مثقال مہر کے بدلے۔

غرض حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا نکاح ہو گیا اور حضور محبوب خدا ﷺ کا خانہ معیشت ازدواجی زندگی کے ساتھ آباد ہو گیا۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً ۲۵ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہیں اور ان کی زندگی میں حضور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور حضور ﷺ کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کے سوا باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ جن کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت حضور ﷺ کے قدموں پر قربان کر دی اور اپنی تمام عمر حضور ﷺ کی غمگساری اور خدمت میں نثار کر دی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں تحریر کی جائے گی۔

کعبہ کی تعمیر

آپ کی راست بازی، اور امانت و دیانت کی بدولت خداوند عالم نے آپ کو اس قدر مقبول خلائق بنا دیا اور عقل سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرما دیا۔ کہ کم عمری میں آپ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا لاجواب فیصلہ فرما دیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور سب نے بالاتفاق آپ کو اپنا حکم اور سردار اعظم تسلیم کر لیا چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ کی عمر پینتیس برس کی ہوئی تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم سیلاب آ گیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہو گئی حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا بنایا ہوا کعبہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عمالقہ، قبیلہ جرہم اور قصی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں اس کعبہ کی تعمیر و مرمت کرتے رہے تھے۔ مگر چونکہ عمارت نشیب میں تھی اس لئے پہاڑوں سے برساتی پانی کے بہاؤ کا زوردار دھارا وادی مکہ میں ہو کر گزرتا تھا اور اکثر حرم کعبہ میں سیلاب آ جاتا تھا۔ کعبہ کی حفاظت کے لیے بالائی حصہ میں قریش نے کئی بند بھی بنائے تھے مگر وہ بند بار بار ٹوٹ جاتے تھے۔ اس لیے قریش نے یہ طے کیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے۔ جس کا دروازہ بلند ہو اور چھت بھی ہو۔ چنانچہ قریش

نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کر دیا اس تعمیر میں حضور ﷺ بھی شریک ہوئے اور سرداران قریش کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے مختلف قبیلوں نے تعمیر کے لیے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے۔ جب عمارت ''حجر اسود'' تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم ہی ''حجر اسود'' کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں تا کہ ہمارے قبیلہ کے لئے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے اس کشمکش میں چار دن گزر گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں بنو عبدالدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے اس پر جان کی بازی لگا دی اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لئے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں پانچویں دن حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لئے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اس کو پنچ مان لیا جائے وہ جو فیصلہ کر دے سب اس کو تسلیم کر لیں چنانچہ سب نے یہ بات مان لی خدا کی شان کہ صبح کو جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم ﷺ ہی تھے آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ ''امین'' ہیں لہٰذا ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں آپ نے اس جھگڑے کا اس طرح تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا پھر حضور ﷺ نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور ﷺ نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اس طرح ایک ایسی خونریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنا خون خرابہ ہوتا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۶ تا ۱۹۷)

کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا؟

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ مکہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''خانہ کعبہ'' دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

۱- سب سے پہلے فرشتوں نے ٹھیک ''بیت المعمور'' کے سامنے زمین پر خانہ کعبہ کو بنایا۔
۲- پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔

۳- اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے فرزندوں نے اس عمارت کو بنایا۔

۴- اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔

۵- قوم عمالقہ کی عمارت۔

۶- اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی عمارت بنائی۔

۷- قریش کے مورثِ اعلیٰ ''قصی بن کلاب'' کی تعمیر۔

۸- قریش کی تعمیر جس میں خود حضور ﷺ نے بھی شرکت فرمائی اور قریش کے ساتھ خود بھی اپنے دوش مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔

۹- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور ﷺ کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق تعمیر کیا۔ یعنی حطیم کی زمین کو کعبہ میں داخل کر دیا اور دروازہ سطح زمین کے برابر نیچا رکھا اور ایک دروازہ مشرق کی جانب اور ایک دروازہ مغرب کی سمت بنا دیا۔

۱۰- عبدالملک بن مروان اموی کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا دیا اور پھر زمانہ جاہلیت کے نقشہ کے مطابق کعبہ بنا دیا جو آج تک موجود ہے۔

لیکن حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر جدید صرف تین ہی مرتبہ ہوئی ہے۔

۱- حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر۔

۲- زمانہ جاہلیت میں قریش کی عمارت اور ان دونوں تعمیروں میں دو ہزار سات سو پینتیس (۲۷۳۵) برس کا فاصلہ ہے۔

۳- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر جو قریش کی تعمیر کے بیاسی سال بعد ہوئی۔

حضرات ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تعمیرات کے بارے میں علامہ حلبی نے فرمایا کہ یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہی نہیں ہے باقی تعمیروں کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ عمارت میں معمولی ترمیم یا ٹوٹ پھوٹ کی مرمت تھی۔ تعمیر جدید نہیں تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۱۵ باب فضل مکہ)

مخصوص احباب

اعلانِ نبوت سے قبل جو لوگ حضور ﷺ کے مخصوص احباب و رفقاء تھے وہ سب نہایت ہی بلند اخلاق، عالی مرتبہ، ہوش مند اور باوقار لوگ تھے ان میں سب سے زیادہ مقرب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ جو برسوں آپ کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے اور تجارت نیز دوسرے کاروباری معاملات میں ہمیشہ آپ کے شریک کار و راز دار رہے۔ اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے اور جن کا ایک خصوصی شرف یہ ہے کہ ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی یہ بھی حضور ﷺ کے مخصوص احباب میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد یہ اپنے گاؤں سے مکہ آئے تو کفار قریش کی زبانی یہ پروپیگنڈہ سنا کہ محمد ﷺ مجنون ہو گئے ہیں۔ پھر یہ دیکھا کہ حضور ﷺ راستہ میں تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے لڑکوں کا ایک غول ہے جو شور مچا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو کچھ شبہ پیدا ہوا اور پرانی دوستی کی بنا پر ان کو انتہائی رنج و قلق ہوا۔ چنانچہ یہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ میں طبیب ہوں اور جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد چند جملے ارشاد فرمائے۔ جن کا حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ فوراً ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(مشکوٰۃ باب علامات النبوۃ، ص ۲۲۵ ج اول ص ۲۸۵ کتاب الجمعہ)

حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ تجارت کے کاروبار میں آپ کے شریک کار رہا کرتے تھے اور آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اپنے تجارتی شرکاء کے ساتھ ہمیشہ نہایت ہی صاف ستھرا رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا پیش نہیں آتا تھا۔ (استیعاب ج ۲ ص ۵۳۷)

موحدینِ عرب سے تعلقات

عرب میں اگرچہ ہر طرف شرک پھیل گیا تھا اور گھر گھر میں بت پرستی کا چرچہ تھا۔ مگر اس ماحول میں بھی کچھ لوگ تھے جو توحید کے پرستار اور شرک و بت پرستی سے بیزار تھے۔ انہی خوش نصیبوں میں زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔ یہ علی الاعلان شرک و بت پرستی سے انکار، اور جاہلیت کی

مشرکانہ رسموں سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ یہ حضرت عمر کے چچا زاد بھائی ہیں۔ شرک و بت پرستی کے خلاف اعلان مذمت کی بنا پر ان کا چچا خطاب بن نفیل ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو مکہ سے شہر بدر کر دیا تھا اور ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا۔ مگر یہ ہزاروں ایذاؤں کے باوجود عقیدہ توحید پر پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کے دو شعر بہت مشہور ہیں جن کو مشرکین کے میلوں اور مجمعوں میں بہ آواز بلند سنایا کرتے تھے کہ۔

اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ
تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِيْعًا كَذٰلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيْرُ

یعنی کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں۔ یا ایک ہزار رب کی؟ جب کہ لوگوں کے دینی معاملات تقسیم ہو چکے ہیں۔ میں نے تو لات و عزیٰ کو چھوڑ دیا ہے اور ہر بصیرت والا ایسا ہی کرے گا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۶)

یہ مشرکین کے دین سے متنفر ہو کر دین برحق کی تلاش میں ملک شام چلے گئے تھے وہاں ایک یہودی عالم سے ملے۔ پھر ایک نصرانی پادری سے ملاقات کی اور جب آپ نے یہودی و نصرانی دین کو قبول نہیں کیا تو ان دونوں نے ”دین حنیف“ کی طرف آپ کی رہنمائی کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور ان دونوں نے یہ بھی بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی اور وہ ایک خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ سن کر زید بن عمرو بن نفیل ملک شام سے مکہ آ گئے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر مکہ میں بہ آواز بلند یہ کہا کرتے تھے کہ اے لوگو! گواہ رہو کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۵)

اعلانِ نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے ساتھ زید بن عمرو بن نفیل کو بڑا خاص تعلق تھا اور کبھی کبھی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک مرتبہ وحی نازل ہونے سے پہلے حضور ﷺ کی مقام ”بلدح“ کی ترائی میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے دستر خوان پر کھانا پیش کیا جب حضور ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا تو زید بن عمرو بن نفیل کہنے لگے کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا۔ میں صرف وہی ذبیحہ کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر قریش کے ذبیحوں کی برائی بیان کرنے لگے اور قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ

بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے گھاس اگائی پھر اے قریش! تم بکری کو اللہ کے غیر (بتوں) کے نام پر ذبح کرتے ہو؟

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے کہتے تھے کہ اے جماعت قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہے۔

(بخاری ج ۱ باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل ص ۵۴۰)

کاروباری مشاغل

حضور اقدس ﷺ کا اصل خاندانی پیشہ تجارت تھا اور چونکہ آپ بچپن ہی میں ابوطالب کے ساتھ کئی بار تجارتی سفر فرما چکے تھے۔ جس سے آپ کو تجارتی لین دین کا کافی تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اس لئے ذریعہ معاش کے لئے آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا اور تجارت کی غرض سے شام و بصریٰ اور یمن کا سفر فرمایا۔ اور ایسی راست بازی اور امانت و دیانت کے ساتھ آپ نے تجارتی کاروبار کیا کہ آپ کے شرکاء کار اور تمام اہل بازار آپ کو "امین" کے لقب سے پکارنے لگے۔

ایک کامیاب تاجر کے لئے امانت، سچائی، وعدہ کی پابندی خوش اخلاقی تجارت کی جان ہیں۔ ان خصوصیات میں مکہ کے تاجر امین نے جو تاریخی شاہکار پیش کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں نادر روزگار ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمسا صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نزول وحی اور اعلانِ نبوت، سے پہلے میں نے آپ سے کچھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا کچھ رقم میں نے ادا کر دی، کچھ باقی رہ گئی تھی میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی ابھی آ کر باقی رقم بھی ادا کر دوں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا۔ تیسرے دن جب میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ کیا تھا تو حضور ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا مگر میری اس وعدہ خلافی سے حضور ﷺ کے ماتھے پر اک ذرا بل نہیں آیا۔ بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۳۴ باب فی العدۃ (مجتبائی)

غیر معمولی کردار

حضور اقدس ﷺ کا زمانہ طفولیت ختم ہوا اور جوانی کا زمانہ آیا تو بچپن کی طرح آپ کی جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی۔ آپ کا شباب مجسم حیاء اور چال چلن عصمت و وقار کا کامل

نمونہ تھا۔ اعلانِ نبوت سے قبل حضور ﷺ کی تمام زندگی بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی۔ سچائی، دیانتداری، وفاداری، عہد کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں سے محبت، رحم وسخاوت، قوم کی خدمت، دوستوں سے ہمدردی، عزیزوں کی غمخواری، غریبوں اور مفلسوں کی خبر گیری، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ، مخلوق خدا کی خیر خواہی، غرض تمام نیک خصلتوں اور اچھی اچھی باتوں میں آپ اتنی بلند منزلوں پر پہنچے ہوئے تھے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے انسانوں کیلئے وہاں تک رسائی تو کیا اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

کم بولنا، فضول باتوں سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور خوشروئی کے ساتھ دوستوں اور دشمنوں سے ملنا۔ ہر معاملہ میں سادگی اور صفائی کے ساتھ بات کرنا حضور ﷺ کا خاص شیوہ تھا۔ حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب خوری، بدکاری، ناچ گانا، لوٹ مار، چوری، فحش گوئی، عشق بازی، یہ تمام بری عادتیں اور مذموم خصلتیں جو زمانہ جاہلیت میں گویا ہر بچے کے خمیر میں ہوتی تھیں حضور ﷺ کی ذات گرامی ان تمام عیوب و نقائص سے پاک صاف رہی۔ آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کا پورے عرب میں شہرہ تھا اور مکہ کے ہر چھوٹے بڑے کے دِل میں آپ کے برگزیدہ اخلاق کا اعتبار اور سب کی نظروں میں آپ کا ایک خاص وقار تھا۔

بچپن سے تقریباً چالیس برس کی عمر شریف ہوگئی لیکن زمانہ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسوم، اور جاہلانہ اطوار سے ہمیشہ آپ کا دامن عصمت پاک ہی رہا۔ مکہ شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ آپ کے خاندان والے ہی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔

غرض نزولِ وحی اور اعلانِ نبوت سے پہلے بھی آپ کی مقدس زندگی، اخلاق حسنہ، اور محاسن افعال کا مجسمہ اور تمام عیوب و نقائص سے پاک وصاف رہی چنانچہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ کے دشمنوں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی ادنیٰ سا عیب یا ذرا سی خلاف تہذیب کوئی بات آپ کی زندگی کے کسی دور میں بھی مل جائے تو اس کو اچھال کر آپ کے وقار پر حملہ کر کے لوگوں کی نگاہوں میں آپ کو ذلیل وخوار کر دیں۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں دشمن سوچتے سوچتے تھک گئے لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے وہ آپ پر انگشت نمائی کر سکیں۔ لہٰذا ہر انسان اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ کا کردار، انسانیت کا ایک ایسا

محیر العقول اور غیر معمولی کردار ہے جو نبی کے سوا کسی دوسرے کے لئے ممکن ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد سعید روحیں آپ کا کلمہ پڑھ کرتن من دھن کے ساتھ اس طرح آپ پر قربان ہونے لگیں کہ ان کی جانثاریوں کو دیکھ کر شمع کے پروانوں نے جانثاری کا سبق سیکھا اور حقیقت شناس لوگ فرطِ عقیدت سے آپ کے حسن صداقت پر اپنی عقلوں کو قربان کر کے آپ کے بتائے ہوئے اسلامی راستہ پر عاشقانہ اداؤں کے ساتھ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ ؎

چلو وادی عشق میں پا برہنہ !
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

چوتھا باب

اعلانِ نبوت سے بیعت عقبہ تک

جب حضورِ انور ﷺ کی مقدس زندگی کا چالیسواں سال شروع ہوا تو ناگہاں آپ کی ذات اقدس میں ایک نیا انقلاب رونما ہوگیا کہ ایک دم آپ خلوت پسند ہو گئے اور اکیلے تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہوگیا۔ آپ اکثر اوقات غور و فکر میں پائے جاتے تھے اور آپ کا بیشتر وقت مناظر قدرت کے مشاہدہ اور کائنات فطرت کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دن رات خالق کائنات کی ذات وصفات کے تصور میں مستغرق اور اپنی قوم کے بگڑے ہوئے حالات کے سدھار اور اس کی تدبیروں کے سوچ بچار میں مصروف رہنے لگے اور ان دنوں میں ایک نئی بات یہ بھی ہوگئی کہ حضور ﷺ کو اچھے اچھے خواب نظر آنے لگے اور آپ کا ہر خواب اتنا سچا ہوتا کہ خواب میں جو کچھ دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جایا کرتی تھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۲)

غار حراء

مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر ”جبل حراء“ نامی پہاڑ کے اُوپر ایک غار (کھوہ) ہے جس کو ”غار حراء“ کہتے ہیں آپ اکثر کئی کئی دنوں کا کھانا پانی ساتھ لے کر اس غار کے پرسکون ماحول کے اندر خدا کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ جب کھانا پانی ختم ہو جاتا تو کبھی خود گھر پر آ کر لے جاتے اور کبھی حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کھانا پانی غار میں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ آج بھی یہ نورانی غار اپنی اصلی حالت میں موجود اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

پہلی وحی

ایک دن آپ ”غار حراء“ کے اندر عبادت میں مشغول تھے کہ بالکل اچانک غار میں آپ کے پاس ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ (یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جو ہمیشہ خدا کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچاتے رہے ہیں) فرشتے نے ایک دم کہا کہ ”پڑھیے“ آپ نے فرمایا کہ

میں ’’پڑھنے والا نہیں ہوں‘‘ فرشتہ نے آپ کو پکڑا اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ آپ سے زور دار معانقہ کیا پھر چھوڑ کر کہا کہ ’’پڑھئے‘‘ آپ نے پھر فرمایا کہ ’’میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔‘‘ فرشتہ نے دوسری مرتبہ پھر آپ کو اپنے سینے سے چمٹایا اور چھوڑ کر کہا کہ ’’پڑھئے‘‘ آپ نے پھر وہی فرمایا کہ ’’میں پڑھنے والا نہیں ہوں‘‘ تیسری مرتبہ پھر فرشتہ نے آپ کو بہت زور کے ساتھ اپنے سینے سے لگا کر چھوڑا اور کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ یہی سب سے پہلے وحی تھی جو آپ پر نازل ہوئی۔ ان آیتوں کو یاد کر کے حضور اقدس ﷺ اپنے گھر تشریف لائے مگر اس واقعہ سے جو بالکل ناگہانی طور پر آپ کو پیش آیا اس سے آپ کے قلب مبارک پر لرزہ طاری تھا۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ۔ مجھے چادر اڑھاؤ۔ جب آپ کا خوف دور ہوا اور کچھ کچھ سکون ہوا تو آپ نے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غار میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ ’’مجھے اپنی جان کا ڈر ہے‘‘ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نہیں۔ ہرگز نہیں، آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا آپ تو رشتہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہیں۔ دوسروں کا بار خود اٹھاتے ہیں خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کو عطا فرماتے ہیں مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق و انصاف کی خاطر سب کی مصیبتوں اور مشکلات میں کام آتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ’’ورقہ بن نوفل‘‘ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ ان لوگوں میں سے تھے جو ’’موحد‘‘ تھے اور اہل مکہ کے شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر ’’نصرانی‘‘ ہو گئے تھے اور انجیل کا عبرانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنئے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ بتایئے آپ نے کیا دیکھا ہے؟ حضور ﷺ نے غار حراء کا پورا واقعہ بیان فرمایا یہ سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ پھر ورقہ بن نوفل کہنے لگے کہ کاش! میں آپ کے اعلانِ نبوت کے زمانے میں تندرست جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے باہر نکالے گی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے (تعجب سے) فرمایا کہ

کیا مکہ والے مجھے مکہ سے نکال دیں گے۔ تو ورقہ نے کہا جی ہاں جو شخص بھی آپ کی طرح نبوت لے کر آیا لوگ اس کے ساتھ دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی اترنے کا سلسلہ بند ہو گیا اور حضور ﷺ وحی کے انتظار میں مضطرب اور بے قرار رہنے لگے یہاں تک کہ ایک دن حضور ﷺ کہیں گھر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی نے ”یا محمد“ کہہ کر پکارا۔ آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ وہی فرشتہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) جو غار میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کے قلب مبارک میں ایک خوف کی کیفیت پیدا ہو گئی اور آپ مکان پر آ کر لیٹ گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ چنانچہ آپ کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ ناگہاں آپ پر سورہ ”مدثر“ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور رب تعالیٰ کا فرمان اتر پڑا کہ

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ یعنی اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دور رہو۔ (بخاری ج ۱ ص ۳)

ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ کو خداوند قدوس نے دعوت اسلام کے منصب پر مامور فرما دیا اور آپ خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعوت حق اور تبلیغ اسلام کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

دعوتِ اسلام کے لئے تین دور

پہلا دور

تین برس تک حضورِ اقدس ﷺ انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت رازداری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے اور اس درمیان میں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ ؓ اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی ؓ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ ؓ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم بھی جلد ہی

دامن اسلام میں آ گئے۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح' حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد' حضرت ارقم بن ارقم' حضرت عثمان بن مظعون' اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ' اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی اسلام میں داخل ہو گئے پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابو ذر غفاری و حضرت صہیب رومی' حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب' سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن رضی اللہ عنہم نے بھی اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ کی چچی حضرت ام الفضل حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی' اور حضرت اسماء بنت ابو بکر بھی مسلمان ہو گئیں ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کر لیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۴۶)

واضح رہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے جو سابقین اولین کے لقب سے سرفراز ہیں۔ ان خوش نصیبوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلے دامن اسلام میں آنے والے وہی لوگ ہیں جو فطرۃً نیک طبع اور پہلے ہی سے دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور کفار مکہ کے شرک و بت پرستی اور مشرکانہ رسوم جاہلیت سے متنفر اور بیزار تھے ہ چنانچہ نبئ برحق کے دامن میں دین حق کی تجلی دیکھتے ہی یہ نیک بخت لوگ پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

دُوسرا دور

تین برس کی اس خفیہ دعوت اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر سورہ ''شعراء'' کی آیت وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ○ نازل فرمائی اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب! آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرائیے تو حضور ﷺ نے ایک دن کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر ''یا معشر قریش'' کہہ کر قبیلہ قریش کو پکارا۔ جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کر لو گے؟ تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں۔ ہاں۔ ہم یقیناً آپ کی بات کا یقین کر لیں گے۔ کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ

ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ سخت ناراض ہو کر سب کے سب چلے گئے اور حضور کی شان میں اول فول بکنے لگے۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۰۲ و عامہ تفاسیر)

تیسرا دور

اب وہ وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورۂ حجر کی آیت ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' نازل فرمائی اور حضرت حق جل شانہٗ نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان فرمایئے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے اور تمام قریش' بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور حضور ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمت عالم پر ظلم و ستم

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور ﷺ کو قتل تو نہیں کر سکے لیکن طرح طرح کی تکلیفوں' اور ایذا رسانیوں سے آپ پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور ﷺ کے کاہن' ساحر' شاعر' مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زور دار پروپیگنڈہ کرنے لگے آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا۔ جو راستوں میں آپ پر پھبتیاں کستے' گالیاں دیتے اور یہ دیوانہ ہے یہ دیوانہ ہے کا شور مچا مچا کر آپ کے اوپر پتھر پھینکتے کبھی کفار مکہ آپ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے' کبھی آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے کبھی آپ کو دھکا دیتے۔ کبھی آپ کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگدل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دفع کیا اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ ''میرا رب اللہ ہے'' اس دھکم دھکا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی

کھائی۔ (زُرقانی ج ۱ ص ۲۵۲ و بخاری ج ۱ ص ۵۴۴)

کفار آپ کے معجزات اور روحانی تاثیرات و تصرفات کو دیکھ کر آپ کو سب سے بڑا جادو گر کہتے۔ جب حضور ﷺ قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو یہ کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے (جبرئیلؑ) اور قرآن کو نازل فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) کو اور آپ کو گالیاں دیتے اور گلی کوچوں میں پہرہ بیٹھا دیتے کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور و غل مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضور ﷺ جب کہیں کسی عام مجمع میں' یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سناتے' یا دعوت ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ کا چچا ابوطالہب آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہتا جاتا تھا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے یہ دیوانہ ہو گیا ہے تم لوگ اس کی کوئی بات نہ سنو۔ (معاذ اللہ)

ایک مرتبہ حضور ﷺ "ذوالمجاز" کے بازار میں دعوت اسلام کا وعظ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمہ حق کی دعوت دی تو ابو جہل آپ پر دھول اڑاتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔ (مسند امام احمد ج ۴ وغیرہ)

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ حضور ﷺ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عین حالت نماز میں ابو جہل نے کہا کہ کوئی ہے؟ جو آلِ فلاں کے ذبح کیے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں ان کے کندھوں پر رکھ دے یہ سن کر عقبہ بن ابی معیط کافر اٹھا اور اس اوجھڑی کو لا کر حضور ﷺ کے دوش مبارک پر رکھ دیا حضور ﷺ سجدہ میں تھے دیر تک اوجھڑی کندھے اور گردن پر پڑی رہی اور کفار ٹھٹھا مار مار کر ہنستے رہے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گر گر پڑتے رہے۔ آخر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا جو ان دنوں ابھی کمسن لڑکی تھیں آئیں اور ان کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اس اوجھڑی کو آپ کے دوش مبارک سے ہٹا دیا حضور ﷺ کے قلب مبارک پر قریش کی اس شرارت سے انتہائی صدمہ گزرا اور نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ "اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ" یعنی اے اللہ! تو قریش کو اپنی گرفت میں پکڑ لئے پھر ابو جہل' عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ولید بن عتبہ' اُمیہ بن خلف' عمارہ بن ولید کا نام لے کر دعا مانگی کہ الٰہی! تو ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے ان سب کافروں کو جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر

پڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان سب کفار کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان گڑھے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۷۴ باب المراۃ تطرح الخ)

چند شریر کفار

جو کفار مکہ حضور ﷺ کی دشمنی اور ایذا رسانی میں بہت زیادہ سرگرم تھے ان میں سے چند شریروں کے نام یہ ہیں۔

۱- ابولہب، ۲- ابوجہل ۳- اسود بن عبد یغوث ۴- حارث بن قیس بن عدی ۵- ولید بن مغیرہ ۶- امیہ بن خلف ۷- ابی بن خلف ۸- ابو قیس بن فاکہہ ۹- عاص بن وائل ۱۰- نضر بن حارث ۱۱- منبہ بن الحجاج ۱۲- زہیر بن ابی امیہ ۱۳- سائب بن صیفی ۱۴- عدی بن حمرا ۱۵- اسود بن عبدالاسد ۱۶- عاص بن سعید بن العاص ۱۷- عاص بن ہاشم ۱۸- عقبہ بن ابی معیط ۱۹- حکم بن ابی العاص یہ سب کے سب حضور رحمت عالم ﷺ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے اکثر بہت ہی مالدار اور صاحب اقتدار تھے اور دن رات سرور کائنات ﷺ کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسلمانوں پر مظالم

حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی۔ یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو دم زدن میں قتل کر ڈالتے مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا کیونکہ کفار اس بات میں اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستاؤ کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں۔ اس لئے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے مگر خدا کی قسم! شراب توحید کے ان مستوں نے اپنے استقلال و استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حیرت کے ساتھ ان بلاکشانِ اسلام کے جذبہ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں سنگدل، بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب وبیکس مسلمانوں پر جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مگر ایک مسلمان کے پائے استقامت میں بھی ذرہ برابر تزلزل نہیں پیدا ہوا۔ اور ایک مسلمان کا

بچہ بھی اسلام سے منہ پھیر کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

کفار مکہ نے ان غرباء مسلمین پر جور و جفا کاری کے بے پناہ اندوہناک مظالم ڈھائے اور ایسے ایسے روح فرساء اور جان سوز عذابوں میں مبتلا کیا کہ اگر ان مسلمانوں کی جگہ پہاڑ بھی ہوتا تو شاید ڈگمگانے لگتا۔ صحرائے عرب کی تیز دھوپ میں جب کہ وہاں کی ریت کے ذرات تنور کی طرح گرم ہو جاتے۔ ان مسلمانوں کی پشت کو کوڑوں کی مار سے زخمی کر کے اس جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹاتے اور سینوں پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ وہ کروٹ نہ بدلنے پائیں لوہے کو آگ میں گرم کر کے ان سے ان مسلمان کے جسموں کو داغتے۔ پانی میں اس قدر ڈبکیاں دیتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا چٹائیوں میں ان مسلمانوں کو لپیٹ کر ان کی ناکوں میں دھواں دیتے جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے قریش نے ان کو بے حد ستایا۔ یہاں تک کہ کوئلے کے انگاروں پر ان کو چت لٹایا اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی اور رطوبت سے کوئلے بجھ گئے برسوں کے بعد جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا تو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی پوری پیٹھ پر سفید سفید داغ دھبے پڑے ہوئے تھے اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرہ خباب)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو امیہ بن خلف کافر کے غلام تھے کی گردن میں رسی باندھ کر کوچہ و بازار میں ان کو گھسیٹا جاتا تھا۔ ان کی پیٹھ پر لاٹھیاں برسائی جاتی تھیں اور ٹھیک دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا تھا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ امیہ کافر کہتا تھا کہ اسلام سے باز آ جاؤ۔ ورنہ اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے مگر اس حال میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا۔ بلکہ زور زور سے ''احد' احد'' کا نعرہ لگاتے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ خدا ایک ہے خدا ایک ہے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۷ تا ص ۳۱۸)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو گرم گرم بالو پر چت لٹا کر کفار قریش اس قدر مارتے تھے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ان کی والدہ حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ عنہا کو اسلام لانے کی بناء پر ابوجہل

نے ان کی ناف کے نیچے ایسا نیزہ مارا کہ یہ شہید ہو گئیں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفار کی مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار مکہ اس قدر طرح طرح کی اذیت دیتے اور ایسی ایسی مار دھاڑ کرتے کہ یہ گھنٹوں بے ہوش رہتے۔ جب یہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے کہا کہ تم اپنا سارا مال و سامان یہاں چھوڑ کر مدینہ جا سکتے ہو۔ آپ خوشی خوشی دنیا کی دولت پر لات مار کر اپنی متاع ایمان کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفوان بن امیہ کافر کے غلام تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے جب صفوان کو ان کے اسلام کا پتا چلا تو اس نے ان کے گلے میں رسی کا پھندہ ڈال کر ان کو گھسیٹا اور گرم جلتی ہوئی زمین پر ان کو چت لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا جب ان کو کفار گھسیٹ کر لے جا رہے تھے راستہ میں اتفاق سے ایک گبریلا نظر پڑا۔ امیہ کافر نے طعنہ مارتے ہوئے کہا کہ ''دیکھ تیرا خدا یہی تو نہیں ہے۔'' حضرت ابوفکیہہ نے فرمایا کہ اے کافر کے بچے! خاموش میرا اور تیرا خدا اللہ ہے۔'' یہ سن کر امیہ کافر غضب ناک ہو گیا' اور اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور لوگوں نے سمجھا کہ ان کا دم نکل گیا۔

اسی طرح حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس قدر مارا جاتا تھا کہ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی دردمند ہو جاتی تھی۔

حضرت بی بی لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو لونڈی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کفر کی حالت میں تھے اس غریب لونڈی کو اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر حضرت لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُف نہیں کرتی تھیں بلکہ نہایت جرات و استقلال کے ساتھ کہتی تھیں کہ اے عمر! اگر تم خدا کے سچے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے تو خدا تم سے ضرور اس کا انتقام لے گا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے کی باندی تھیں یہ مسلمان ہوئیں۔ تو ان کو اس قدر کافروں نے مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں مگر خداوند تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطا فرما دی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے جادو کا اثر ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۰)

اسی طرح حضرت بی بی ''نہدیہ'' اور حضرت بی بی ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی باندیاں تھیں۔ اسلام لانے کے بعد کفار مکہ نے ان دونوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بے پناہ اذیتیں دیں۔ مگر یہ اللہ والیاں صبر و شکر کے ساتھ ان بڑی بڑی مصیبتوں کو جھیلتی رہیں۔ مگر اسلام سے

ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

حضرت یارِ غارِ مصطفیٰ ابوبکر صدیق باصفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس کس طرح اسلام پر اپنی دولت نثار کی؟ اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ نے ان غریب و بے کس مسلمانوں میں سے اکثر کی جان بچائی۔ آپ نے حضرت بلال و عامر بن فہیرہ و ابوفکیہہ ولبینہ و زنیرہ و نہدیہ و ام عبیس رضی اللہ عنہم ان تمام غلاموں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدا اور سب کو آزاد کر دیا اور ان مظلوموں کو کافروں کی ایذاؤں سے بچالیا۔ (زُرقانی علی المواہب و سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دامنِ اسلام میں آئے تو مکہ میں ایک مسافر کی حیثیت سے کئی دن تک حرم کعبہ میں رہے یہ روزانہ زور زور سے چلا چلا کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور روزانہ کفارِ قریش ان کو اس قدر مارتے تھے کہ یہ لہولہان ہو جاتے تھے اور ان دنوں میں آبِ زمزم کے سوا ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۴۴ باب اسلام ابی ذر)

واضح رہے کہ کفارِ مکہ کا یہ سلوک صرف غریبوں اور غلاموں ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ اسلام لانے کے جرم میں بڑے بڑے مالداروں اور رئیسوں کو بھی ان ظالموں نے نہیں بخشا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شہر مکہ کے ایک متمول اور ممتاز معززین میں سے تھے مگر ان کو بھی حرم کعبہ میں کفارِ قریش نے اس قدر مارا کہ ان کا سر خون سے لت پت ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نہایت مالدار اور صاحبِ اقتدار تھے۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو غیروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے ان کو رسیوں میں جکڑ کر خوب خوب مارا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے۔ مگر انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔ جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنے جاہ و اعزاز والے رئیس تھے مگر جب ان کے اسلام کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتا چلا تو ان کو رسی میں باندھ کر مارا اور ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن حضرت بی بی فاطمہ بنت الخطاب کو بھی اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کے آویزے گر پڑے اور چہرے پر خون بہہ نکلا۔

کفار کا وفد بارگاہِ رسالت میں

ایک مرتبہ سردارانِ قریش حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے یہ سوچنے لگے کہ آخر اتنی تکالیف اور

سختیاں برداشت کرنے کے باوجود محمد (ﷺ) اپنی تبلیغ کیوں بند نہیں کرتے؟ آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے یہ عزت و جاہ یا سرداری و دولت کے خواہاں ہوں۔ چنانچہ سبھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ تم کسی طرح ان کا دلی مقصد معلوم کرو۔ چنانچہ عتبہ تنہائی میں آپ سے ملا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) آخر اس دعوت اسلام سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ مکہ کی سرداری چاہتے ہیں؟ یا عزت و دولت کے خواہاں ہیں؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کے خواہش مند ہیں؟ آپ کے دل میں جو تمنا ہو کھلے دل کے ساتھ کہہ دیجئے میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر آپ دعوت اسلام سے باز آ جائیں تو پورا مکہ آپ کے زیر فرمان ہو جائے گا اور آپ کی ہر خواہش اور تمنا پوری کر دی جائے گی عتبہ کی یہ ساحرانہ تقریر سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے جواب میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں جن کو سن کر عتبہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال خوف ذوالجلال سے لرزنے اور کانپنے لگا اور حضور ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں آپ کو رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ بس کیجئے میرا دل اس کلام کی عظمت سے پھٹا جا رہا ہے عتبہ بارگاہ رسالت سے واپس ہوا۔ مگر اس کے دل کی دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ عتبہ ایک بڑا ہی ساحر البیان خطیب اور انتہائی فصیح و بلیغ آدمی تھا۔ اس نے واپس لوٹ کر سرداران قریش سے کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ جادو ہے نہ کہانت نہ شاعری بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ تم لوگ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو کر سارے عرب پر غالب ہوئے تو اس میں ہم قریشیوں ہی کی عزت بڑھے گی ورنہ سارا عرب ان کو خود ہی فنا کر دے گا مگر قریش کے سرکش کافروں نے عتبہ کا یہ مخلصانہ اور مدبرانہ مشورہ نہیں مانا۔ بلکہ اپنی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۵۸ و سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۹۴)

قریش کا وفد ابو طالب کے پاس

کفار قریش میں کچھ لوگ صلح پسند بھی تھے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعہ صلح و صفائی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ چنانچہ قریش کے چند معزز رؤسا ابو طالب کے پاس آئے اور حضور ﷺ کی دعوت اسلام اور بت پرستی کے خلاف تقریروں کی شکایت کی۔ ابو

طالب نے نہایت نرمی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن حضور ﷺ خدا کے فرمان "فاصدع بما توءمر" کی تعمیل کرتے ہوئے علی الاعلان شرک و بت پرستی کی مذمت اور دعوت توحید کا وعظ فرماتے ہی رہے۔ اس لئے قریش کا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔ چنانچہ تمام سردارانہ قریش یعنی عتبہ و شیبہ و ابوسفیان و عاص بن ہشام و ابو جہل و ولید بن مغیرہ و عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ سب ایک ساتھ مل کر ابو طالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لئے یا تو آپ درمیان میں سے ہٹ جائیں اور اپنے بھتیجا کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر آپ بھی کھل کر ان کے ساتھ میدان میں نکل پڑیں تا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے ابو طالب نے قریش کا تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب بہت ہی خطرناک اور نازک گھڑی سر پر آن پڑی ہے ظاہر ہے کہ اب قریش برداشت نہیں کر سکتے اور میں اکیلا تمام قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا ابو طالب نے حضور ﷺ کو انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے! اپنے بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو اور بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں اب تک تو قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا مگر آج قریش کے سرداروں کا لب و لہجہ اور ان کا تیور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اب وہ مجھ پر اور تم پر تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے دعوت اسلام موقوف کر دو۔ اب تک حضور ﷺ کے ظاہری معین مددگار جو کچھ بھی تھے وہ صرف اکیلے ابو طالب ہی تھے۔ حضور ﷺ نے دیکھا کہ اب ان کے قدم بھی اکھڑ رہے ہیں چچا کی گفتگو سن کر حضور اقدس ﷺ نے بھرائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ کی یہ جذباتی تقریر سن کر ابو طالب کا دل پسیج گیا اور وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی ہاشمی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ بھتیجے کی محبت میں گرم ہو کر کھولنے لگا اور انتہائی جوش میں آ کر کہہ دیا کہ جان عم! جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۶ وغیرہ)

ہجرت حبشہ ۵ سنہ نبوی

کفارِ مکہ نے جب اپنے ظلم و ستم سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو "حبشہ" جا کر پناہ لینے کا حکم دیا۔

نجاشی

حبشہ کے بادشاہ کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا۔ عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحم دل تھا۔ اور توراۃ و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا۔ اعلانِ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان مہاجرین کرام کے مقدس نام حسب ذیل ہیں۔

۱- حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

۲- حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

۳- حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اہلیہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

۴- حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

۵- حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔

۶- حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔

۷- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

۸- حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔

۹- حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم یا حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۱۰- حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ۔

۱۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (زُرقانی علی المواہب ج۱ ص۲۷۰)

کفارِ مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتا چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے اس لئے کفار ناکام واپس لوٹے یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین میں اتر کر امن و امان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد ناگہاں یہ خبر پھیل گئی کہ کفارِ مکہ مسلمان ہو گئے یہ خبر سن کر چند

لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ یہ خبر غلط تھی چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں روپوش ہو کر رہنے لگے لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور ﷺ نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل تراسی مرد، اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ (زُرقانی علی المواہب ج۱ ص۲۸۷)

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں

تمام مہاجرین نہایت امن وسکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے۔ مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہوسکتا تھا کہ فرزندان توحید کہیں امن وچین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ ''عمرو بن العاص'' اور ''عمارہ بن ولید'' کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفوں کا نذرانہ پیش کیا اور بادشاہ کو سجدہ کر کے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ! ہمارے کچھ مجرم مکہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ آپ ہمارے ان مجرموں کو ہمارے حوالہ کر دیجئے یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کے لئے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے درباریوں نے ٹوکا۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول ﷺ نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔
(زُرقانی علی المواہب ج۱ ص۲۸۸)

اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ۔

> ''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے شرک و بت پرستی کرتے تھے لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم وستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ جس کے حسب ونسب اور صدق ودیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ اس رسول نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم وستم اور تمام

> برائیوں اور بدکاریوں سے ہم کو منع کیا۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک و بت پرستی چھوڑ کر تمام برے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پر امن زندگی بسر کر رہے ہیں اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں واپس لوٹ جائیں۔"

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں جو آپ کے عقیدہ کے بالکل ہی خلاف ہے۔ یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی۔ کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ کے خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔ نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر کو سنا اور یہ کہا کہ بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے دو نور ہیں اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستور سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا تو میں خود مکہ جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کے قدم دھوتا بادشاہ کی تقریر سن کر اس کے درباری جو کٹر قسم کے عیسائی تھے۔ ناراض و برہم ہو گئے مگر نجاشی بادشاہ نے جوش ایمانی میں سب کو ڈانٹ پھٹکار کر خاموش کر دیا اور کفار مکہ کے تحفوں کو واپس لوٹا کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو دربار سے نکلوا دیا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری سلطنت میں جہاں چاہو امن و سکون کے ساتھ آرام و چین کی زندگی بسر کرو کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ (زُرقانی ج ۱ ص ۲۸۸)

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حالانکہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا اور وہ

حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے مگر حضور ﷺ نے غائبانہ ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی

حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مگر جب آپ مقام ''برک الغماد'' میں پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ''مالک بن دغنہ'' راستے میں ملا اور دریافت کیا کہ کیوں اے ابوبکر! کہاں چلے؟ آپ نے اہل مکہ کے مظالم کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب میں اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں پھرتا رہوں گا اور خدا کی عبادت کرتا رہوں گا ابن دغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! آپ جیسا آدمی نہ شہر سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے آپ دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں مہمانان حرم کی مہمان نوازی کرتے ہیں خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کی مالی امداد کرتے ہیں حق کے کاموں میں سب کی امداد و اعانت کرتے ہیں آپ میرے ساتھ مکہ واپس چلئے میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں ابن دغنہ آپ کو زبردستی مکہ واپس لایا اور تمام کفار مکہ سے کہہ دیا کہ میں نے ابوبکر کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے لہٰذا خبردار! کوئی ان کو نہ ستائے کفار مکہ نے کہا کہ ہم کو اس شرط پر منظور ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں۔ تا کہ ہماری عورتوں اور بچوں کے کان میں قرآن کی آواز نہ پہنچے۔ ابن دغنہ نے کفار کی شرط کو منظور کر لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جذبہ اسلامی اور جوش ایمانی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ معبودان باطل لات و عزیٰ کی عبادت تو علی الاعلان ہو اور معبود برحق اللہ تعالیٰ کی عبادت گھر کے اندر چھپ کر کی جائے۔ چنانچہ آپ نے گھر کے باہر اپنے صحن میں ایک مسجد بنالی اور اس مسجد میں علی الاعلان نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے اور کفار مکہ کی عورتیں اور بچے بھیڑ لگا کر قرآن سننے لگے یہ منظر دیکھ کر کفار مکہ نے ابن دغنہ کو مکہ بلایا اور شکایات کی کہ ابوبکر گھر کے باہر قرآن پڑھتے ہیں۔ جس کو سننے کے لئے ان کے گرد ہماری عورتوں اور بچوں کا میلہ لگ جاتا ہے اس سے ہم کو بڑی تکلیف ہوتی ہے لہٰذا تم ان سے کہہ دو کہ یا تو وہ گھر میں قرآن پڑھیں ورنہ تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ۔ چنانچہ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوبکر! آپ گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں ورنہ میں اپنی پناہ سے کنارہ کش ہو جاؤں گا اس کے بعد کفار مکہ آپ کو ستائیں گے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں

گا یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن دغنہ! تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے الگ ہو جاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے اور میں اس کی مرضی پر راضی برضا ہوں۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۰۷ باب جوار ابی بکر الصدیق)

حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے

اعلان نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو ایسی ہستیاں دامن اسلام میں آ گئیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ و جلال اور ان کے عزت و اقبال کا پرچم بہت ہی سربلند ہو گیا۔ حضور ﷺ کے چچاؤں میں حضرت حمزہ کو آپ سے بڑی والہانہ محبت تھی اور وہ صرف دو تین سال حضور ﷺ سے عمر میں زیادہ تھے اور چونکہ انہوں نے بھی حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے اور شکار کے بہت ہی شوقین تھے۔ روزانہ صبح سویرے تیر کمان لے کر گھر سے نکل جاتے اور شام کو شکار سے واپس لوٹ کر حرم میں جاتے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور قریش کے سرداروں کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول شکار سے واپس لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی اور خود ان کی بہن حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو بتایا کہ آج ابوجہل نے کس کس طرح تمہارے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کی ہے یہ ماجرا سن کر مارے غصہ کے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون کھولنے لگا ایک دم تیر کمان لئے ہوئے مسجد حرام میں پہنچ گئے اور اپنی کمان سے ابوجہل کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟ تجھے خبر نہیں کہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔ یہ دیکھ کر قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابوجہل نے یہ سوچ کر کہ کہیں بنو ہاشم سے جنگ نہ چھڑ جائے یہ کہا کہ اے بنی مخزوم! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجئے واقعی آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی خراب خراب قسم کی گالیاں دی تھیں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴ و زرقانی ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمان ہو جانے بعد زور زور سے ان اشعار کو پڑھنا شروع کر دیا۔

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِىْ
اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس وقت کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین حنیف کی طرف ہدایت دی۔

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا !
تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِی اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

جب احکام اسلام کی ہمارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو باکمال عقل والوں کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

وَاَحْمَدُ مُصْطَفًی فِيْنَا مُطَاعٌ
فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ

اور خدا کے برگزیدہ احمد ﷺ ہمارے مقتدیٰ ہیں تو (اے کافرو) اپنی باطل بکواس سے ان پر غلبہ مت حاصل کرو۔

فَلَا وَاللّٰهِ نُسْلِمُهٗ لِقَوْمٍ
وَلَمَّا نَقْضِ فِيْهِمْ بِالسُّيُوْفِ

تو خدا کی قسم ہم انہیں قوم کفار کے سپرد نہیں کریں گے حالانکہ ابھی تک ہم نے ان کافروں کے ساتھ تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ (زُرقانی ج ا ص ٢٥٦)

حضرت عمر کا قبولِ اسلام

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد تیسرے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دولت اسلام سے مالامال ہو گئے آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے واقعات میں بہت سی روایات ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ ایک دن غصہ میں بھرے ہوئے ننگی تلوار لے کر اس ارادہ سے چلے کہ آج میں اسی تلوار سے پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر دوں گا۔ اتفاق سے راستہ میں حضرت نعیم بن عبداللہ قریشی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی یہ مسلمان ہو چکے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام کی خبر نہیں تھی۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اے عمر! اس دوپہر کی گرمی میں ننگی تلوار لے کر کہاں چلے؟ کہنے لگے کہ آج بانی اسلام کا فیصلہ کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن "فاطمہ بنت الخطاب" اور تمہارے بہنوئی "سعید بن زید" بھی تو مسلمان ہو گئے ہیں یہ سن کر آپ بہن کے گھر پہنچے اور

دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر چند مسلمان چھپ کر قرآن پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سن کر سب لوگ ڈر گئے اور قرآن کے اوراق چھوڑ کر ادھر ادھر چھپ گئے بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلا کر بولے کہ اے اپنی جان کی دشمن کیا تو بھی مسلمان ہو گئی ہے؟ پھر اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جھپٹے اور ان کی داڑھی پکڑ کر ان کو زمین پر پٹخ دیا اور سینے پر سوار ہو کر مارنے لگے ان کی بہن فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے دوڑ پڑیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایسا طمانچہ مارا کہ ان کے کانوں کے جھومر ٹوٹ کر گر پڑے اور ان کا چہرہ خون سے لہولہان ہو گیا بہن نے صاف صاف کہہ دیا کہ عمر! سن لو تم سے جو ہو سکے کر لو مگر اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہن کا خون آلودہ چہرہ دیکھا اور ان کا عزم و استقامت سے بھرا ہوا یہ جملہ سنا تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور ایک دم دل نرم پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر کہا کہ اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔ بہن نے قرآن کے اوراق کو سامنے رکھ دیا اٹھا کر دیکھا تو اس آیت پر نظر پڑی کہ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ اس آیت کا ایک ایک لفظ صداقت کی تاثیر کا تیر بن کر دل کی گہرائی میں پیوست ہوتا چلا گیا اور جسم کا ایک ایک بال لرزہ براندام ہونے لگا۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (حدید) تو بالکل ہی بے قابو ہو گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' یہ وہ وقت تھا کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں مقیم تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہن کے گھر سے نکلے اور سیدھے حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ کنڈی بجائی اندر کے لوگوں نے دروازہ کی جھری سے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگی تلوار لئے کھڑے تھے لوگ گھبرا گئے اور کسی میں دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اندر آنے دو اگر نیک نیتی کے ساتھ آیا ہے تو اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو حضور ﷺ نے خود آگے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بازو پکڑا اور فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے تو مسلمان ہو جا آخر تو کب تک مجھ سے لڑتا رہے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہ آواز بلند کلمہ پڑھا حضور ﷺ نے مارے خوشی کے نعرہ تکبیر بلند فرمایا اور تمام حاضرین نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ یا

رسول اللہ! یہ چھپ چھپ کر خدا کی عبادت کرنے کے کیا معنی؟ اٹھیے ہم کعبہ میں چل کر علی الاعلان خدا کی عبادت کریں گے اور خدا کی قسم میں کفر کی حالت میں جن جن مجلسوں میں بیٹھ کر اسلام کی مخالفت کرتا رہا ہوں میں اب ان تمام مجالس میں اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ پھر حضور ﷺ صحابہ کی جماعت کو لے کر دو قطاروں میں روانہ ہوئے ایک صف کے آگے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چل رہے تھے اور دوسری صف کے آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس شان سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ میں مشرکین کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ سنتے ہی ہر طرف سے کفار دوڑ پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں سے لڑنے لگے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں ابو جہل آ گیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ ہنگامہ کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں اس لئے لوگ برہم ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے ہیں یہ سن کر ابو جہل نے حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر اپنی آستین سے اشارہ کر کے اعلان کر دیا کہ میں نے اپنے بھانجے عمر کو پناہ دی ابو جہل کا یہ اعلان سن کر سب لوگ ہٹ گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسلام لانے کے بعد میں ہمیشہ کفار کو مارتا اور ان کی مار کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب فرما دیا۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں قریش کے بتوں کے پاس حاضر تھا۔ اتنے میں ایک شخص گائے کا ایک بچھڑا لے کر آیا اور اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا۔ پھر بڑے زور سے چیخ مار کر کسی نے یہ کہا کہ ''یَا جَلِیْحُ اَمْرٌ نَّجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' یہ آواز سن کر سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اس آواز دینے والے کی تحقیق کئے بغیر ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ اس کے بعد پھر یہی آواز آئی کہ یَا جَلِیْحُ اَمْرٌ نَّجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اے کھلی ہوئی دشمنی کرنے والے! ایک کامیابی کی چیز ہے کہ ایک فصاحت والا آدمی ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ رہا ہے حالانکہ بتوں کے آس پاس میرے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے فوراً ہی بعد حضور ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر تھے۔ اس لئے ان کے اسلام لانے کے اسباب میں اس واقعہ کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۴۶ و زُرقانی ج ۱ ص ۲۷۶ باب اسلام عمر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کفارِ مکہ نے بہت زیادہ ستایا تو عاص بن وائل سہمی نے بھی آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جو زمانہ جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار کی مار دھاڑ سے بچ گئے۔ (بخاری باب اسلام عمر ج ۱ ص ۵۴۵)

شعب ابی طالب ۷ نبوی

اعلان نبوت کے ساتویں سال ۷ نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے بہادرانِ قریش بھی دامنِ اسلام میں آ گئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سردارانِ قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ سکیم بنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔ چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔

۱۔ کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔
۲۔ کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔
۳۔ کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات، بات نہ کرے۔
۴۔ کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔ منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سردارانِ قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام "شعب ابی طالب" تھا پناہ گزین ہوئے۔ ابو لہب کے سوا خاندان بنو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بنا پر اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے، اور سوکھے چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے اور

ان کے بچے بھوک پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دن رات رویا کرتے تھے سنگدل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۸)

مسلسل تین تک حضور ﷺ اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک اٹھائی چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے۔ کفار قریش کو مخاطب کر کے اپنی پر جوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں خدا کی قسم! جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تقریر سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے زمعہ نے ابو جہل کو للکارا اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابو جہل کی بولتی بند ہو گئی اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی خم ٹھونک کر ابو جہل کو جھڑک دیا اور ابو البختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابو جہل اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب ہم اس کے پابند ہیں۔

اسی مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا اس کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد (ﷺ) کو تمہارے حوالے کر دوں گا یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ کے اندر گیا اور دستاویز کو اتار لایا اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ تعالیٰ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے۔ ہتھیار لے کر گھاٹی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو وہاں سے نکال لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

منصور بن عکرمہ جس نے اس دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۲ وغیرہ)

غم کا سال سنہ ۱۰ نبوی

حضورِ اقدس ﷺ ”شعب ابی طالب“ سے نکل کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور چند ہی روز کفار قریش کے ظلم و ستم سے کچھ امان ملی تھی کہ ابو طالب بیمار ہو گئے اور گھاٹی سے باہر آنے کے آٹھ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات حضور ﷺ کے لئے ایک بہت ہی جان گداز اور روح فرسا حادثہ تھا۔ کیونکہ بچپن سے جس طرح پیار و محبت کے ساتھ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جاں نثاری کے ساتھ آپ کی نصرت و دستگیری کی اور آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر جس طرح آلام و مصائب کا مقابلہ کیا اس کو بھلا حضور ﷺ کس طرح بھول سکتے تھے۔

ابو طالب کا خاتمہ

جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا! آپ کلمہ پڑھ لیجئے۔ یہ وہ کلمہ ہے کہ اس کے سبب سے میں خدا کے دربار میں آپ کی مغفرت کے لئے اصرار کروں گا اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابو طالب کے پاس موجود تھے ان دونوں نے ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگردانی کریں گے؟ اور یہ دونوں برابر ابو طالب سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے کلمہ نہیں پڑھا بلکہ ان کی زندگی کا آخری قول یہ رہا کہ ”میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں“ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضور رحمت عالم ﷺ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے اس وقت تک دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا اس کے بعد یہ آیت نازل ہو گئی کہ۔

مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○

یعنی نبی اور مومنین کے لئے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا

مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب انہیں معلوم ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں۔ (بخاری ج۱ ص ۵۴۸ باب قصہ ابی طالب)

حضرت بی بی خدیجہ کی وفات

حضور اقدس ﷺ کے قلب مبارک پر ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابو طالب کی وفات کے تین دن یا پانچ دن کے بعد حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ مکہ میں ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ جس ہستی نے رحمت عالم ﷺ کی نصرت وحمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا۔ وہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی تھی جس وقت دنیا میں کوئی آپ کا مخلص مشیر اور غمخوار نہیں تھا۔ حضرت بی بی خدیجہ ہی تھیں کہ ہر پریشانی کے موقع پر پوری جاںنثاری کے ساتھ آپ کی غمخواری اور دلداری کرتی رہتی تھیں اس لئے ابو طالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کی وفات سے آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے جس سے آپ کے قلب نازک پر اتنا عظیم صدمہ گزرا کہ آپ نے اس سال کا نام ”عام الحزن“ (غم کا سال) رکھ دیا۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۱۰ نبوی میں وفات پائی بوقت وفات پینسٹھ برس کی عمر تھی۔ مقام حجون (قبرستان جنت المعلی) میں مدفون ہوئیں حضور رحمت عالم ﷺ خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی لاش مبارک کو زمین کے سپرد فرمایا۔ (زُرقانی ج۱ ص ۲۹۶)

طائف وغیرہ کا سفر

مکہ والوں کے عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے جب حضور رحمت عالم ﷺ کو ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوسی نظر آئی تو آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا رُخ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے ”طائف“ کا بھی سفر فرمایا اس سفر میں حضور ﷺ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ طائف میں بڑے بڑے اُمراء اور مالدار لوگ رہتے تھے۔ ان رئیسوں میں ”عمیر“ کا خاندان تمام قبائل کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ تین بھائی تھے۔ عبدیالیل، مسعود، حبیب، حضور ﷺ ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بیہودہ

اور گستاخانہ جواب دیا۔ ان بدنصیبوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ طائف کے شریر غنڈوں کو ابھار دیا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ برا سلوک کریں چنانچہ لچوں لفنگوں کا یہ شریر گروہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا اور یہ شرارتوں کے مجسمے آپ پر پتھر برسانے لگے یہاں تک کہ آپ کے مقدس پاؤں زخموں سے لہولہان ہو گئے۔ اور آپ کے موزے اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے جب آپ زخموں سے بے تاب ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر آپ پر پتھروں کی بارش کرتے اور ساتھ ساتھ طعنہ زنی کرتے گالیاں دیتے۔ تالیاں بجاتے ہنسی اڑاتے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دوڑ دوڑ کر حضور ﷺ پر آنے والے پتھروں کو اپنے بدن پر لیتے تھے اور حضور ﷺ کو بچاتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی خون میں نہا گئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر بے قابو ہو گئے یہاں تک کہ آخر آپ نے انگور کے ایک باغ میں پناہ لی یہ باغ مکہ کے ایک مشہور کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ حضور ﷺ کا یہ حال دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کو آپ پر رحم آ گیا اور کافر ہونے کے باوجود خاندانی حمیت نے جوش مارا چنانچہ ان دونوں کافروں نے حضور ﷺ کو اپنے باغ میں ٹھہرایا اور اپنے نصرانی غلام "عداس" کے ہاتھ سے آپ کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ بھیجا۔ حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر خوشہ کو ہاتھ لگایا تو عداس تعجب سے کہنے لگا کہ اس اطراف کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولا کرتے حضور ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ عداس نے کہا کہ میں "شہر نینویٰ" کا رہنے والا ہوں آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت یونس بن متی کا شہر ہے وہ بھی میری طرح خدا کے پیغمبر تھے یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور فوراً ہی آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۰۰)

اسی سفر میں جب آپ مقام "نخلہ" میں تشریف فرما ہوئے اور رات کو نماز تہجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو "نصیبین" کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قرآن سن کر یہ سب جن مسلمان ہو گئے پھر ان جنوں نے لوٹ کر اپنی قوم کو بتایا تو مکہ مکرمہ میں جنوں کی جماعت نے فوج در فوج آ کر اسلام قبول کیا چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ جن کی ابتدائی آیتوں میں خداوند عالم نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۳۰۲)

مقام نخلہ میں حضور ﷺ نے چند دنوں تک قیام فرمایا پھر آپ مقام "حراء" میں تشریف لائے اور قریش کے ایک ممتاز سردار مطعم بن عدی کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ

میں لے سکتے ہو؟ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص ان سے حمایت اور پناہ طلب کرتا تو وہ اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو وہ پناہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ مطعم بن عدی نے حضور ﷺ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ اور مطعم بن عدی خود گھوڑے پر سوار ہو گیا اور حضور ﷺ کو اپنے ساتھ مکہ لایا اور حرم کعبہ میں اپنے ساتھ لے کر گیا اور مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ کا طواف کر کے حرم میں نماز ادا کی اور مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے تلواروں کے سائے میں آپ کو آپ کے دولت خانہ تک پہنچا دیا۔ (زُرقانی ج ۱ ص ۳۰۶)

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ کیا جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اے عائشہ! وہ دن میرے لئے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار "عبد یالیل" کو اسلام کی دعوت دی اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا۔ میں اس رنج و غم میں سر جھکائے چلتا رہا یہاں تک کہ مقام "قرن الثعالب" میں پہنچ کر میرے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے اس بادل میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا۔ اور اب آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے تا کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔ حضور ﷺ کا بیان ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجا لاؤں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں "اخشبین" (ابو قبیس اور قعیقعان) دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر اُلٹ دوں تو میں اُلٹ دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

(بخاری باب ذکر الملائکہ ج ۱ ص ۴۵۸ و زُرقانی ج ۱ ص ۲۹۷)

قبائل میں تبلیغ اسلام

حضور نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جب کہ دور دور کے عربی قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے تو حضور ﷺ تمام قبائل میں دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اسی طرح عرب میں جا بجا بہت سے میلے لگتے تھے، جن میں دور دراز کے قبائل عرب جمع ہوتے تھے ان میلوں میں بھی آپ تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز، کے بڑے بڑے میلوں میں آپ نے قبائل عرب کے سامنے دعوت اسلام پیش فرمائی عرب کے قبائل، بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، سلیم، عبس، نصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ وغیرہ ان سب مشہور قبائل کے سامنے آپ نے اسلام پیش فرمایا، مگر آپ کا چچا ابو لہب ہر جگہ آپ کے ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی قبیلہ کے سامنے وعظ فرماتے تو ابولہب چلا چلا کر یہ کہتا کہ ''یہ دین سے پھر گیا ہے'' ''یہ جھوٹ کہتا ہے۔'' (زُرقانی ج ۱ ص ۳۱۹)

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اس قبیلہ کا سردار ''مفروق'' آپ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا کہ اے قریشی برادر! آپ لوگوں کے سامنے کونسا دین پیش کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں پھر آپ نے سورۂ انعام کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں یہ سب لوگ آپ کی تقریر اور قرآنی آیتوں کی تاثیر سے انتہائی متاثر ہوئے۔ لیکن یہ کہا کہ ہم اپنے اس خاندانی دین کو بھلا ایک دم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ جس پر ہم برسہا برس سے کاربند ہیں اس کے علاوہ ہم ملکِ فارس کے بادشاہ کسریٰ کے زیر اثر اور رعیت ہیں اور ہم یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ ہم بادشاہ کسریٰ کے سوا کسی اور کے زیر اثر نہیں رہیں گے۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کی صاف گوئی کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ خیر، خدا اپنے دین کا حامی و ناصر، اور معین و مددگار ہے۔

(روض الانف بحوالہ سیرۃ النبی)

پانچواں باب

مدینہ میں آفتابِ رِسالت کی تجلیاں

''مدینہ منورہ'' کا پرانا نام ''یثرب'' ہے جب حضور ﷺ نے اس شہر میں سکونت فرمائی تو اس کا نام ''مدینۃ النبی'' (نبی کا شہر) پڑ گیا پھر یہ نام مختصر ہو کر ''مدینہ'' مشہور ہو گیا۔ تاریخی حیثیت سے یہ بہت پرانا شہر ہے حضور ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اِس شہر میں عرب کے دو قبیلے ''اوس'' اور ''خزرج'' اور کچھ ''یہودی'' آباد تھے۔ اوس و خزرج کفارِ مکہ کی طرح ''بت پرست'' اور یہودی ''اہل کتاب'' تھے اوس و خزرج پہلے تو بڑے اتفاق و اتحاد کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، مگر پھر عربوں کی فطرت کے مطابق اِن دونوں قبیلوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ آخری لڑائی جو تاریخ عرب میں ''جنگ بعاث'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس قدر ہولناک اور خونریز ہوئی کہ اس لڑائی میں اوس و خزرج کے تقریباً تمام نامور بہادر لڑ بھڑ کر کٹ مر گئے اور یہ دونوں قبیلے بے حد کمزور ہو گئے۔ یہودی اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے مگر چونکہ وہ تعلیم یافتہ تھے اس لئے اوس و خزرج ہمیشہ یہودیوں کی علمی برتری سے مرعوب اور ان کے زیر اثر رہتے تھے۔

اِسلام قبول کرنے کے بعد رسولِ رحمت ﷺ کی مقدس تعلیم و تربیت کی بدولت اوس و خزرج کے تمام پرانے اختلافات ختم ہو گئے اور یہ دونوں قبیلے شیر و شکر کی طرح مل جل کر رہنے لگے اور چونکہ اِن لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے تن من دھن سے بے پناہ امداد و نصرت کی اِس لئے حضور ﷺ نے ان خوش بختوں کو ''اِنصار'' کے معزز لقب سے سرفراز فرما دیا اور قرآن کریم نے بھی ان جانثاران اسلام کی نصرت رسول و امدادِ مسلمین پر ان خوش نصیبوں کی مدح و ثنا کا جا بجا خطبہ پڑھا اور از روئے شریعت انصار کی محبت' اور ان کی جناب میں حسن عقیدت تمام اُمتِ مسلمہ کیلئے لازم الایمان اور واجب العمل قرار پائی۔ (رضی اللہ عنہم

اجمعین)

مدینہ میں اسلام کیونکر پھیلا

انصار گو بت پرست تھے مگر یہودیوں کے میل جول سے اتنا جانتے تھے کہ نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے۔ اور مدینہ کے یہودی اکثر انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کو دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کے وقت ہم ان کے لشکر میں شامل ہو کر تم بت پرستوں کو دنیا سے نیست و نابود کر ڈالیں گے۔ اس لئے نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کا یہود اور انصار دونوں کو انتظار تھا۔

۱۱ نبوی میں حضور ﷺ معمول کے مطابق حج میں آنے والے قبائل کو دعوت اسلام دینے کے لئے منیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے اور قرآنِ مجید کی آیتیں سنا سنا کر لوگوں کے سامنے اسلام پیش فرمانے لگے۔ حضور ﷺ منیٰ میں عقبہ (گھاٹی) کے پاس جہاں آج ''مسجد العقبہ'' ہے تشریف فرما تھے کہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے ان لوگوں سے ان کا نام و نسب پوچھا پھر قرآن کی چند آیتیں سنا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر واپسی میں یہ کہنے لگے کہ یہودی جس نبی آخر الزمان کی خوشخبری دیتے رہے ہیں یقیناً وہ نبی یہی ہیں۔ لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کر لیں یہ کہہ کر سب ایک ساتھ مسلمان ہو گئے اور مدینہ جا کر اپنے اہل خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلام کی دعوت دی ان چھ خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ حضرت ابو الہیثم بن تیہان۔ ۲۔ حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ ۳۔ حضرت عوف بن حارث۔ ۴۔ حضرت رافع بن مالک۔ ۵۔ حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ ۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ بن ریاب (رضی اللہ عنہم اجمعین) (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱ و زرقانی ج ۱ ص ۳۱۰)

بیعت عقبہ اولیٰ

دوسرے سال سن ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ اشخاص منیٰ کی اسی گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور ﷺ سے بیعت ہوئے تاریخ اسلام میں اس بیعت

کا نام ''بیعت عقبہ اولیٰ'' ہے۔

ساتھ ہی ان لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ درخواست بھی کی کہ احکامِ اسلام کی تعلیم کے لئے کوئی معلم بھی ان لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہ مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر ٹھہرے اور انصار کے ایک ایک گھر میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی آغوشِ اسلام میں آنے لگے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قباء تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

قبیلہ ء اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی بہادر اور با اثر شخص تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے پہلے تو اسلام سے نفرت و بیزاری ظاہر کی مگر جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قرآنِ مجید پڑھ کر سنایا تو ایک دم اُن کا دل پسیج گیا اور اس قدر متاثر ہوئے کہ سعادتِ ایمان سے سرفراز ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ ''اوس'' بھی دامنِ اسلام میں آ گیا۔

اسی سال بقول مشہور ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو حضور ﷺ کو بحالت بیداری ''معراجِ جسمانی'' ہوئی اور اِسی سفرِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جس کا تفصیلی بیان اِن شآءَ اللہ تعالیٰ معجزات کے باب میں آئے گا۔

بیعت عقبہ ثانیہ

اس کے ایک سال بعد سن ۱۳ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً بہتر اشخاص نے منیٰ کی اس گھاٹی میں اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور ﷺ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دیں گے۔ اس موقع پر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ دیکھو۔ محمد ﷺ اپنے خاندان بنی ہاشم میں ہر طرح محترم اور باعزت ہیں۔ ہم لوگوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے۔ اب تم لوگ ان کو اپنے وطن میں لے جانے کے خواہشمند ہو۔ تو

سن لو اگر مرتے دم تک تم لوگ ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے کنارہ کش ہو جاؤ! یہ سن کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ طیش میں آ کر کہنے لگے کہ ''ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں'' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ نے بات کاٹتے ہوئے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگوں کے یہودیوں سے پرانے تعلقات ہیں اب ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے وطن مکہ چلے جائیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تم لوگ اطمینان رکھو کہ ''تمہارا خون میرا خون ہے اور یقین کرو' میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو تمہارا دشمن میرا دشمن۔ اور تمہارا دوست میرا دوست ہے۔''

(زرقانی علی المواہب ج۱ ص۳۱۷ و سیرت ابن ہشام ج۴ ص۴۴۱ تا ۴۴۲)

جب انصار یہ بیعت کر رہے تھے تو حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے یا حضرت عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے بھائیو! تمہیں یہ بھی خبر ہے؟ کہ تم لوگ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ خوب سمجھ لو کہ یہ عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے انصار نے طیش میں آ کر نہایت ہی پر جوش لہجے میں کہا کہ ہاں۔ ہاں ہم لوگ اسی پر بیعت کر رہے ہیں! بیعت ہو جانے کے بعد آپ نے اس جماعت میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلہ اوس کے تھے جن کے مبارک نام یہ ہیں۔

۱- ابو امامہ اسعد بن زرارہ۔ ۲- سعد بن ربیع۔ ۳- عبداللہ بن رواحہ۔ ۴- رافع بن مالک۔ ۵- براء بن معرور۔ ۶- عبداللہ بن عمرو۔ ۷- سعد بن عبادہ۔ ۸- منذر بن عمر۔ ۹- عبادہ بن ثابت یہ نو آدمی قبیلہ خزرج کے ہیں۔ ۱۰- اُسید بن حضیر۔ ۱۱- سعد بن خیثمہ۔ ۱۲- ابو الہیثم بن تیہان یہ تین شخص قبیلہ اوس کے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (زرقانی علی المواہب ج۱ ص۳۱۷)

اس کے بعد یہ تمام حضرات اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کے وقت جب قریش کو اس کی اطلاع پہنچی۔ تو وہ آگ بگولا ہو گئے اور ان لوگوں نے ڈانٹ کر مدینہ والوں سے پوچھا

کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر محمد (ﷺ) سے بیعت کی ہے؟ انصار کے کچھ ساتھیوں نے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اپنی لاعلمی ظاہر کی! یہ سن کر قریش واپس چلے گئے۔ مگر جب تفتیش و تحقیقات کے بعد کچھ انصار کی بیعت کا حال معلوم ہوا۔ تو قریش غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور بیعت کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے تعاقب کیا۔ مگر قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکڑ سکے۔ قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ لائے اور ان کو قید کر دیا۔ مگر جب جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ کو پتہ چلا تو ان دونوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لئے سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) کو فوراً چھوڑ دو۔ ورنہ تمہاری ملکِ شام کی تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعد بن عبادہ کو قید سے رہا کر دیا اور وہ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ (سیرتِ ابن ہشام ج ۴ ص ۴۴۹ تا ۴۵۰)

ہجرتِ مدینہ

مدینہ منورہ میں جب اسلام اور مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ مل گئی۔ تو حضور ﷺ نے صحابہء کرام کو عام اجازت دے دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے لوگ بھی مدینہ روانہ ہونے لگے۔ جب کفار قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی۔ مگر چھپ چھپ کر لوگوں نے ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بہت سے صحابہء کرام مدینہ منورہ چلے گئے صرف وہی حضرات مکہ میں رہ گئے جو یا تو کافروں کی قید میں تھے یا اپنی مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے۔

حضورِ اقدس ﷺ کو چونکہ ابھی تک خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا تھا اس لئے آپ مکہ ہی میں مقیم رہے اور حضرتِ ابوبکر صدیق اور حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی آپ نے روک لیا تھا لہٰذا یہ دونوں شمع نبوت کے پروانے بھی آپ ہی کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

کفار کانفرنس

جب مکہ کے کافروں نے یہ دیکھ لیا کہ حضور ﷺ اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر

مدینہ میں بھی ہوں گے اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ تو کفار مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد (ﷺ) بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں چنانچہ اس خطرہ کا دروازہ بند کرنے کے لئے کفار مکہ نے اپنے دارالندوہ (پنچائت گھر) میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی اور یہ کفار مکہ کا ایسا زبردست نمائندہ اجتماع تھا کہ مکہ کا کوئی بھی ایسا دانشور اور بااثر شخص نہ تھا جو اس کانفرنس میں شریک نہ ہوا ہو۔ خصوصیت کے ساتھ ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالنجتر ی زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، اُمیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ تمام سردارانِ قریش اس مجلس میں موجود تھے۔ شیطانِ لعین بھی کمبل اوڑھے ایک بزرگ شیخ کی صورت میں آ گیا۔ قریش کے سرداروں نے نام ونسب پوچھا تو بولا کہ میں "شیخ نجد" ہوں اس لئے اس کانفرنس میں آ گیا ہوں کہ میں تمہارے معاملہ میں اپنی رائے بھی پیش کر دوں۔ یہ سن کر قریش کے سرداروں نے ابلیس کو بھی اپنی کانفرنس میں شریک کر لیا۔ اور کانفرنس کی کارروائی شروع ہوئی جب حضور ﷺ کا معاملہ پیش ہوا تو ابوالنجتر ی نے یہ رائے دی کہ ان کو کسی کوٹھری میں بند کر کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور ایک سوراخ سے کھانا پانی ان کو دے دیا کرو۔ شیخ نجدی (شیطان) نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہیں ہے خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ان کو کسی مکان میں قید کر دیا تو یقیناً ان کے جانثار اصحاب کو اس کی خبر لگ جائے گی اور وہ اپنی جان پر کھیل کر ان کو قید سے چھڑا لیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو۔ تا کہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ اسلام سے نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمہاری اس رائے پر لعنت۔ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد (ﷺ) کے کلام میں کتنی مٹھاس اور تاثیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو یہ پورے ملک عرب میں لوگوں کو قرآن سنا سنا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کر دیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز ولاچار ہو جاؤ گے اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ

بنائے نہ بنے گی۔ اس لئے ان کو جلاوطن کرنے کی تو بات ہی مت کرو۔

ابوجہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیے وہ کیا ہے؟ تو ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد (ﷺ) کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کرنے کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لئے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا یقیناً وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔ ابوجہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور کہا کہ بے شک یہ تدبیر بالکل درست ہے اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا اور مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی۔ اور ہر شخص یہ خوفناک عزم لے کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔ خداوند قدوس نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ

(اے محبوب یاد کیجئے) جس وقت کفار آپ کے بارے میں خفیہ تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں یہ لوگ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ کی پوشیدہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کیا تھی؟ اگلے صفحے پر اس کا جلوہ دیکھئے کہ کس طرح اس نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت فرمائی اور کفار کی ساری اسکیم کو کس طرح اس قادر قیوم نے تہس نہس فرما دیا۔ (ابن ہشام)

ہجرتِ رسول کا واقعہ

جب کفار حضور ﷺ کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو

روانہ ہو گئے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے کہ اے محبوب! آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ عین دو پہر کے وقت حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ) کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اُس وقت حضرت عائشہ سے حضور کی شادی ہو چکی تھی) حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرما دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمایئے۔ آپ نے ان کی درخواست منظور فرما لی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرما لیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادل ناخواستہ فرمان رسالت سے مجبور ہو کر اس کو قبول کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت بی بی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کئے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بنا پر ان کو "ذات النطاقین" (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک کافر کو جس کا نام "عبداللہ بن اریقط تھا جو راستوں کا ماہر تھا راہ نمائی کے لئے اُجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر "غار ثور" کے پاس آ جائے یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور ﷺ اپنے مکان پر تشریف لائے۔

(بخاری ج۱ ص۵۵۳ تا ۵۵۴ باب ہجرت النبی ﷺ)

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور ﷺ سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے اس وقت گھر میں حضور ﷺ کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم ﷺ کے بدترین دشمن تھے مگر اس کے باوجود حضور ﷺ کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور ﷺ کے پاس امانت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانۂ نبوت میں تھیں حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر نبوت پر

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار مکہ حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں مگر حضور اقدس ﷺ کے اس فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لئے رسول اللہ ﷺ کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا اور آپ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔ اپنے اسی کارنامے پر فخر کرتے ہوئے شیر خدا نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ۔

وَقَیْتُ بِنَفْسِیْ خَیْرَ مَنْ وَطِیَ الثَّرٰی
وَمَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ وَبِالْحِجْر

میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس ذات گرامی کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔

رَسُوْلَ اِلٰہٍ خَافَ اَنْ یَّمْکُرُوْا بِہٖ
فَنَجَّاہُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰہُ مِنَ الْمَکْرِ

رسول خدا ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ چال سے بچا لیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۲۲)

جان ہیں جان کیا نظر آئے؟

حضور اقدس ﷺ نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے نہ کسی کو نظر آئے نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود نہ تھا اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (ﷺ) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ ان کور بختوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷)

رحمت عالم ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام "حزورہ" کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ "کعبہ" کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی قرارداد ہو چکی تھی وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور ﷺ کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اسی طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات "غارِ ثور" پہنچے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۸)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ کے اندر سے

ایک سانپ نے بار بار یارِ غار کے پاؤں میں کاٹا۔ مگر حضرت صدیق جاں نثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمتِ عالم کے خوابِ راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر درد کی شدت سے یارِ غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرورِ کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے جس سے رحمتِ عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یارِ غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے پوچھا ابوبکر! کیا ہوا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے! یہ سن کر حضور ﷺ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا حضورِ اقدس ﷺ تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور ﷺ سے عرض کر دیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آ جاتے اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار اور ان کے یارِ غار پی لیتے تھے۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۳۹)

کفار غار تک آ پہنچے

حضور ﷺ تو غارِ ثور میں تشریف فرما ہو گئے۔ اُدھر کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار جب صبح کو مکان میں داخل ہوئے تو بسترِ نبوت پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ظالموں نے تھوڑی دیر آپ سے پوچھ گچھ کر کے آپ کو چھوڑ دیا پھر حضور ﷺ کی تلاش و جستجو میں مکہ اور اطراف و جوانب کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غارِ ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کفارِ قریش آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے۔ تو ہم کو دیکھ لیں گے حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔مت گھبراؤ' خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر سکون و اطمینان کا ایسا

سکینہ اُتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی وہ جانثاریاں ہیں جن کو دربارِ نبوت کے مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب کہا ہے کہ؎

وَثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِہٖ اِذْ صَاعَدَ الْجَبَلَا

اور دو میں کے دوسرے (ابوبکر) جب کہ پہاڑ پر چڑھ کر بلند مرتبہ غار میں اس حال میں تھے کہ دشمن ان کے اردگرد چکر لگا رہا تھا۔

وَکَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْخَلَائِقِ لَمْ یَعْدِلْ بِہٖ بَدَلَا

اور وہ (ابوبکر) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ تمام مخلوق اس بات کو جانتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو بھی ان کے برابر نہیں ٹھہرایا ہے۔ (زُرقانی علی المواہب ج۱ ص۳۳۷)

بہر حال چوتھے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکم ربیع الاول دوشنبہ کے دن غارِ ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن اریقط جس کو رہنمائی کے لئے کرایہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرارداد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پر حاضر تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے اور عبداللہ بن اریقط آگے آگے پیدل چلنے لگا اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

سو اونٹ کا انعام

اُدھر اہل مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش شروع کر دی۔ اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

اُمِ معبد کی بکری

دوسرے روز مقام قدید میں اُمِ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ کا گزر ہوا ''اُمِ معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی۔ اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا۔ مگر اس

کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی حضور ﷺ نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے دریافت فرمایا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اُم معبد نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں اُم معبد نے اجازت دے دی اور آپ نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور اُم معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱)

روایت ہے کہ اُم معبد کی یہ بکری ۱۸ھ تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ''عام الرماد'' کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔

(زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۴۶)

سراقہ کا گھوڑا

جب اُم معبد کے گھر سے حضور ﷺ آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ اور وہ گھوڑے سے گر پڑا مگر سو اونٹوں کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ انعام کے لالچ نے اسے دوبارہ اُبھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور ﷺ کی دعا سے پتھریلی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا اور امان۔ امان پکارنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا سراقہ کی لاچاری اور گریہ زاری پر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔ دعا فرما دی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجئے۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے سراقہ کے لئے امن کی تحریر لکھ دی۔ سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپس لوٹ گیا راستہ میں جو شخص بھی حضور ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آنحضرت ﷺ اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور ﷺ کی خدمت میں بطور نذرانہ کے پیش کیا مگر آنحضرت ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔

(بخاری باب ہجرۃ النبی ج۱ ص۵۵۴ و زُرقانی ج۱ ص۳۴۶ و مدارج النبوۃ ج۲ ص۶۲)

سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے مگر حضور ﷺ کی عظمت نبوت اور اسلام کی صداقت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ جب حضور ﷺ نے فتح مکہ اور جنگ طائف و حنین سے فارغ ہو کر "جعرانہ" میں پڑاؤ کیا تو سراقہ اسی پروانۂ امن کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو گئے اور اپنے قبیلہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

(دلائل النبوۃ ج۲ ص۱۵ و مدارج النبوۃ ج۲ ص۶۲)

واضح رہے کہ یہ وہی سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے اپنے علم غیب سے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اے سراقہ! تیرا کیا حال ہو گا جب تجھ کو ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دونوں کنگن پہنائے جائیں گے؟ اس ارشاد کے برسوں بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن دربارِ خلافت میں لائے گئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاجدارِ دو عالم ﷺ کے فرمان کی تصدیق و تحقیق کے لئے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو پہنا دیئے اور فرمایا کہ اے سراقہ! یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس نے ان کنگنوں کو بادشاہ فارس کسریٰ سے چھین کر سراقہ بدوی کو پہنا دیا۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے ۲۴ھ میں وفات پائی۔ جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تختِ خلافت پر رونق افروز تھے۔ (زُرقانی علی المواہب ج۱ ص۳۴۶ و ص۳۴۸)

بریدہ اسلمی کا جھنڈا

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو "بریدہ اسلمی" قبیلہ بنی سہم کے ستر سواروں کو ساتھ لے کر اس لالچ میں آپ کی گرفتاری کے لئے آئے کہ قریش سے ایک سو اونٹ انعام مل جائے گا۔ مگر جب حضور ﷺ کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ اور خدا کا رسول ہوں جمال و جلال نبوت کا ان کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر دامن اسلام میں آ گئے اور کمال عقیدت سے یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! میری تمنا ہے کہ مدینہ میں حضور کا داخلہ ایک جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ کہا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اپنے نیزہ پر باندھ لیا اور حضورِ اقدس ﷺ کے علمبردار بن کر مدینہ تک آگے آگے چلتے رہے۔ پھر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مدینہ میں کہاں اتریں گے تاجدارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور

ہے یہ جہاں بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۲)

حضرت زبیر کے بیش قیمت کپڑے

اس سفر میں حسن اتفاق سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی جو حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں یہ ملک شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے حضور انور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند نفیس کپڑے بطور نذرانہ کے پیش کئے جن کو تاجدار دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول فرما لیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳)

شہنشاہِ رسالت مدینہ میں

حضور اکرم ﷺ کی آمد آمد کی خبر چونکہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی عورتوں اور بچوں تک کی زبانوں پر آپ کی تشریف آوری کا چرچا تھا۔ اس لئے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لئے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے۔ روزانہ صبح سے نکل نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لئے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم ﷺ کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے بہ آواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! لو تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروانِ رحمت آ گیا۔ یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار کا استقبال کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرہ تکبیر کی آوازوں سے تمام شہر گونج اُٹھا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳ وغیرہ)

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج ''مسجد قبا'' بنی ہوئی ہے ۱۲ ربیع الاول کو حضور ﷺ رونق افروز ہوئے اور قبیلہ عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل خاندان نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پرجوش نعرہ مارا چاروں طرف سے انصار جوشِ مسرت میں آتے اور بارگاہِ رسالت میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے اکثر صحابہ کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹا کر

تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے وہ بھی مدینہ آ گئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان والے ان تمام مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳ و بخاری ج ۱ ص ۵۶۰)

اللہ اکبر! عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت سید الانبیاء و سید الاولیاء اور صالحین صحابہ کے نورانی اجتماع سے ایسا سماں بندھ گیا ہوگا کہ غالباً چاند' سورج' اور ستارے حیرت کے ساتھ اس مجمع کو دیکھ کر زبانِ حال سے کہتے ہوں گے۔ کہ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ آج انجمن آسمان زیادہ روشن ہے یا حضرت کلثوم بن ہدم کا مکان؟ اور شاید خاندان عمرو بن عوف کا بچہ بچہ جوشِ مسرت سے مسکرا مسکرا کر زبانِ حال سے یہ نغمہ گاتا ہوگا کہ

اُن کے قدم پہ میں نثار' جن کے قدوز ناز نے
اُجڑے ہوئے دیار کو رشک چمن بنا دیا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ .

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ''مکی زندگی'' آپ پڑھ چکے اب ہم آپ کی ''مدنی زندگی'' پر سنہ وار واقعات تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں آپ بھی اس کے مطالعہ سے آنکھوں میں نور' اور دل میں سرور کی دولت حاصل کریں۔

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

۲۸ شعبان ۱۳۹۵ھ

گھوسی (بحالت علالت)

حضور تاجدارِ دو عالم ﷺ

کی

مدنی زندگی

تعالیٰ اللہ ذات مصطفیٰ کا حسن لاثانی
کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصافِ امکانی

دعائے یونسی، خلق خلیلی، صبر ایوبی
جلال موسوی، زہد مسیحی، حسن کنعانی

(ﷺ)

چھٹا باب

ہجرت کا پہلا سال

(سن ۱ ہجری)

مسجد قبا

''قبا'' میں سب سے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ اس مقصد کے لیے حضور ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کی ایک زمین کو پسند فرمایا جہاں خاندان عمرو بن عوف کی کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ اسی جگہ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج بھی ''مسجد قبا'' کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کی شان میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ
رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

(سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۸)

بے شک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی ہوئی ہے۔ وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں جن کو پاکی بہت پسند ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اس مبارک مسجد کی تعمیر میں صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ خود حضور ﷺ بھی بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے اتنے بڑے بڑے پتھر اُٹھاتے تھے کہ ان کے بوجھ سے جسم نازک خم ہو جاتا تھا اور اگر آپ کے جان نثار اصحاب میں سے کوئی عرض کرتا یارسول اللہ! آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہو جائیں۔ آپ چھوڑ دیجئے۔ ہم اٹھائیں گے تو حضور ﷺ اس کی دلجوئی کے لیے چھوڑ دیتے مگر پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے اور خود ہی اس کو لا کر عمارت میں لگاتے اور تعمیری کام میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لیے صحابۂ کرام کے ساتھ آواز ملا کر حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے کہ

اَفْلَحَ مَنْ يَّعَالِجُ الْمَسْجِدَا وَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَآئِمًا وَّقَاعِدًا وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا

وہ کامیاب ہے جو مسجد کی تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور سوتے ہوئے رات نہیں گزارتا۔ (وفاء الوفا ج۱ ص۱۸۰)

مسجد الجمعہ

چودہ یا چوبیس روز کے قیام میں مسجد قباء کی تعمیر فرما کر جمعہ کے دن آپ ''قبا'' سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں قبیلہ بنی سالم کی مسجد میں پہلا جمعہ آپ نے پڑھا۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج تک ''مسجد الجمعہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اہل شہر کو خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جذبات شوق میں مشتاقانہ استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کے نہالی رشتہ دار ''بنو النجار'' ہتھیار لگائے ''قبا'' سے شہر تک دورویہ صفیں باندھے مستانہ وار چل رہے تھے۔ آپ راستہ میں تمام قبائل کی محبت کا شکریہ ادا کرتے اور سب کو خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ شہر قریب آ گیا تو اہل مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور استقبالیہ اشعار پڑھنے لگیں کہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعٰى لِلّٰهِ دَاعِیْ

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ سے دعا، مانگنے والے دعا مانگتے رہیں۔

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا   جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
اَنْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِيْنَه   مَرْحَبًا يَا خَيْرَ دَاعِ

اے وہ ذات گرامی! جو ہمارے اندر مبعوث کئے گئے۔ آپ وہ دین لائے جو اطاعت کے قابل ہے آپ نے مدینہ کو مشرف فرما دیا۔ تو آپ کے لیے ''خوش آمدید'' ہے اے بہترین دعوت دینے والے۔

فَلَبِسْنَا ثَوْبَ يَمَنٍ   بَعْدَ تَلْفِيْقِ الرِّقَاعِ
فَعَلَيْكَ اللّٰهُ صَلّٰى۔   مَا سَعٰى لِلّٰهِ سَاعِ

تو ہم لوگوں نے یمنی کپڑے پہنے، حالانکہ اس سے پہلے پیوند جوڑ جوڑ کر کپڑے پہنا

کرتے تھے۔ تو آپ پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے۔ جب تک اللہ کے لئے کوشش کرتے رہیں۔

مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں جوشِ مسرت میں جھوم جھوم کر اور دف بجا بجا کر یہ گیت گاتی تھیں کہ ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِیْ النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٖ

ہم خاندان ''بنو النجار'' کی بچیاں ہیں، واہ کیا ہی خوب ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو گئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچیوں کے جوشِ مسرت اور ان کی والہانہ محبت سے متاثر ہو کر پوچھا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ تو بچیوں نے یک زبان ہو کر کہا ''جی ہاں'' ''جی ہاں'' یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔'' (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۰۹ و ۳۶۰)

چھوٹے چھوٹے لڑکے اور غلام جھنڈ کے جھنڈ مارے خوشی کے مدینہ کی گلیوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد کا نعرہ لگاتے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے۔ صحابیِ رسول براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو فرحت و سرور، اور انوار و تجلیات حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئے نہ اس سے پہلے کبھی ظاہر ہوئے تھے نہ اس کے بعد۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۵)

ابو ایوب انصاری کا مکان

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوشِ مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ ہمارے گھروں کو شرفِ نزول بخشیں مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو۔ جس جگہ خدا کو منظور ہو گا اسی جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے اس کے پاس حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا۔ اُسی جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی کے مکان پر قیام فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر کی منزل پیش کی مگر آپ نے ملاقاتیوں کی

آسانی کا لحاظ فرماتے ہوئے نیچے کی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں وقت آپ کے لئے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے۔ کھانے میں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا۔ حصولِ برکت کے لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اُٹھاتے اور اپنے ہر قول و فعل سے بے پناہ ادب و احترام اور عقیدت و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے۔ ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہہ کر نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا پانی اپنے لحاف میں خشک کر لیا گھر میں یہی ایک لحاف تھا جو گیلا ہو گیا رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے' یہ گوارا نہیں کیا۔ سات مہینے تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی شان کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جب مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان حجروں میں اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ قیام پذیر ہوئے۔ (زُرقانی علی المواہب ج۱ ص ۳۵۷ وغیرہ)

ہجرت کا پہلا سال قسم قسم کے بہت سے واقعات کو اپنے دامن میں لئے ہے مگر ان میں سے چند بڑے بڑے واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ ہم تحریر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے' خود ان کا اپنا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ جوق در جوق ان کی زیارت کے لئے ہر طرف سے آنے لگے تو میں بھی اُسی وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جونہی میری نظر جمالِ نبوت پر پڑی تو پہلی نظر میں میرے دل نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔''

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ۔

اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا	اے لوگو! اسلام کا چرچا کرو اور کھانا کھلاؤ اور
الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا	رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور راتوں کو
بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ ۔	جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایک نظر دیکھا اور آپ کے یہ چار بول میرے کان میں پڑے تو میں اس قدر متاثر ہو گیا کہ میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی اور میں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا دامن اسلام میں آ جانا یہ اتنا اہم واقعہ تھا کہ مدینہ کے یہودیوں میں کھلبلی مچ گئی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۶ و بخاری وغیرہ)

حضور کے اہل و عیال مدینہ میں

حضور اقدس ﷺ جب کہ ابھی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان ہی میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو پانچ سو درہم' اور دو اونٹ دے کر مکہ بھیجا۔ تاکہ یہ دونوں صاحبان اپنے ساتھ حضور ﷺ کے اہل و عیال کو مدینہ لائیں چنانچہ یہ دونوں حضرات جا کر حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما اور آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کو مدینہ لے آئے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہ آ سکیں۔ کیونکہ ان کے شوہر حضرت ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ میں روک لیا۔ اور حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''حبشہ'' میں تھیں۔ انہی لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے سب گھر والوں کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ آ گئے۔ ان میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ سب لوگ مدینہ آ کر پہلے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھ سکیں اس لئے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی حضور ﷺ کی قیام گاہ کے قریب ہی ''بنو النجار'' کا ایک باغ تھا آپ نے مسجد تعمیر کرنے کے لئے اس باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا ان لوگوں نے یہ کہہ کر ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم خدا ہی سے اس کی قیمت (اجر و ثواب) لیں گے' مفت میں زمین مسجد کی تعمیر کے لئے پیش کر دی۔ لیکن چونکہ یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ نے ان

دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا ان یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کے لئے نذر کرنی چاہی۔ مگر حضور سرورِ عالم ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرما دی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۸)

اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات، اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں۔ آپ نے درختوں کے کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا پھر زمین کو ہموار کر کے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور کچی اینٹوں کی دیوار، اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابۂ کرام کے ساتھ خود حضور ﷺ بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لئے ان کے ساتھ آواز ملا کر حضور ﷺ رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

(بخاری ج ۱ ص ۶۱)

اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت ہی کی بھلائی ہے۔ لہٰذا اے اللہ! تو انصار مہاجرین کو بخش دے اسی مسجد کا نام ''مسجد نبوی'' ہے۔ یہ مسجد ہر قسم کے دُنیوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی۔ اس مسجد کی عمارتِ اوّل طول و عرض میں ساٹھ گز لمبی اور چون گز چوڑی تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا۔ مگر جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید و توسیع ہوتی رہی۔

مسجد کے ایک کنارے پر ایک چبوترہ تھا جس پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنا دی گئی تھی اسی چبوترہ کا نام ''صفہ'' ہے جو صحابہ گھر بار نہیں رکھتے تھے وہ اسی چبوترہ پر سوتے بیٹھتے تھے اور یہی لوگ ''اصحاب صفہ'' کہلاتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۹ و بخاری)

ازواجِ مطہرات کے مکانات

مسجد نبوی کے متصل ہی آپ نے ازواجِ مطہرات کے لئے حجرے بھی بنوائے اس وقت تک حضرت بی بی سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح میں تھیں۔ اس لئے دو ہی مکان

بنوائے جب دوسری ازواجِ مطہرات آتی گئیں تو دوسرے مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات بھی بہت ہی سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے دس دس ہاتھ لمبے' چھ چھ' سات سات ہاتھ چوڑے کچی اینٹوں کی دیواریں' کھجور کی پتیوں کی چھت' وہ بھی اتنی نیچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا' دروازوں میں کواڑ بھی نہ تھے کمبل یا ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے۔

(طبقات ابن سعد وغیرہ)

اللہ اکبر! یہ ہے شہنشاہ دو عالم ﷺ کا وہ کاشانہ نبوت' جس کی آستانہ بوسی اور دربانی جبریل علیہ السلام کے لئے سرمایہ سعادت اور باعث افتخار تھی۔

اللہ- اللہ! وہ شہنشاہ کونین جس کو خالق کائنات نے اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر مسند نشین بنایا اور جس کے سر پر اپنی محبوبیت کا تاج پہنا کر زمین کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھوں میں عطا فرما دیں اور جس کو کائنات عالم میں قسم قسم کے تصرفات کا مختار بنا دیا۔ جس کے زبان کا ہر فرمان کن کی کنجی۔ جس کی نگاہ کرم کے ایک اشارہ نے ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہار رہتی تھی۔ انہیں اقوام عالم کی قسمت کی لگام عطا فرما دی۔ اللہ اکبر! وہ تاجدار رسالت جو سلطان دارین' اور شہنشاہ کونین ہے اس کی حرم سرا کا یہ عالم!!!! اے سورج! بول اے چاند! بتا تم دونوں نے اس زمین کے بے شمار چکر لگائے ہیں مگر کیا تمہاری آنکھوں نے ایسی سادگی کا کوئی منظر کبھی بھی اور کہیں بھی دیکھا ہے؟

مہاجرین کے گھر

مہاجرین جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے ان لوگوں کی سکونت کے لئے بھی حضور ﷺ نے مسجد نبوی کے قرب و جوار ہی میں انتظام فرمایا انصار نے بہت بڑی قربانی دی کہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے اپنے مکانات اور زمینیں دیں اور مکانوں کی تعمیرات میں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔ جس سے مہاجرین کی آبادکاری میں بڑی سہولت ہوگئی

سب سے پہلے جس انصاری نے اپنا مکان حضور ﷺ کو بطور ہبہ کے نذر کیا۔ اس خوش نصیب کا نام نامی حضرت حارثہ بن نعمان ہے' چنانچہ ازواجِ مطہرات کے مکانات حضرت حارثہ بن نعمان ہی کی زمین میں بنائے گئے (رضی اللہ عنہ)

حضرت عائشہ کی رُخصتی

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے نکاح تو ہجرت سے قبل ہی مکہ میں ہو چکا تھا۔ مگر ان کی رُخصتی ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں ہوئی۔ حضور ﷺ نے ایک پیالہ دودھ سے لوگوں کی دعوت ولیمہ فرمائی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۰)

اذان کی ابتداء

مسجد نبوی کی تعمیر تو مکمل ہو گئی مگر لوگوں کو نمازوں کے وقت جمع کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جس سے نماز باجماعت کا انتظام ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا۔ بعض نے نمازوں کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا۔ بعض نے ناقوس بجانے کی رائے دی۔ مگر حضورِ اقدس ﷺ نے غیر مسلموں کے ان طریقوں کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر نماز کے وقت کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو پوری مسلم آبادی میں نماز کا اعلان کر دے۔ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نمازوں کے وقت لوگوں کو پکار دیا کریں۔ چنانچہ وہ ''الصلوٰۃ جامعۃ'' کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے۔ اسی درمیان میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اذان شرعی کے الفاظ کوئی سنا رہا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔ حضور ﷺ نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے شرعی اذان کا طریقہ جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا شروع ہو گیا۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۳۷۶ و بخاری)

انصار و مہاجر بھائی بھائی

حضرات مہاجرین چونکہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اس لئے پردیس میں مفلسی کے ساتھ وحشت و بیگانگی اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انصار نے ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن مہاجرین دیر تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ سے اپنے دست و بازو کی کمائی

کھانے کے خوگر تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانی کو دور کرنے اور ان کے لئے مستقل ذریعہ معاش مہیا کرنے کے لئے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت (بھائی چارہ) قائم کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے۔ تاکہ مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے۔ اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعہ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔

چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا اس وقت تک مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو اشخاص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ "اور تم بھائی بھائی ہو" حضور ﷺ کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتہ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا رشتہ بن گیا۔ چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لا کر رکھ دی۔ اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لئے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ حد ہو گئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں، میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ سے نکاح کر لیں۔

اللہ اکبر! اس میں شک نہیں کہ انصار کا یہ ایثار ایک ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔ مگر مہاجرین نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ یہ بھی ایک قابل تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مخلصانہ پیشکش کو سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل و عیال آپ کو مبارک فرمائے۔ مجھے تو آپ صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور بازار "قینقاع" کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار گئے اور کچھ گھی، کچھ پنیر خرید کر شام تک بیچتے رہے۔ اسی طرح روزانہ وہ بازار جاتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کافی مالدار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ انہوں نے شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا۔ جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ تمہیں برکتیں عطا فرمائے تم دعوتِ ولیمہ کرو۔ اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔

(بخاری باب الولیمۃ ولو بشاۃ ص ۷۷۷ ج ۲)

اور رفتہ رفتہ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ ''میں مٹی کو چھو دیتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے'' منقول ہے کہ ان کا سامانِ تجارت سات سو اونٹوں پر لاد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی سامان پہنچتا تھا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی دوکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''قینقاع'' کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی۔ غرض باوجودیکہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مستقل مہمان خانہ تھا۔ مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور بے پناہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

مشہور مورخِ اسلام حضرت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ یہ عقد مواخاۃ (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا۔ اس کے علاوہ ایک خاص ''عقد مواخاۃ'' مہاجرین کے درمیان بھی ہوا جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ لیکن مجھے آپ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۱)

یہودیوں سے معاہدہ

مدینہ میں انصار کے علاوہ بہت سے یہودی بھی آباد تھے۔ ان یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر، قریظہ، مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور نہایت مضبوط محلات اور مستحکم قلعے بنا

کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے یہودیوں اور انصار میں ہمیشہ اختلاف رہتا تھا اور وہ اختلاف اب بھی موجود تھا اور انصار کے دونوں قبیلے اوس و خزرج بہت کمزور ہو چکے تھے۔ کیونکہ مشہور لڑائی ''جنگ بعاث'' میں ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اور نامور بہادر آپس میں لڑ لڑ کر قتل ہو چکے تھے اور یہودی ہمیشہ اس قسم کی تدبیروں اور شرارتوں میں لگے رہتے تھے کہ انصار کے یہ دونوں قبائل ہمیشہ ٹکراتے رہیں۔ اور کبھی بھی متحد نہ ہونے پائیں۔ ان وجوہات کی بنا پر حضورِ اقدس ﷺ نے یہودیوں اور مسلمانوں کے آئندہ تعلقات کے بارے میں ایک معاہدہ کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ دونوں فریق امن و سکون کے ساتھ رہیں اور آپس میں کوئی تصادم اور ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر معاہدہ کی ایک دستاویز لکھوائی جس پر دونوں فریقوں کے دستخط ہو گئے۔

اس معاہدہ کی دفعات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱- خون بہا (جان کے بدلے جو مال دیا جاتا ہے) اور فدیہ (قیدی کو چھڑانے کے بدلے جو رقم دی جاتی ہے) کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی وہ قائم رہے گا۔

۲- یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی ان کے مذہبی رسوم میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔

۳- یہودی اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴- یہودی یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵- اگر مدینہ پر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔

۶- کوئی فریق قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دے گا۔

۷- کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا فریق بھی اس مصالحت میں شامل ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی۔

(سیرتِ ابن ہشام ج۲ ص ۵۰۱ تا ۵۰۲)

مدینہ کے لئے دعا

چونکہ مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی یہاں طرح طرح کی وبائیں اور بیماریاں پھیلتی رہتی تھیں۔ اس لئے کثرت سے مہاجرین بیمار ہونے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید لرزہ بخار میں مبتلا ہو کر بیمار ہو گئے۔ اور بخار کی شدت میں یہ حضرات اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے کفار مکہ پر لعنت بھیجتے تھے اور مکہ کی پہاڑیوں اور گھاسوں کے فراق میں اشعار پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر یہ دعا فرمائی کہ

یا اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی ایسی ہی محبت ڈال دے جیسی مکہ کی محبت ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اور مدینہ کے صاع اور مد (ناپ تول کے برتنوں) میں خیر و برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو ''جحفہ'' کی طرف منتقل فرما دے۔

(مدارج جلد۲ ص ۷۰ و بخاری)

حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے

سن ۱ھ کے واقعات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کے آباؤ اجداد بلکہ ان کے ملک کی پوری آبادی مجوسی (آتش پرست) تھی۔ یہ اپنے آبائی دین سے بیزار ہو کر دین حق کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے مگر ڈاکوؤں نے ان کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنا لیا۔ پھر ان کو بیچ ڈالا۔ چنانچہ یہ کئی بار بکتے رہے اور مختلف لوگوں کی غلامی میں رہے۔ اسی طرح یہ مدینہ پہنچے کچھ دنوں تک عیسائی بن کر رہے اور یہودیوں سے بھی میل جول رکھتے رہے اس طرح ان کو توریت و انجیل کی کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ حضور ﷺ کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو پہلے دن تازہ کھجوروں کا ایک طباق خدمت اقدس میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ ''صدقہ'' ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا کر فقراو مساکین کو دے دو کیونکہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر دوسرے دن کھجوروں کا خوان لے کر پہنچے اور یہ کہہ کر کہ یہ ہدیہ ہے سامنے رکھ دیا۔ تو حضور ﷺ نے صحابہ کو ہاتھ بڑھانے کا اشارہ فرمایا اور خود بھی کھا لیا۔ اس درمیان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان جو نظر ڈالی تو ''مہر نبوت'' کو دیکھ لیا چونکہ یہ توراۃ و انجیل میں نبی آخر الزمان کی نشانیاں پڑھ چکے تھے اس لئے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ (مدارج جلد۲ ص ۷۱ وغیرہ)

نمازوں کی رکعت میں اضافہ

اب تک فرض نمازوں میں صرف دو ہی رکعتیں تھیں۔ مگر ہجرت کے سال اول ہی میں

جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ظہر و عصر و عشاء میں چار چار رکعتیں فرض ہو گئیں لیکن سفر کی حالت میں اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔ اسی کو سفر کی حالت میں نمازوں میں "قصر" کہتے ہیں۔ (مدارج جلد۲ ص۷۱)

تین جاں نثاروں کی وفات

اس سال حضرات صحابۂ کرام میں سے تین نہایت ہی شاندار اور جاں نثار حضرات نے وفات پائی۔ جو درحقیقت اسلام کے سچے جاں نثار اور بہت ہی بڑے معین و مددگار تھے۔

اول: حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ یہ وہ خوش نصیب مدینہ کے رہنے والے انصاری ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب ہجرت فرما کر "قبا" میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انہی کے مکان کو شرفِ نزول بخشا اور بڑے بڑے مہاجرین صحابہ بھی انہی کے مکان میں ٹھہرے تھے۔ اور انہوں نے دونوں عالم کے میزبان کو اپنے گھر میں مہمان بنا کر ایسی میزبانی اور مہمان نوازی کی کہ قیامت تک تاریخ رسالت کے صفحات پر ان کا نام نامی ستاروں کی طرح چمکتا رہے گا۔

دُوم: حضرت براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ یہ وہ شخص ہیں کہ "بیعت عقبہ ثانیہ" میں سب سے پہلے حضور ﷺ کے دست حق پر بیعت کی اور یہ اپنے قبیلہ "خزرج" کے نقیبوں میں تھے۔

سوم: حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ یہ بیعت عقبۂ اُولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانیہ کی دونوں بیعتوں میں شامل رہے اور یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں اسلام کا ڈنکا بجایا۔ اور ہر گھر میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔

جب مذکورہ بالا تینوں معززین صحابہ نے وفات پائی تو منافقین اور یہودیوں نے اس کی خوشی منائی اور حضور ﷺ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو یہ صدمات کیوں پہنچاتا؟ خدا کی شان کہ ٹھیک اسی زمانے میں کفار کے دو بہت ہی بڑے بڑے سردار بھی مر کر مردار ہو گئے۔ ایک "عاص بن وائل سہمی" جو حضرت عمرو بن العاص صحابی رضی اللہ عنہ فاتح مصر کا باپ تھا۔ دوسرا "ولید بن مغیرہ" جو حضرت خالد سیف اللہ صحابی رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔

روایت ہے کہ "ولید بن مغیرہ" جان کنی کے وقت بہت زیادہ بے چین ہو کر تڑپنے اور

بے قرار ہو کر رونے لگا اور فریاد کرنے لگا۔ تو ابوسفیان نے پوچھا کہ چچا جان! آخر آپ کی بے قراری اور اس گریہ وزاری کی کیا وجہ ہے؟ تو "ولید بن مغیرہ" بولا کہ میرے بھتیجے! میں اس لئے اتنی بے قراری سے رو رہا ہوں کہ مجھے اب یہ ڈر ہے کہ میرے بعد مکہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دین پھیل جائے گا! یہ سن کر ابوسفیان نے تسلی دی اور کہا کہ چچا! آپ ہرگز ہرگز اس کا غم نہ کریں میں ضامن ہوتا ہوں کہ میں دین اسلام کو مکہ میں نہیں پھیلنے دوں گا۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے اس عہد پر اس طرح قائم رہے کہ مکہ فتح ہونے تک وہ برابر اسلام کے خلاف جنگ کرتے رہے، مگر فتح مکہ کے دن ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور پھر ایسے صادق الاسلام بن گئے کہ اسلام کی نصرت، وحمایت کے لئے زندگی بھر جہاد کرتے رہے اور انہی جہادوں میں کفار کے تیروں سے ان کی آنکھیں زخمی ہو گئیں اور روشنی جاتی رہی یہی وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے سپوت بیٹے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۳ وغیرہ)

اسی سال سن ۱ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلا بچہ جو پیدا ہوا وہ یہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی والدہ حضرت بی بی اسماء جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈال دی اس طرح سب سے پہلی غذا جو ان کے شکم میں پہنچی وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعابِ دہن تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی اس لئے کہ مدینہ کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے مہاجرین پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۶۰ واکمال)

ساتواں باب

ہجرت کا دوسرا سال

(سن ۲ ہجری)

سن ۱ھ کی طرح ۲ھ میں بھی بہت سے اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے جن میں سے چند بڑے بڑے واقعات یہ ہیں۔

قبلہ کی تبدیلی

جب تک حضور ﷺ مکہ میں رہے۔ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خداوند تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی نمازوں میں ''بیت المقدس'' کو اپنا قبلہ بنائیں۔ چنانچہ آپ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر آپ کے دل کی تمنا یہی تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ اکثر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا اٹھا کر اس کے لئے وحیٔ الٰہی کا انتظار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی قلبی آرزو پوری فرمانے کے لئے قرآن کی یہ آیت نازل فرمادی کہ۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ آیت ۱۴۴)	ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ہم ضرور آپ کو پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں آپ کی خوشی ہے تو ابھی آپ پھیر دیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

چنانچہ حضور اقدس ﷺ قبیلہ بنی سلمہ کی مسجد میں نمازِ ظہر پڑھا رہے تھے۔ کہ حالت نماز ہی میں یہ وحی نازل ہوئی اور نماز ہی میں آپ نے بیت المقدس سے مڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کر لیا اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ اس مسجد کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ ''مسجد القبلتین'' کہتے ہیں اور آج بھی یہ تاریخی مسجد زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ جو شہر مدینہ

سے تقریباً دو کلومیٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے۔

اس قبلہ بدلنے کو "تحویل قبلہ" کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ سے یہودیوں کو بڑی سخت تکلیف پہنچی جب تک حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ تو یہودی بہت خوش تھے اور فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ بھی ہمارے ہی قبلہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ مگر جب قبلہ بدل گیا تو یہودی اس قدر برہم اور ناراض ہو گئے کہ وہ یہ طعنہ دینے لگے کہ محمد (ﷺ) چونکہ ہر بات میں ہم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے انہوں نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔ اسی طرح منافقین کا گروہ بھی طرح طرح کی نکتہ چینی اور قسم قسم کے اعتراضات کرنے لگا۔ تو ان دونوں گروہوں کی زبان بندی اور دہن دوزی کے لئے خداوند کریم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ

(البقرہ۱۴۳)

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے تم فرما دو کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے اور (اے محبوب) آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے؟ اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بلاشبہ یہ بڑی بھاری بات تھی مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی ہے۔ (ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں)

پہلی آیت میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ خدا کی عبادت میں قبلہ کی کوئی خاص جہت ضروری نہیں ہے۔ اس کی عبادت کے لئے پورب، پچھم، اتر، دکھن، سب جہتیں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس جہت کو چاہے اپنے بندوں کے لئے قبلہ مقرر فرما دے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ دوسری آیت میں منافقین کی زبان بندی کی گئی ہے جو تحویل قبلہ کے بعد ہر طرف یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے تھے کہ پیغمبر اسلام تو اپنے دین کے بارے میں خود ہی متردد ہیں۔ کبھی بیت المقدس کو قبلہ مانتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ کعبہ قبلہ ہے۔ آیت میں تحویل

قبلہ کی حکمت بتا دی گئی کہ منافقین جو محض نمائشی مسلمان بن کر نمازیں پڑھا کرتے تھے وہ قبلہ کے بدلتے ہی بدل گئے۔ اور اسلام سے منحرف ہو گئے اس طرح ظاہر ہو گیا کہ کون صادق الایمان ہے؟ اور کون منافق؟ اور کون رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والا ہے؟ اور کون دین سے پھر جانے والا؟ (عام کتب تفسیر و سیرت)

لڑائیوں کا سلسلہ

اب تک حضور ﷺ کو خدا کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ دلائل اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر کا حکم تھا۔ اسی لئے کافروں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ مگر مسلمانوں نے انتقام کے لئے کبھی ہتھیار نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب اور یہودی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور ان مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کا عزم کر لیا۔ تو خداوند قدوس نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتدا کریں ان سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔

چنانچہ ۱۲ صفر ۲ھ تاریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں خداوند کردگار نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۨ ○	جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ (مسلمان) مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

حضرت امام محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتری وہ یہ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (بقرہ)	خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں۔

کفار سے جہاد کی اِجازت

بہرحال ۲ھ میں مسلمانوں کو خداوند تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی مگر

ابتداء میں یہ اجازت مشروط تھی۔ یعنی صرف انہیں کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کو ابھی تک اس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں لیکن حق واضح ہو جانے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد۔ چونکہ تبلیغ حق اور احکام الٰہی کی نشرواشاعت حضور ﷺ پر فرض تھی اس لئے تمام اُن کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے جہاد کا حکم نازل ہو گیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں۔ کیونکہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کو قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا یہ عین حکمت اور بنی نوع انسان کی صلاح وفلاح کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے بعد جتنی لڑائیاں بھی ہوئیں اگر پورے ماحول کو گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے سر پر مسلط کی گئیں۔ اور غریب مسلمان بدرجہ مجبوری تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے مثلاً مندرجہ ذیل چند واقعات پر ذرا تنقیدی نگاہ سے نظر ڈالئے۔

کفار سے جنگ وجدل کی وجوہات؟

۱- حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بیکسی کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے چاہیے۔ تو یہ تھا کہ کفار مکہ اب اطمینان سے بیٹھ رہتے کہ ان کے دشمن یعنی رحمت عالم ﷺ اور مسلمان ان کے شہر سے نکل گئے۔ مگر ہوا یہ کہ ان کافروں کے غیظ وغضب کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اب یہ لوگ اہل مدینہ کے بھی دشمن جان بن گئے۔ چنانچہ ہجرت کے چند روز بعد کفار مکہ نے رئیس انصار ''عبداللہ بن ابی'' کے پاس دھمکیوں سے بھرا ہوا ایک خط بھیجا ''عبداللہ بن ابی'' وہ شخص ہے کہ واقعہ ہجرت سے پہلے تمام مدینہ والوں نے اس کو اپنا بادشاہ مان کر اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی تھی۔ مگر حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہو گئی۔ چنانچہ اسی غم وغصہ میں عبداللہ بن اُبی عمر بھر منافقوں کا سردار بن کر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔ (بخاری باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط ج ۲ ص ۹۲۴)

بہر کیف کفار مکہ نے اس دشمن اسلام کے نام جو خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے کہ۔

تم نے ہمارے آدمی (محمد ﷺ) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھا

کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۶۷ باب فی خبر النضیر)

جب حضور ﷺ کو کفار مکہ کے اس تہدید آمیز اور خوفناک خط کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن اُبی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے۔'' چونکہ اکثر انصار دامنِ اسلام میں آ چکے تھے اس لئے عبداللہ بن اُبی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور کفار مکہ کے حکم پر عمل نہیں کر سکا۔

۲- ٹھیک اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ گئے اور پرانے تعلقات کی بناء پر ''اُمیہ بن خلف'' کے مکان پر قیام کیا جب اُمیہ ٹھیک دوپہر کے وقت ان کو ساتھ لے کر طوافِ کعبہ کے لئے گیا۔ تو اتفاق سے ابوجہل سامنے آ گیا اور ڈانٹ کر کہا کہ اے اُمیہ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے ''سعد بن معاذ'' ہیں یہ سن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں (محمد ﷺ اور صحابہ) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم اُمیہ کے ساتھ میں نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی جرات اور دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔'' (بخاری کتاب المغازی ج۲ ص۵۶۳)

۳- کفارِ مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا۔ بلکہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور ﷺ اور مسلمانوں کے قتلِ عام کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ حضور ﷺ راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابۂ کرام آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے سارے عرب پر اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے تمام قبائل میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہات کی موجودگی میں ہر عاقل کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ ان حالات میں حضور ﷺ کو حفاظت خود اختیاری کے لئے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری ہی تھی۔ تاکہ انصار و مہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقاء اور سلامتی کا سامان ہو جائے۔

چنانچہ کفارِ مکہ کے خطرناک ارادوں کا علم ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے اپنی اور صحابہ کی حفاظتِ خود اختیاری کے لئے دو تدبیروں پر عمل درآمد کا فیصلہ فرمایا۔

اوّل: یہ کہ کفارِ مکہ کی شامی تجارت جس پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے اس میں رکاوٹ ڈال دی جائے۔ تاکہ وہ مدینہ پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں اور صلح پر مجبور ہو جائیں۔

دوم: یہ کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے۔ تاکہ کفارِ مکہ مدینہ پر حملہ کی نیت نہ کر سکیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہی دو تدبیروں کے پیش نظر صحابۂ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا۔ اور بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی تشریف لے گئے۔ صحابۂ کرام کے یہ چھوٹے چھوٹے لشکر کبھی کفارِ مکہ کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے کے لئے جاتے تھے اور کبھی بعض قبائل سے معاہدہ امن وامان کرنے کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ کبھی اس مقصد سے بھی جاتے تھے کہ کفارِ مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں کفارِ مکہ اور ان کے حلیفوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوا اور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا انہی لڑائیوں کو تاریخ اسلام میں ''غزوات وسرایا'' کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

غزوہ وسریہ کا فرق

یہاں مصنفین سیرت کی یہ اصطلاح یاد رکھنی ضروری ہے کہ وہ جنگی لشکر جس کے ساتھ حضور ﷺ بھی تشریف لے گئے۔ اس کو ''غزوہ'' کہتے ہیں۔ اور وہ لشکروں کی ٹولیاں جن میں حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام شامل نہیں ہوئے ان کو ''سریہ'' کہتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۶ وغیرہ)

''غزوات'' یعنی جن جن لشکروں میں حضور ﷺ شریک ہوئے ان کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ''مواہب لدنیہ'' میں ہے کہ ''غزوات'' کی تعداد ایک قول کی بنا پر ''اکیس'' اور بعض کے نزدیک ''چوبیس'' ہے اور بعض نے کہا کہ ''پچیس'' اور بعض نے لکھا ''چھبیس'' ہے۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۸۸)

مگر حضرت امام بخاری نے حضرت زید بن ارقم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت تحریر کی ہے۔ اس میں غزوات کی کل تعداد ''انیس'' بتائی گئی ہے اور ان میں سے جن نو غزوات کی کل

تعداد ‘‘انیس’’ بتائی گئی ہے اور ان میں سے جن نو غزوات میں جنگ بھی ہوئی وہ یہ ہیں۔

۱- جنگِ بدر۔ ۲- جنگِ اُحد۔ ۳- جنگِ احزاب۔ ۴- جنگِ بنو قریظہ۔
۵- جنگِ بنو المصطلق۔ ۶- جنگِ خیبر۔ ۷- فتح مکہ۔ ۸- جنگِ حنین۔
۹- جنگِ طائف۔

‘‘سرایا’’ یعنی جن لشکروں کیساتھ حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے ان کی تعداد بعض مورخین کے نزدیک ‘‘سینتالیس’’ اور بعض کے نزدیک ‘‘چھپن’’ ہے۔

امام بخاری نے محمد بن اسحٰق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ‘‘ابواء’’ اور سب سے آخری غزوہ ‘‘تبوک’’ ہے اور سب سے پہلا ‘‘سریہ’’ جو مدینہ سے جنگ کے لیے روانہ ہوا وہ ‘‘سریہ حمزہ’’ ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

غزوات وسرایا

ہجرت کے بعد تقریباً کل زمانہ ‘‘غزوات وسرایا’’ کے اہتمام وانتظام میں گزرا۔ اس لیے کہ اگر ‘‘غزوات’’ کی کم سے کم تعداد جو روایت میں آئی ہے یعنی ‘‘انیس’’ اور ‘‘سرایا’’ کی کم سے کم تعداد جو روایتوں میں ہے یعنی ‘‘سینتالیس’’ شمار کر لی جائے تو نو سال میں حضور ﷺ کو چھوٹی بڑی ‘‘چھیاسٹھ’’ لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا ‘‘غزوات وسرایا’’ کا عنوان حضور ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہے اور بحمدہ تعالیٰ ان تمام غزوات وسرایا اور ان کے وجوہ واسباب کا پورا پورا حال اسلامی تاریخوں میں مذکور ومحفوظ ہے۔ مگر یہ اتنا لمبا چوڑا مضمون ہے کہ ہماری اس کتاب کا تنگ دامن ان تمام مضامین کو سمیٹنے سے بالکل ہی قاصر ہے۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم بالکل ہی ان مضامین کو چھوڑ دیں تو یقیناً ‘‘سیرتِ رسول’’ کا مضمون بالکل ہی ناقص اور نامکمل رہ جائے گا۔ اس لیے مختصر طور پر چند مشہور غزوات وسرایا کا یہاں ذکر کر دینا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ سیرتِ مقدسہ کا یہ اہم باب بھی ناظرین کے لیے نظر افروز ہو جائے۔

سریۂ حمزہ

حضورِ اقدس ﷺ نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہوگئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا۔ اس کا نام ‘‘سریہ حمزہ’’ ہے۔ حضور ﷺ

نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا۔ اور اس جھنڈے کے نیچے صرف ۳۰ مہاجرین کو ایک لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابوجہل ان کا سپہ سالار تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ''سیف البحر'' تک پہنچے اور دونوں طرف سے جنگ کے لیے صف بندی بھی ہو گئی۔ لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا۔ بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرا دی۔ (مدارج جلد۲ ص ۸۷ و زُرقانی ج ۱ ص ۳۹۰)

سریہ عبیدہ بن الحارث

اُسی سال ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت عبیدہ بن الحارث کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر ''رابغ'' کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے۔ جب یہ لشکر ''ثنیہ مرہ'' کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان اور ابوجہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دو سو کفار قریش جمع تھے۔ دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے او ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا۔ کفاران تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے۔ اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(مدارج جلد۲ ص ۸۷ و زرقانی ج ۱ ص ۳۹۲)

سریہ سعد بن ابی وقاص

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور ﷺ نے اس مقصد سے بھیجا تاکہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں۔ اس سریہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالٰی عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔ یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام ''خرار'' پر پہنچا تو پتہ چلا کہ مکہ کے کفار ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں۔ اسی لیے کسی تصادم کی نوبت نہیں آئی۔

(زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۲)

غزوۂ ابواء

اس غزوہ کو ''غزوہ ودان'' بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے پہلا غزوہ ہے یعنی پہلی مرتبہ حضور ﷺ جہاد کے ارادہ سے ماہ صفر سن ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر

نکلے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا۔ اور مقام ''ابواء'' تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے۔ مگر کفار مکہ فرار ہو چکے تھے۔ اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ ''ابواء'' مدینہ سے اسی میل دور ایک گاؤں ہے۔ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلہ بنو ضمرہ کے سردار ''مخشی بن عمرو ضمری'' سے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا۔ اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ میں پندرہ دن آپ مدینہ سے باہر رہے۔ (زرقانی علی المواہب ج۱ ص۳۹۲)

غزوۂ بواط

ہجرت کے تیرھویں مہینے سن ۲ ھ میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم بنا کر دو سو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس غزوہ کا مقصد کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا۔ اس قافلہ کا سالار ''امیہ بن خلف جمحی'' تھا۔ اور اس کا قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قافلہ کی تلاش میں مقام ''بواط'' تک تشریف لے گئے۔ مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا۔ اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ (زرقانی علی المواہب ج۱ ص۳۹۲)

غزوۂ سفوان

اسی سال ''کرز بن جابر فہری'' نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا کچھ اور اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضر زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا۔ مگر وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے۔ وادی سفوان ''بدر'' کے قریب ہے۔ اسی لیے بعض مورخین نے اس غزوہ کا نام غزوہ ''بدر اولیٰ'' رکھا ہے۔ اس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ غزوہ سفوان اور غزوہ بدر اولیٰ ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔ (مدارج جلد۲ ص۷۹)

غزوہ ذی العشیرہ

اسی سن ۲ ھ میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جا رہا تھا۔ حضور

ﷺ ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے مقام ''ذی العشیرہ'' تک تشریف لے گئے۔ جو ینبوع کی بندرگاہ کے قریب ہے۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس لیے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ مگر یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا اور حضور ﷺ اس مزاحمت کے لیے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔ (زُرقانی ج۱ ص۳۹۵)

سریۂ عبداللہ بن جحش

اسی سال ماہ رجب سن ۲ھ میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ کو امیر لشکر بنا ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک جتھ روانہ فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لفافہ میں ایک مہر بند خط دیا۔ اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لفافہ کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایات لکھی ہوئی ہیں۔ ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان مقام ''نخلہ'' میں ٹھہرا کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا۔ کیونکہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا۔ مگر یہ سب جاں نثار بے دھڑک مقام ''نخلہ'' پہنچ گئے۔ عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اور اس دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان و نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے۔ اونٹوں پر کھجور اور دوسرا مالِ تجارت لدا ہوا تھا۔ امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کرا دیں گے۔ اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر لازم ہوگا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ اسی تیر سے قتل ہو گیا۔ عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال و اسباب کو مال

غنیمت بنا کر مدینہ لوٹ آئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔ (زُرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۸)

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا۔ عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان اور حکم ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا۔ جو قریش کا ایک بہت بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا۔ اور حکم بن کیسان عمرو مخزومی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام کفارِ قریش کو غیظ و غضب میں آگ بگولہ بنا دیا اور ''خون کا بدلہ خون'' لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا ردِعمل ہے۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفار قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمر بن الحضرمی کا قتل ہے۔ جس کو حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری ص ۱۲۸۴)

جنگِ بدر

''بدر'' مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ جہاں زمانہ جاہلیت میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ یہاں ایک کنواں بھی تھا۔ جس کے مالک کا نام ''بدر'' تھا۔ اسی کے نام پر اس جگہ کا نام ''بدر'' رکھ دیا گیا۔ اسی مقام پر جنگِ بدر کا عظیم معرکہ ہوا جس میں کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی۔ مسلمانوں کو وہ عظیم الشان فتح مبین نصیب ہوئی جس کے بعد اسلام کی عزت و اقبال کا پرچم اتنا سر بلند ہو گیا کہ کفار قریش کی عظمت و شوکت بالکل ہی خاک میں مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن کا نام ''یوم الفرقان'' رکھا۔ قرآن کی سورہ انفال میں تفصیل کے ساتھ اور دوسری سورتوں میں اجمالاً بار بار اس معرکہ کا ذکر فرمایا اور اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح مبین کے بارے میں احسان جتاتے ہوئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

اور یقیناً خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کی مدد فرمائی بدر میں جبکہ تم لوگ کمزور اور بے سرو سامان تھے۔ تو تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم لوگ شکر گزار ہو جاؤ

جنگ بدر کا سبب

جنگِ بدر کا اصلی سبب تو جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں۔ "عمرو بن الحضرمی" کے قتل سے کفار قریش میں پھیلا ہوا زبردست اشتعال تھا۔ جس سے ہر کافر کی زبان پر یہی نعرہ تھا کہ "خون کا بدلہ خون لے کر رہیں گے۔"

مگر بالکل ناگہاں یہ صورت پیش آ گئی کہ قریش کا وہ قافلہ جس کی تلاش میں حضور ﷺ مقام "ذی العشیرہ" تک تشریف لے گئے تھے۔ مگر وہ قافلہ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ بالکل اچانک مدینہ میں خبر ملی کہ اب وہی قافلہ ملک شام سے لوٹ کر مکہ جانے والا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب و مخرمہ بن نوفل و عمرو بن العاص وغیرہ کل تیس یا چالیس آدمی ہیں۔ کفار قریش کا مال تجارت جو اس قافلہ میں ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کفار قریش کی ٹولیاں لوٹ مار کی نیت سے مدینہ کے اطراف میں برابر گشت لگاتی رہتی ہیں۔ اور "کرز بن جابر فہری" مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری اور ڈاکہ زنی کر گیا ہے۔ لہٰذا کیوں نہ ہم بھی کفار قریش کے اس قافلہ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیں۔ تاکہ کفار قریش کی شامی تجارت بند ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر ہم سے صلح کر لیں۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سن کر انصار و مہاجرین اس کے لیے تیار ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی

چنانچہ ۱۲ رمضان سن ۲ھ کو بڑی عجلت کے ساتھ لوگ چل پڑے جو جس حال میں تھا اسی حال میں روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں حضور ﷺ کے ساتھ نہ زیادہ ہتھیار تھے نہ فوجی راشن کی کوئی بڑی مقدار تھی۔ کیونکہ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اس سفر میں کوئی جنگ ہو گی۔

مگر جب مکہ میں خبر پھیلی کہ مسلمان مسلح ہو کر قریش کا قافلہ لوٹنے کے لئے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو مکہ میں ایک جوش پھیل گیا۔ اور ایک دم کفار قریش کی فوج کا دل بادل مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر صورتِ حال سے آگاہ کیا اور صاف صاف فرما دیا کہ ممکن ہے کہ اس سفر میں کفار قریش کے قافلہ سے ملاقات ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کے لشکر سے جنگ کی نوبت آ جائے۔ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اور دوسرے مہاجرین نے

بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ مگر حضور ﷺ انصار کا منہ دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ انصار نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب کفار مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور یہاں مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا معاملہ تھا۔

انصار میں سے قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھ کر بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! ہم وہ جان نثار ہیں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں اسی طرح انصار کے ایک اور معزز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں سے بائیں، آگے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ انصار کے ان دونوں سرداروں کی تقریر سن کر حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ (بخاری غزوہ بدر ج ۲ ص ۵۶۴)

مدینہ سے ایک میل چل کر حضور ﷺ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ جنگ کے پر خطر موقع پر بھلا بچوں کا کیا کام؟

ننھا سپاہی

مگر انہی بچوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب ان سے واپس ہونے کو کہا گیا تو وہ مچل گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کسی طرح واپس ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر رحمت عالم ﷺ کا قلب نازک متاثر ہو گیا اور آپ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ننھے سپاہی کے گلے میں بھی ایک تلوار حمائل کر دی

مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت نمازوں کے لئے حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے مسجد نبوی کا امام مقرر فرما دیا تھا۔ لیکن جب آپ مقام "روحا" میں پہنچے تو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے کچھ خطرہ محسوس فرمایا۔ اس لئے آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر ان کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کے چڑھائی والے گاؤں پر نگرانی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

ان انتظامات کے بعد حضورِ اکرم ﷺ "بدر" کی جانب چل پڑے جدھر سے کفار مکہ

کے آنے کی خبر تھی۔ اب کل فوج کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے جب آپ مقام ''صفرا'' میں پہنچے تو دو آدمیوں کو جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ قافلہ کا پتہ چلائیں کہ وہ کدھر ہے؟ اور کہاں تک پہنچا ہے؟

(زُرقانی ج۱ ص۴۱۱)

ابوسفیان کی چالاکی

ادھر کفار قریش کے جاسوس بھی اپنا کام بہت مستعدی سے کر رہے تھے۔ جب حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی۔ اس نے فوراً ہی ''ضمضم بن عمرو غفاری'' کو مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو اس کی خبر کر دے تاکہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کا انتظام کریں۔ اور خود راستہ بدل کر قافلہ کو سمندر کی جانب لے کر روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو غفاری جب مکہ پہنچا۔ تو اس وقت کے دستور کے مطابق کہ جب کوئی خوفناک خبر سنانی ہوتی تو خبر سنانے والا اپنے کپڑے پھاڑ کر' اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر چلا چلا کر خبر سنایا کرتا تھا۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے اپنا کرتہ پھاڑ ڈالا اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر زور زور سے چلانے لگا کہ اے اہل مکہ! تمہارا سارا مال تجارت ابوسفیان کے قافلہ میں ہے اور مسلمانوں نے اس قافلہ کا راستہ روک کر قافلہ کو لوٹ لینے کا عزم کر لیا ہے۔ لہٰذا جلدی کرو اور بہت جلد اپنے اس قافلہ کو بچانے کے لئے ہتھیار لے کر دوڑ پڑو۔ (زُرقانی ج۱ ص۴۱۱)

کفار قریش کا جوش

جب مکہ میں یہ خوفناک خبر پہنچی تو اس قدر ہل چل مچ گئی کہ مکہ کا سارا امن و سکون غارت ہو گیا تمام قبائل قریش اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ سرداران مکہ میں سے صرف ابولہب اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں نکلا۔ اس کے سوا تمام روساء قریش پوری طرح مسلح ہو کر نکل پڑے۔ اور چونکہ مقام نخلہ کا واقعہ بالکل ہی تازہ تھا جس میں عمرو بن الحضرمی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس کے قافلہ کو مسلمانوں نے لوٹ لیا تھا اس لئے کفار قریش جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ایک ہزار کا لشکر جرار جس کا ہر سپاہی پوری طرح مسلح' دوہرے ہتھیار' فوج کی خوراک کا یہ انتظام تھا کہ قریش کے مالدار لوگ یعنی عباس بن عبدالمطلب' عتبہ بن ربیعہ' حارث بن عامر' نضر بن الحارث' ابوجہل' اُمیہ وغیرہ باری باری سے روزانہ دس دس اونٹ

ذبح کرتے تھے اور پورے لشکر کو کھلاتے تھے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے بڑا رئیس اعظم تھا اس پورے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

ابوسفیان بچ کر نکل گیا

ابوسفیان جب عام راستہ سے مڑ کر ساحل سمندر کے راستہ پر چل پڑا اور خطرہ کے مقامات سے بہت دور پہنچ گیا اور اس کو اپنی حفاظت کا پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے قریش کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ خط بھیج دیا کہ تم لوگ اپنے مال اور آدمیوں کو بچانے کے لئے اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے تھے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ کیونکہ ہم لوگ مسلمانوں کی یلغار اور لوٹ مار سے بچ گئے ہیں اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہم مکہ پہنچ رہے ہیں۔

کفار میں اختلاف

ابوسفیان کا یہ خط کفار مکہ کو اس وقت ملا جب وہ مقام ''جحفہ'' میں تھے خط پڑھ کر قبیلہ بنو زہرہ اور قبیلہ بنو عدی کے سرداروں نے کہا کہ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ یہ سن کر ابوجہل بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ہم خدا کی قسم اسی شان کے ساتھ بدر تک جائیں گے۔ وہاں اونٹ ذبح کریں گے اور خوب کھائیں گے۔ کھلائیں گے، شراب پئیں گے، ناچ رنگ کی محفلیں جمائیں گے تا کہ تمام قبائل عرب پر ہماری عظمت اور شوکت کا سکہ بیٹھ جائے اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں۔ کفار قریش نے ابوجہل کی رائے پر عمل کیا۔ لیکن بنو زہرہ اور بنو عدی کے دونوں قبائل واپس لوٹ گئے ان دونوں قبیلوں کے سوا باقی کفار قریش کے تمام قبائل جنگ بدر میں شامل ہوئے۔

(سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۱۸ تا ۶۱۹)

کفار قریش بدر میں

کفار قریش چونکہ مسلمانوں سے پہلے بدر میں پہنچ گئے تھے اس لئے مناسب جگہوں پر ان لوگوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ حضور ﷺ جب بدر کے قریب پہنچے تو شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے بارے میں خبر لائیں۔ ان حضرات نے قریش کے دو غلاموں کو پکڑ لیا جو لشکر کفار کے

لئے پانی بھرنے پر مقرر تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں غلاموں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس قریشی فوج میں قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہے؟ تو دونوں غلاموں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالبختری' حکیم بن حزام' نوفل بن خویلد' حارث بن عامر' نضر بن الحارث' زمعہ بن الاسود' ابوجہل بن ہشام' امیہ بن خلف' سہیل بن عمرو' عمرو بن عبدود' عباس بن عبدالمطلب وغیرہ سب اس لشکر میں موجود ہیں۔ یہ فہرست سن کر حضور ﷺ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانو! سن لو۔ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ غزوہ بدر و زرقانی وغیرہ)

تاجدار دو عالم بدر کے میدان میں

حضور ﷺ نے جب بدر میں نزول فرمایا تو ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا کہ جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ کوئی چشمہ اور وہاں کی زمین اتنی ریتلی تھی کہ گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنستے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے پڑاؤ کے لئے جس جگہ کو منتخب فرمایا ہے یہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری ہے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میری رائے میں جنگی تدابیر کی رو سے بہتر یہ ہے کہ ہم کچھ آگے بڑھ کر پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیں۔ تاکہ کفار جن کنوؤں پر قابض ہیں وہ بیکار ہو جائیں کیونکہ انہی چشموں سے ان کے کنوؤں میں پانی جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خدا کی شان کہ بارش بھی ہوگئی جس سے میدان کی گرد اور ریت جم گئی جس پر مسلمانوں کے لئے چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور کفار کی زمین پر کیچڑ ہو گئی جس سے ان کو چلنے پھرنے میں دشواری ہو گئی اور مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جا بجا حوض بنا لئے تاکہ یہ پانی غسل اور وضو کے کام آئے اسی احسان کو خداوند عالم نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (سورۃ الانفال)

اور خدا نے آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ وہ تم لوگوں کو پاک کرے۔

سرور کائنات کی شب بیداری

۱۷ رمضان سن ۲ ھ جمعہ کی رات تھی تمام فوج تو آرام و چین کی نیند سو رہی تھی۔ مگر ایک

سرور کائنات کی ذات تھی جو ساری رات خداوند عالم سے لو لگائے دعا میں مصروف تھی۔ صبح نمودار ہوئی تو آپ نے لوگوں کو نماز کے لئے بیدار فرمایا پھر نماز کے بعد قرآن کی آیات جہاد سنا کر ایسا لرزہ خیز اور ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدین اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور لوگ میدان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔

کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟

رات ہی میں چند جانثاروں کے ساتھ آپ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی آپ اُسی چھڑی سے زمین پر لکیر بناتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ اور کل یہاں فلاں کافر کی لاش پڑی ہوئی ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے جس جگہ جس کافر کی قتل گاہ بتائی تھی اس کافر کی لاش ٹھیک اسی جگہ پائی گئی ان میں سے کسی ایک نے لکیر سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کیا۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۴ مطبع نامی و مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ غزوۂ بدر)

اس حدیث سے صاف اور صریح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟ ان دونوں غیب کی باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔

لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی

کفار قریش لڑنے کے لئے بے تاب تھے مگر ان لوگوں میں کچھ سلجھے دل و دماغ کے لوگ بھی تھے جو خون ریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم بن حزام جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ بہت ہی سنجیدہ اور نرم خو تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ آخر اس خون ریزی سے کیا فائدہ؟ میں آپ کو ایک نہایت ہی مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ عمرو بن الحضرمی کا خون ہے اور وہ آپ کا حلیف ہے۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے اس طرح یہ لڑائی ٹل جائے گی اور آج کا دن آپ کی تاریخ زندگی میں آپ کی نیک نامی کی یادگار بن جائے گا کہ آپ کے تدبر سے ایک بہت ہی خوفناک اور خون ریز لڑائی ٹل گئی۔ عتبہ بذات خود بہت ہی مدبر اور نیک نفس آدمی تھا اس نے بخوشی اس مخلصانہ مشورہ کو قبول کر لیا مگر اس معاملہ میں ابوجہل کی منظوری بھی ضروری تھی۔ چنانچہ حکیم بن حزام جب عتبہ بن ربیعہ کا یہ پیغام لے کر ابوجہل کے پاس گئے تو ابوجہل کی رگِ جہالت بھڑک اٹھی

اور اُس نے ایک خون کھولا دینے والا طعنہ مارا اور کہا کہ ہاں۔ ہاں! میں خوب سمجھتا ہوں کہ عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا ہے۔ چونکہ اس کا بیٹا حذیفہ مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ اس لئے وہ جنگ سے جی چراتا ہے تا کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

پھر ابو جہل نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عمرو بن الحضرمی مقتول کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر کہا کہ دیکھو تمہارے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کی ساری اسکیم تہس نہس ہوئی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بزدلی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی عامر بن الحضرمی نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر دھول ڈالتے ہوئے ''واعمراہ۔ واعمراہ'' کا نعرہ مارنا شروع کر دیا اس کارروائی نے کفار قریش کی تمام فوج میں آگ لگا دی اور سارا لشکر خون کا بدلہ خون'' کے نعروں سے گونجنے لگا اور ہر سپاہی جوش میں آپے سے باہر ہو کر جنگ کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گیا۔ عتبہ نے جب ابو جہل کا طعنہ سنا تو وہ بھی غصہ میں بھر گیا اور کہا کہ ابو جہل سے کہہ دو کہ میدان جنگ بتائے گا کہ بزدل کون ہے؟ یہ کہہ کر لوہے کی ٹوپی طلب کی مگر اس کا سر اتنا بڑا تھا کہ کوئی ٹوپی اس کے سر پر ٹھیک نہیں بیٹھی تو مجبوراً اس نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹا اور ہتھیار پہن کر جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

مجاہدین کی صف آرائی

۱۷ رمضان سن ۲ ہجری جمعہ کے دن حضور ﷺ نے مجاہدین اسلام کو صف بندی کا حکم دیا۔ دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اس کے اشارہ سے آپ صفیں درست فرما رہے تھے کہ کوئی شخص آگے پیچھے نہ رہنے پائے۔ اور یہ بھی حکم فرما دیا کہ بجز ذکر الٰہی کے کوئی شخص کسی قسم کا کوئی شور و غل نہ مچائے۔ عین ایسے وقت میں کہ جنگ کا نقارہ بجنے والا ہی ہے۔ دو ایسے واقعات درپیش ہو گئے جو نہایت ہی عبرت خیز اور بہت زیادہ نصیحت آموز ہیں۔

شکم مبارک کا بوسہ

حضور ﷺ اپنی چھڑی کے اشارہ سے صفیں سیدھی فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت سواد انصاری رضی اللہ عنہ کا پیٹ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اپنی چھڑی سے ان کے پیٹ پر ایک کونچا دے کر فرمایا کہ ''اِسْتَوِ یَا سَوَاد'' (اے سواد سیدھے کھڑے ہو جاؤ) حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے میرے شکم پر چھڑی ماری ہے مجھے آپ

سے اس کا قصاص (بدلہ) لینا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنا پیراہن شریف اٹھا کر فرمایا کہ اے سواد! لو میرا شکم حاضر ہے تم اس پر چھڑی مار کر مجھ سے اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر آپ کے شکم مبارک کو چوم لیا۔ اور پھر نہایت ہی والہانہ انداز میں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے سواد تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس وقت جنگ کی صف میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر کھڑا ہوں شاید موت کا وقت آ گیا ہو اس وقت میرے دل میں اس تمنا نے جوش مارا کہ کاش مرتے وقت میرا بدن آپ کے جسم اطہر سے چھو جائے یہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے اس جذبہ محبت کی قدر فرماتے ہوئے ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں معذرت کرتے ہوئے اپنا قصاص معاف کر دیا اور تمام صحابہ کرام حضرت سواد رضی اللہ عنہ کی اس عاشقانہ ادا کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ان کا منہ تکتے رہ گئے۔

(سیرت ابن ہشام غزوہ بدر ج۲ ص۶۲۶)

عہد کی پابندی

اتفاق سے حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت ابو حسیل رضی اللہ عنہما یہ دونوں صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔ راستہ میں کفار نے ان دونوں کو روکا کہ تم دونوں بدر کے میدان میں محمد (ﷺ) کی مدد کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ ان دونوں نے انکار کیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا عہد کیا۔ چنانچہ کفار نے ان دونوں کو چھوڑ دیا جب یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے ان دونوں کو لڑائی کی صفوں سے الگ کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم ہر حال میں عہد کی پابندی کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

(مسلم باب الوفا بالعہد ج۲ ص۱۰۶)

ناظرین کرام! غور کیجئے دنیا جانتی ہے کہ جنگ کے موقع پر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دشمنوں کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ہو۔ ایک ایک سپاہی کتنا قیمتی ہوتا ہے؟ مگر تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنی کمزور فوج کو دو بہادر اور جانباز مجاہدوں سے محروم رکھنا پسند فرمایا مگر کوئی مسلمان کسی کافر سے بھی بدعہدی اور وعدہ خلافی کرے اس کو گوارا نہیں فرمایا۔

اللہ اکبر! اے اقوامِ عالم کے بادشاہو! اللہ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری تاریخ زندگی کے بڑے

بڑے دفتروں میں کوئی ایسا چمکتا ہوا ورق بھی ہے؟ اے چاند و سورج کی دوربین نگاہو! تم خدا کے لئے بتاؤ؟ کیا تمہاری آنکھوں نے بھی صفحۂ ہستی پر پابندی عہد کی کوئی ایسی مثال دیکھی ہے؟ خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم اس کے جواب میں ''نہیں'' کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے

اب وہ وقت ہے کہ میدان بدر میں حق و باطل کی دونوں صفیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ	جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے
فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى	عبرت کا نشان ہے ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا
كَافِرَةٌ (آل عمران آیت نمبر ۱۳)	اور دوسرا منکر خدا تھا۔

حضور ﷺ مجاہدین اسلام کی صف بندی سے فارغ ہو کر مجاہدین کی قرارداد کے مطابق اپنے اس چھپر میں تشریف لے گئے جس کو صحابہ کرام نے آپ کی نشست کے لئے بنا رکھا تھا۔ اب اس چھپر کی حفاظت کا سوال بے حد اہم تھا۔ کیونکہ کفار قریش کے حملوں کا اصل نشانہ حضور تاجدار دو عالم ﷺ ہی کی ذات تھی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس چھپر کا پہرہ دے۔ لیکن اس موقع پر بھی آپ کے یار غار حضرت صدیق باوقار ہی کی قسمت میں یہ سعادت لکھی تھی کہ وہ ننگی تلوار لے کر اس جھونپڑی کے پاس ڈٹے رہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی چند انصاریوں کے ساتھ اس چھپر کے گرد پہرہ دیتے رہے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۱۸)

دعاء نبوی

حضور سرورِ عالم ﷺ اس نازک گھڑی میں جناب باری سے لو لگائے گریہ وزاری کے ساتھ کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ۔

''خداوندا! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے آج اسے پورا فرما دے''

آپ پر اس قدر رقت اور محویت طاری تھی کہ جوش و گریہ میں چادر مبارک دوش انور سے گر گر پڑتی تھی مگر آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی کبھی آپ سجدہ میں سر رکھ کر اس طرح دعا مانگتے کہ۔

''الٰہی! اگر یہ چند نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے یارِ غار تھے۔ آپ کو اس طرح بے قرار دیکھ کر ان کے دل کا سکون و قرار جاتا رہا اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آپ کے مقدس کندھے پر ڈال دی اور آپ کا دست مبارک تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور! اب بس کیجئے خدا ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

اپنے یارِ غار صدیق جانثار کی بات مان کر آپ نے دعا ختم کر دی اور آپ کی زبان مبارک پر اس آیت کا ورد جاری ہو گیا کہ۔

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○
(سورۃ القمر آیت ۴۵)

عنقریب (کفار کی) فوج کو شکست دے دی جائیگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔ جس میں فتح مبین کی بشارت کی طرف اشارہ تھا۔

لڑائی کس طرح شروع ہوئی

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے عامر بن الحضرمی جو اپنے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بے قرار تھا۔ جنگ کے لئے آگے بڑھا اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں نکلے اور لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ ناگہاں ان کو کفار کا ایک تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۷)

حضرت عمیر کا شوقِ شہادت

حضور اقدس ﷺ نے جب جوش جہاد کا وعظ فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! اس جنت کی طرف بڑھے چلو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! کیا جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ سن کر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا واہ۔ وا'' آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں اے عمیر! تم نے ''واہ وا'' کس لئے کہا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فقط اس امید پر کہ میں بھی جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عمیر! تو بے شک جنتی ہے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے یہ بشارت سنی تو مارے خوشی کے کھجوریں پھینک کر کھڑے ہو گئے اور ایک دم کفار کے لشکر پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور

جانبازی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(مسلم کتاب الجہاد باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین ج ۲ ص ۱۳۹)

کفار کا سپہ سالار مارا گیا

کفار کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ اپنے سینہ پر شتر مرغ کا پر لگائے ہوئے اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر غصہ میں بھرا ہوا اپنی صف سے نکل کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا اسلامی صفوں میں سے حضرت عوف و حضرت معاذ و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم مقابلہ کو نکلے عتبہ نے ان لوگوں کا نام و نسب پوچھا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ انصاری ہیں تو عتبہ نے کہا کہ ہم کو تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں پھر عتبہ نے چلا کر کہا اے محمد (ﷺ) یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں۔ اشراف قریش کو ہم سے لڑنے کے لئے میدان میں بھیجئے۔ حضور ﷺ نے حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آپ لوگ ان تینوں کے مقابلہ کے لئے نکلیں۔ چنانچہ یہ تینوں بہادران اسلام میدان میں نکلے چونکہ یہ تینوں حضرات سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ جس سے ان کے چہرے چھپ گئے تھے اس لئے عتبہ نے ان حضرات کو نہیں پہچانا' اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جب ان تینوں نے اپنے اپنے نام و نسب بتائے تو عتبہ نے کہا کہ ''ہاں اب ہمارا جوڑ ہے'' جب ان لوگوں میں جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ایمانی شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بدر کی زمین دہل گئی اور کفار کے دل تھرا گئے اور ان کی جنگ کا انجام یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا۔ دونوں انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے مگر آخر کار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے وار سے مار مار کر عتبہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر قاتلانہ حملہ کیا اور خوب لڑے لیکن اسد اللہ الغالب کی ذوالفقار نے ولید کو مار گرایا اور وہ ذلت کے ساتھ قتل ہو گیا۔ مگر عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح زخمی کر دیا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر بیٹھ گئے یہ منظر دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ جھپٹے اور آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے۔ ان کی پنڈلی ٹوٹ کر چور چور ہو گئی تھی اور نلی کا گودا بہہ رہا تھا اس حالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا میں شہادت سے محروم رہا۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں ہرگز

نہیں بلکہ تم شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! آگر آج میرے اور آپ کے چچا ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ مان لیتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہوں کہ

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ
وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

یعنی ہم محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ہم ان کے گرد لڑ لڑ کر پچھاڑ دیئے جائیں گے۔ اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۱ مطبع نامی و زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۴۱۸)

حضرت زبیر کی تاریخی برچھی

اس کے بعد سعید بن العاص کا بیٹا ''عبیدہ'' سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس اور ہتھیاروں سے چھپا ہوا صف سے باہر نکلا اور یہ کہہ کر اسلامی لشکر کو للکارنے لگا کر میں ''ابو کرش ہوں'' اس کی یہ مغرورانہ للکار سن کر حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اپنی برچھی لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ اس کی دونوں آنکھوں کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے جو لوہے سے چھپا ہوا نہ ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس کی آنکھ میں اس زور سے برچھی ماری کہ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس کی آنکھ کو چھیدتی ہوئی کھوپڑی کی ہڈی میں چبھ گئی تھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر پوری طاقت سے کھینچا تو بڑی مشکل سے برچھی نکلی۔ لیکن اس کا سر مڑ کر خم ہو گیا۔ یہ برچھی ایک تاریخی یادگار بن کر برسوں تبرک بنی رہی۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ برچھی طلب فرمالی اور اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا پھر حضور ﷺ کے بعد چاروں خلفاء راشدین کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آئی یہاں تک کہ ۷۳ھ میں جب بنو اُمیہ کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو شہید کر دیا تو یہ برچھی بنو اُمیہ کے قبضہ میں چلی گئی پھر اس کے بعد لاپتہ ہو گئی۔

(بخاری غزوۂ بدر ج ۲ ص ۵۷۰)

ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں صف میں کھڑا تھا اور میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔ ایک نے چپکے سے پوچھا کہ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ کیوں بھتیجے؟ تم کو ابوجہل سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ چچا جان! میں نے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ میں ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا تو اس کو قتل کر دوں گا یا خود لڑتا ہوا مارا جاؤں گا۔ کیونکہ وہ اللہ کے رسول کا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں حیرت سے اس نوجوان کا منہ تاک رہا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے یہی کہا اتنے میں ابوجہل تلوار گھماتا ہوا سامنے آ گیا اور میں نے اشارہ سے بتا دیا کہ ابوجہل یہی ہے۔ بس پھر کیا تھا یہ دونوں لڑکے تلواریں لے کر اس پر اس طرح جھپٹے جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ دونوں نے اپنی تلواروں سے مار مار کر ابوجہل کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے جو ''عفراء'' کے بیٹے تھے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کے قاتل حضرت معاذ پر حملہ کر دیا اور پیچھے سے ان کی بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑہ باقی رہ گیا اور ہاتھ لٹکنے لگا حضرت معاذ نے عکرمہ کا پیچھا کیا اور دور تک دوڑایا مگر عکرمہ بھاگ کر بچ نکلا حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حالت میں بھی لڑتے رہے لیکن کٹے ہوئے ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہو رہی تھی تو انہوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر اس زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہو گیا اور پھر وہ آزاد ہو کر ایک ہاتھ سے لڑتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے اس وقت ابوجہل میں کچھ کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند کر فرمایا کہ ''تو ہی ابوجہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے کیسا رسوا کیا۔'' ابوجہل نے اس حالت میں بھی گھمنڈ کے ساتھ یہ کہا کہ تمہارے لئے یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ میرا قتل ہو جانا اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ ہاں! مجھے اس کا افسوس ہے کہ کاش! مجھے کسانوں کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل کرتا۔ حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما چونکہ یہ دونوں انصاری تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور قبیلہ قریش کے لوگ کسانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ اس لئے ابوجہل نے کسانوں کے ہاتھ

سے قتل ہونے کو اپنے لئے قابل افسوس بتایا۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد حضورِ اکرم ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود کو ساتھ لے کر جب ابو جہل کی لاش کے پاس سے گزرے تو لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابو جہل اس زمانے کا ''فرعون'' ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابو جہل کا سر کاٹ کر تاجدارِ دو عالم ﷺ کے قدموں پر ڈال دیا۔ (بخاری غزوہ بدر و دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۷۳)

ابوالبختری کا قتل

حضور ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ کچھ لوگ کفار کے لشکر میں ایسے بھی ہیں جن کو کفار مکہ دباؤ ڈال کر لائے ہیں ایسے لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کے نام بھی حضور ﷺ نے بتا دیئے تھے انہی لوگوں میں سے ابوالبختری بھی تھا جو اپنی خوشی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ بلکہ کفار قریش اس پر دباؤ ڈال کر زبردستی کر کے لائے تھے۔ عین جنگ کی حالت میں حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نظر ابوالبختری پر پڑی جو اپنے ایک گہرے دوست جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ حضرت مجذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالبختری! چونکہ حضور ﷺ نے ہم لوگوں کو تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے میں تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ابوالبختری نے کہا کہ میرے ساتھی جنادہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو حضرت مجذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کو ہم زندہ نہیں چھوڑ سکتے یہ سن کر ابوالبختری طیش میں آ گیا اور کہا کہ میں عرب کی عورتوں کا یہ طعنہ سننا پسند نہیں کر سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری نے رجز کا یہ شعر پڑھا کہ؎

لَنْ یُّسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ زَمِیْلَهٗ حَتّٰی یَمُوْتَ اَوْیَرٰی سَبِیْلَهٗ

ایک شریف زادہ اپنے ساتھی کو کبھی ہرگز نہیں چھوڑ سکتا' جب تک کہ مر نہ جائے یا اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔

اُمیہ کی ہلاکت

اُمیہ بن خلف بہت ہی بڑا دشمن رسول تھا۔ جنگ بندر میں جب کفر و اسلام کے دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے تو اُمیہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

سے چمٹ گیا کہ میری جان بچایئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو رحم آ گیا اور آپ نے چاہا کہ اُمیہ بچ کر نکل بھاگے۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کو دیکھ لیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اُمیہ کے غلام تھے تو اُمیہ نے ان کو بہت زیادہ ستایا تھا اس لئے جوشِ انتقام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو پکارا۔ انصاری لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُمیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کے لئے اس کے اوپر لیٹ کر اس کو چھپانے لگے لیکن حضرت بلال اور انصار رضی اللہ عنہم نے ان کی ٹانگوں کے اندر ہاتھ ڈال کر اور بغل سے تلوار گھونپ گھونپ کر اس کو قتل کر دیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۳۰۸ باب اذا وکل المسلم حربیاً)

فرشتوں کی فوج

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتار دیا تھا پہلے ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار ہو گئے۔

(قرآن سورہ آل عمران وانفال)

جب خوب گھمسان کا رن پڑا تو فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے مگر ان کی حرب و ضرب کے اثرات صاف نظر آتے تھے۔ بعض کافروں کی ناک اور منہ پر کوڑوں کی مار کا نشان پایا جاتا تھا کہیں بغیر تلوار مارے سر کٹ کر گرتا نظر آتا تھا یہ آسمان سے آنے والے فرشتوں کی فوج کے کارنامے تھے۔

کفار نے ہتھیار ڈال دیئے

عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ کفار قریش کے سرداروں کی ہلاکت سے کفار مکہ کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ہتھیار ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی اپنا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے اس جنگ میں کفارِ مکہ کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہو گئی۔ کفار قریش کے بڑے بڑے نامور سردار جو بہادری اور فن سپہ گری میں یکتائے روزگار تھے ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان ناموروں میں عتبہ، شیبہ، ابو

جہل، ابوالبختری، زمعہ، عاص بن ہشام، اُمیہ بن خلف، معبہ بن الحجاج، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث وغیرہ قریش کے سرتاج تھے یہ سب مارے گئے۔

شہدائے بدر

جنگِ بدر میں کل چودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے جن میں سے چھ مہاجر، اور آٹھ انصار تھے۔ شہداء مہاجرین کے نام یہ ہیں۔ ۱- حضرت عبیدہ بن الحارث۔ ۲- حضرت عمیر بن ابی وقاص۔ ۳- حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد۔ ۴- حضرت عاقل بن ابی بکیر۔ ۵- حضرت مہجع۔ ۶- حضرت صفوان بن بیضاء اور انصار کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ ۷- حضرت سعد بن خیثمہ۔ ۸- حضرت مبشر بن عبدالمنذر۔ ۹- حضرت حارثہ بن سراقہ۔ ۱۰- حضرت معوذ بن عفراء۔ ۱۱- حضرت عمیر بن حمام۔ ۱۲- حضرت رافع بن معلّٰی۔ ۱۳- حضرت عوف بن عفراء۔ ۱۴- حضرت یزید بن حارث رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(زُرقانی ج ۱ ص ۴۴۴ و ص ۴۴۵)

ان شہداء بدر میں سے تیرہ حضرات تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر سے واپسی پر منزل ''صفراء'' میں وفات پائی اس لئے ان کی قبر شریف منزل ''صفراء'' میں ہے۔ (زُرقانی ج ۱ ص ۴۴۵)

بدر کا گڑھا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہ طرزِ عمل رہا کہ جہاں کبھی کوئی لاش نظر آتی تھی آپ اس کو دفن کروا دیتے تھے۔ لیکن جنگِ بدر میں قتل ہونے والے کفار چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے سب کو الگ الگ دفن کرنا ایک دشوار کام تھا اس لئے تمام لاشوں کو آپ نے بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے تمام لاشوں کو گھسیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ اُمیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی۔ صحابۂ کرام نے اس کو گھسیٹنا چاہا تو اس کے اعضاء الگ الگ ہونے لگے اس لئے اس کی لاش وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔ (بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل ج ۲ ص ۵۶۶)

کفار کی لاشوں سے خطاب

جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے فلاں اے فلاں کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک ٹھیک سچ پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ ان بے روح کے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! قسم خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے! لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔

(بخاری ج۱ص۱۸۳ باب ما جاء فی عذاب القبر و بخاری ج۲ص۵۶۶)

ضروری تنبیہ

بخاری وغیرہ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کفار کے مردے زندوں کی بات سنتے ہیں تو پھر مومنین خصوصاً اولیاء، شہداء، انبیاء، علیہم السلام وفات کے بعد یقیناً ہم زندوں کا سلام و کلام اور ہماری فریادیں سنتے ہیں اور حضور ﷺ نے جب کفار کی مردہ لاشوں کو پکارا تو پھر خدا کے برگزیدہ بندوں یعنی ولیوں، شہیدوں اور نبیوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا بھلا کیوں نہ جائز و درست ہوگا؟ اسی لئے تو حضور اکرم ﷺ جب مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو قبروں کی طرف اپنا رُخِ انور کر کے یوں فرماتے کہ۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

(مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

یعنی اے قبر والو! تم پر سلام ہو خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم لوگ ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں اور حضور ﷺ نے اپنی امت کو بھی یہی حکم دیا ہے اور صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ جب تم لوگ قبروں کی زیارت کے لئے جاؤ تو۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَالُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور ص۱۵۴)

ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مردے زندوں کا سلام و کلام سنتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ سنتے ہی نہیں ان کو سلام کرنے سے کیا حاصل؟

مدینہ کو واپسی

فتح کے بعد تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بدر'' میں قیام فرمایا پھر تمام اموال غنیمت اور کفار قیدیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب ''وادی صفرا'' میں پہنچے تو اموالِ غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ جنگِ بدر کے موقع پر بیمار تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے ان کو مجاہدین بدر کے برابر ہی حصہ دیا اور ان کے برابر ہی اجر و ثواب کی بشارت بھی دی اسی لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی اصحاب بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجاہدین بدر کا استقبال

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح مبین کی خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ بھیج دیا تھا۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ خوشخبری لے کر جب مدینہ پہنچے تو تمام اہل مدینہ جوش مسرت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کے انتظار میں بے قرار رہنے لگے اور جب تشریف آوری کی خبر پہنچی تو اہل مدینہ نے آگے بڑھ کر مقام ''روحاء'' میں آپ کا پر جوش استقبال کیا۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۳)

قیدیوں کے ساتھ سلوک

کفار مکہ جب اسیران جنگ بن کر مدینہ میں آئے تو ان کو دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا اور لوگ ان کو دیکھ کر کچھ نہ کچھ بولتے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا ان قیدیوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لائیں اور یہ دیکھا کہ ان قیدیوں میں ان کے ایک قریبی رشتہ دار ''سہیل'' بھی ہیں تو وہ بے ساختہ بول اٹھیں کہ ''اے سہیل! تم نے بھی عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لیں تم سے یہ نہ ہو سکا کہ بہادر مردوں کی طرح لڑتے ہوئے قتل ہو جاتے۔'' (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۵)

ان قیدیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں تقسیم فرما دیا اور یہ حکم دیا کہ ان قیدیوں کو آرام

کے ساتھ رکھا جائے۔ چنانچہ دو دو چار چار قیدی صحابہ کے گھروں میں رہنے لگے۔ اور صحابہ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا کہ ان لوگوں کو گوشت روٹی وغیرہ حسب مقدور بہترین کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۶)

قیدیوں میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے بدن پر کرتا نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنے لمبے قد کے تھے کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا عبداللہ بن اُبی (منافقین کا سردار) چونکہ قد میں ان کے برابر تھا اس لئے اس نے اپنا کرتا ان کو پہنا دیا۔ بخاری میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لئے جو اپنا پیراہن شریف عطا فرمایا تھا وہ اسی احسان کا بدلہ تھا۔ (بخاری باب الکسوۃ للاساری ج ۱ ص ۴۲۲)

اسیرانِ جنگ کا انجام

ان قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے دی کہ اِن سب دشمنانِ اسلام کو قتل کر دینا چاہیے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے قریبی رشتہ دار کو اپنی تلوار سے قتل کرے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ آخر یہ سب لوگ اپنے عزیز و اقارب ہی ہیں۔ لہٰذا انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان لوگوں سے بطور فدیہ کچھ رقم لے کر ان سب کو رہا کر دیا جائے۔ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہے فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کی مالی امداد کا سامان بھی ہو جائے گا اور شاید آئندہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام کی توفیق نصیب فرمائے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنجیدہ رائے کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ جو لوگ مفلسی کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے تھے۔ وہ یوں ہی بلا فدیہ چھوڑ دیئے گئے ان قیدیوں میں جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ وہ انصار کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۶)

حضرت عباس کا فدیہ

انصار نے حضور ﷺ سے یہ درخواست عرض کی کہ یا رسول اللہ! حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں لہٰذا ہم ان کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے یہ درخواست منظور

نہیں فرمائی حضرت عباس قریش کے ان دس دولت مند رئیسوں میں سے تھے جنہوں نے لشکرِ کفار کے راشن کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ اس غرض کے لئے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ فوج کو کھانا کھلانے میں ابھی حضرت عباس کی باری نہیں آئی تھی۔ اس لئے وہ سونا تھا ابھی تک ان کے پاس محفوظ تھا۔ اس سونے کو حضور ﷺ نے مالِ غنیمت میں شامل فرمالیا اور حضرت عباس سے مطالبہ فرمایا کہ وہ اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عمرو بن حجدم چار شخصوں کا فدیہ ادا کریں۔ حضرت عباس نے کہا کہ میرے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے۔ میں کہاں سے فدیہ ادا کروں؟ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان! آپ کا وہ مال کہاں ہے؟ جو آپ نے جنگِ بدر کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنی بیوی ''اُمُ الفضل'' کو دیا تھا اور یہ کہا تھا اگر میں اس لڑائی میں مارا جاؤں تو اس میں سے اتنا اتنا مال میرے لڑکوں کو دے دینا۔ یہ سن کر حضرت عباس نے کہا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ اس مال کا علم میرے اور میری بیوی اُمُ الفضل کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عباس نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی پھر اس کے بعد حضرت عباس اور حضرت عقیل اور حضرت نوفل تینوں مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ (رضی اللہ عنہم) (مدارج النبوۃ ج۲ ص۹۷ و زرقانی ج۱ ص۴۴۷)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار

جنگِ بدر کے قیدیوں میں حضور ﷺ کے داماد ابو العاص بن الربیع بھی تھے۔ یہ ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے اور ہالہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ اس لئے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لے کر اپنی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابو العاص بن الربیع سے نکاح کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے تو اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان کے شوہر ابو العاص مسلمان نہیں ہوئے اور نہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے سے جدا کیا ابو العاص بن الربیع نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ایک قیمتی ہار بھی دیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے

فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ جب حضور ﷺ کی نظر اس ہار پر پڑی تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی محبت کی یاد نے قلب مبارک پر ایسا رقت انگیز اثر ڈالا کہ آپ رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ ''اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو بیٹی کو اس کی ماں کی یادگار واپس کر دو'' یہ سن کر تمام صحابہ کرام نے سر تسلیم خم کر دیا اور یہ ہار حضرت بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مکہ بھیج دیا گیا۔ (تاریخ طبری ص ۱۳۴۷)

ابوالعاص رہا ہو کر مدینہ سے مکہ آئے اور حضرت بی بی زینب کو مدینہ بھیج دیا۔ ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے یہ مکہ سے اپنا سامان تجارت لے کر شام گئے اور وہاں سے خوب نفع کما کر مکہ آ رہے تھے کہ مسلمان مجاہدین نے ان کے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور یہ مال غنیمت تمام سپاہیوں پر تقسیم بھی ہو گیا۔ ابوالعاص چھپ کر مدینہ پہنچے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو پناہ دے کر اپنے گھر میں اتارا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی خوشی ہو تو ابوالعاص کا مال و سامان واپس کر دو۔ فرمانِ رسالت کا اشارہ پاتے ہی تمام مجاہدین نے سارا مال و سامان ابوالعاص کے سامنے رکھ دیا۔ ابوالعاص اپنا سارا مال و اسباب لے کر مکہ آئے اور اپنے تمام تجارت کے شریکوں کو پائی پائی کا حساب سمجھا کر اور سب کو اس کے حصہ کی رقم ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اہل مکہ سے کہہ دیا کہ میں یہاں آ کر اور سب کا پورا پورا حساب ادا کر کے مدینہ جاتا ہوں تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ لے کر تقاضا کے ڈر سے مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ آ کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ (تاریخ طبری)

مقتولین بدر کا ماتم

بدر میں کفار قریش کی شکست فاش کی خبر جب مکہ میں پہنچی تو ایسا کہرام مچ گیا کہ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ مگر اس خیال سے کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے۔ ابوسفیان نے تمام شہر میں اعلان کرا دیا۔ کہ خبردار کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود بن عبد یغوث کے دو لڑکے ''عقیل'' اور ''زمعہ'' اور ایک پوتا ''حارث بن زمعہ'' قتل ہوئے تھے۔ اس صدمہ جان کاہ سے اسود کا دل پھٹ گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ اپنے ان مقتولوں پر خوب پھوٹ پھوٹ

کر روئے تاکہ دل کی بھڑاس نکل جائے۔ لیکن قومی غیرت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا۔ مگر دل ہی دل میں گھٹتا اور کڑھتا رہتا تھا اور آنسو بہاتے بہاتے اندھا ہو گیا تھا۔ ایک دن شہر میں کسی عورت کے رونے کی آواز آئی تو اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ دیکھو کون رو رہا ہے؟ کیا بدر کے مقتولوں پر رونے کی اجازت ہو گئی ہے؟ میرے سینے میں رنج و غم کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں بھی رونے کے لیے بے قرار ہوں۔ غلام نے بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ وہ اسی غم میں رو رہی ہے۔ اسود شاعر تھا۔ یہ سن کر بے اختیار اس کی زبان سے یہ دردناک اشعار نکل پڑے۔ جس کے لفظ لفظ سے خون ٹپک رہا ہے۔

اَتَبْکِیْ اَنْ یَّضِلَّ لَھَا بَعِیْرٌ
وَیَمْنَعُھَا مِنَ النَّوْمِ السُّھُوْدُ

کیا وہ عورت ایک اونٹ کے گم ہو جانے پر رو رہی ہے؟ اور بے خوابی نے اس کی نیند کو روک دیا ہے۔

فَلَا تَبْکِیْ عَلٰی بَکْرٍ وَّلٰکِنْ
عَلٰی بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُوْدُ

تو وہ ایک اونٹ پر نہ روئے۔ لیکن ''بدر'' پر روئے جہاں قسمتوں نے کوتائی کی ہے۔

وَبَکِّیْ اِنْ بَکَیْتِ عَلٰی عَقِیْلٍ
وَبَکِّیْ حَارِثًا اَسَدَ الْاُسُوْدِ

اگر تجھ کو رونا ہے تو ''عقیل'' پر رویا کر اور ''حارث'' پر رویا کر جو شیروں کا شیر تھا۔

وَبَکِّیْھِمْ وَلَا تُسَمِّیْ جَمِیْعًا
وَمَا لِاَبِیْ حَکِیْمَۃَ مِنْ نَدِیْرٍ

اور ان سب پر رویا کر۔ مگر ان سبھوں کا نام مت لے اور ''ابو حکیمہ'' ''زمعۃ'' کا تو کوئی ہمسر ہی نہیں ہے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۷)

عمیر اور صفوان کی خوفناک سازش

ایک دن عمیر اور صفوان دونوں حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر پر آنسو بہا رہے تھے۔ ایک دم صفوان بول اُٹھا۔ کہ اے عمیر! میرا باپ اور دوسرے روسائے مکہ جس طرح

بدر میں قتل ہوئے ان کو یاد کر کے سینے میں دل پاش پاش ہو رہا ہے اور اب زندگی میں کوئی مزہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ عمیر نے کہا کہ اے صفوان! تم سچ کہتے ہو میرے سینے میں بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ میرے اعزہ و اقرباء بھی بدر میں بیدردی کے ساتھ قتل کئے گئے ہیں۔ اور میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں قرضدار نہ ہوتا اور بال بچوں کی فکر سے دوچار نہ ہوتا۔ تو ابھی ابھی میں تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ جاتا اور دم زدن میں دھوکہ سے محمد ﷺ کو قتل کر کے فرار ہو جاتا۔ یہ سن کر صفوان نے کہا کہ اے عمیر! تم اپنے قرض اور بچوں کی ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں خدا کے گھر میں عہد کرتا ہوں کہ تمہارا سارا قرض ادا کروں گا اور تمہارے بچوں کی پرورش کا بھی ذمہ دار ہوں۔ اس معاہدہ کے بعد عمیر سیدھا گھر آیا۔ اور زہر میں بجھائی ہوئی تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جب مدینہ میں مسجد نبوی کے قریب پہنچا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا گلہ دبائے اور گردن پکڑے ہوئے دربار رسالت میں لے گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیوں؟ عمیر! کس ارادہ سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے! آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اور صفوان نے حطیم کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا اس راز کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ اُدھر مکہ میں صفوان حضور ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے لیے انتہائی بے قرار تھا اور دن گن گن کر عمیر کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر جب اس نے ناگہاں یہ سنا کہ عمیر مسلمان ہو گیا تو فرطِ حیرت سے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ بوکھلا گیا۔

حضرت عمیر مسلمان ہو کر مکہ آئے اور جس طرح وہ پہلے مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اب وہ کافروں کی جان کے دشمن بن گئے۔ وہ انتہائی بے خوفی اور بہادری کے ساتھ مکہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی دعوت اسلام سے بڑے بڑے کافروں کے اندھیرے دلوں میں نور کی روشنی سے اُجالا ہو گیا۔ اور یہی عمیر اب صحابیٔ رسول حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کہلانے لگے۔ (تاریخ طبری ص ۱۳۵۴)

مجاہدینِ بدر کے فضائل

جو صحابہ کرام جنگِ بدر کے جہاد میں شریک ہو گئے وہ تمام صحابہ میں ایک خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز ہیں اور ان خوش نصیبوں کے فضائل میں ایک بہت ہی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ ان سعادت مندوں کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ۔

> ''بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرما دیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو۔ بلاشبہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔ یا (یہ فرمایا) کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔''

(بخاری باب فضل من شہد ابدرا ج ۲ ص ۵۶۷)

ابولہب کی عبرتناک موت

ابولہب جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکا۔ جب کفارِ قریش شکست کھا کر مکہ واپس آئے تو لوگوں کی زبانی جنگِ بدر کے حالات سن کر ابولہب کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ اس کے بعد ہی وہ بڑی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور آٹھویں دن مر گیا۔ عرب کے لوگ چیچک سے بہت ڈرتے تھے اور اس بیماری میں مرنے والے کو بہت ہی منحوس سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کے بیٹوں نے بھی تین دن تک اس کی لاش کو ہاتھ نہیں لگایا مگر اس خیال سے کہ لوگ طعنہ ماریں گے۔ ایک گڑھا کھود کر لکڑیوں سے دھکیلتے ہوئے لے گئے اور اس گڑھے میں لاش کو گرا کر اوپر مٹی ڈال دی۔ بعض مورخین نے تحریر فرمایا کہ دور سے لوگوں نے اس گڑھے میں اس قدر پتھر پھینکا کہ ان پتھروں سے اس کی لاش چھپ گئی۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۵۲)

غزوہ بنی قینقاع

رمضان سن ۲ ھ میں حضور ﷺ جنگِ بدر کے معرکہ سے واپس ہو کر مدینہ واپس لوٹے اس کے بعد ہی ۱۵ شوال سن ۲ ھ میں ''غزوہ بنی قینقاع'' کا واقعہ درپیش ہو گیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ مگر جنگِ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا۔ وہ قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی تھے۔ جو سب سے زیادہ بہادر

اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی۔ دکانداروں نے شرارت کی اور اس عورت کو ننگا کر دیا اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ عورت چلائی تو ایک عرب آیا اور دکاندار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہو گئی حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے۔ اس پر بنو قینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگِ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں۔ مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے اس لئے آپ نے ان کو مار لیا۔ اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور ﷺ نے نصف شوال سن ۲ھ سنیچر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو شہر بدر کر دیا اور یہ عہد شکن بدذات یہودی ملک شام کے مقام ''اذرعات'' میں جا کر آباد ہو گئے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۵۸)

غزوۂ سویق

یہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ جنگِ بدر کے بعد مکہ کے ہر گھر میں سردارانِ قریش کے قتل ہو جانے کا ماتم برپا تھا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطرب اور بے قرار تھا۔ چنانچہ غزوۂ سویق اور جنگِ اُحد وغیرہ کی لڑائیاں مکہ والوں کے اسی جوشِ انتقام کا نتیجہ ہیں۔ عتبہ اور ابو جہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب قریش کا سردارِ اعظم ابو سفیان تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ چنانچہ ابو سفیان نے قسم کھالی کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا۔ نہ غسل جنابت کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ چنانچہ جنگِ بدر کے دو ماہ بعد ذوالحجہ سن ۲ھ میں ابو سفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف بڑھا اس کو یہودیوں پر بڑا بھروسا بلکہ ناز تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اس کی امداد کریں گے اسی اِمید پر ابو سفیان پہلے 'حیی بن اخطب'' یہودی کے پاس گیا مگر اس نے دروازہ بھی نہیں کھولا۔ وہاں سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم سے ملا۔ جو قبیلہ بنو نضیر

کے یہودیوں کا سردار تھا اور یہود کے تجارتی خزانہ کا منیجر بھی تھا۔ اس نے ابوسفیان کا پرجوش استقبال کیا اور حضور ﷺ کے تمام جنگی رازوں سے ابوسفیان کو آگاہ کر دیا۔ صبح کو ابوسفیان نے مقام ''عریض'' پر حملہ کیا یہ بستی مدینہ سے تین میل کی دوری پر تھی۔ اس حملہ میں ابوسفیان نے ایک انصاری صحابی کو جن کا نام سعد بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ تھا۔ شہید کر دیا اور کچھ درختوں کو کاٹ ڈالا اور مسلمانوں کے چند گھروں اور باغات کو آگ لگا کر پھونک دیا ان حرکتوں سے اس کے گمان میں اس کی قسم پوری ہو گئی جب حضورِ اقدس ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا تعاقب کیا لیکن ابوسفیان بدحواس ہو کر اس قدر تیزی سے بھاگا کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کی بوریاں جو وہ اپنی فوج کے راشن کے لئے لایا تھا۔ پھینکتا چلا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۰۴)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شادی

اسی سال سن ۲ھ میں حضور ﷺ کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شادی خانہ آبادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوئی۔ یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی۔ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرات ابوبکر صدیق و عمر و عثمان و عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے چند مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدعو کریں۔ چنانچہ جب صحابہ کرام جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھا دیا شہنشاہ کونین نے شہزادئ اسلام حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو جہیز میں جو سامان دیا اس کی فہرست یہ ہے۔ ایک چادر بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک مکان حضور ﷺ کو اس لئے نذر کر دیا کہ اس میں حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سکونت فرمائیں۔ جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا رخصت ہو کر نئے گھر میں گئیں تو عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ تشریف لائے اور ایک برتن میں پانی طلب فرمایا اور اس میں کلی فرما کر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو بلایا اور ان کے سر اور سینہ پر بھی پانی چھڑکا اور پھر یوں دعا فرمائی کہ

یا اللہ میں علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں کہ یہ سب شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۴)

سن ۲ھ کے متفرق واقعات

۱- اسی سال روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے اور نماز کی طرح روزہ اور زکوٰۃ بھی مسلمانوں پر فرض ہو گئے۔

۲- اسی سال حضور ﷺ نے عیدالفطر کی نماز جماعت کے ساتھ عیدگاہ میں ادا فرمائی۔ اس سے قبل عیدالفطر کی نماز نہیں ہوئی تھی۔

۳- صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم اسی سال جاری ہوا۔

۴- اسی سال ۱۰ ذوالحجہ کو حضور ﷺ نے بقر عید کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

۵- اسی سال ''غزوۂ قرقرالکدر'' و ''غزوۂ بحران'' وغیرہ چند چھوٹے چھوٹے غزوات بھی پیش آئے جن میں حضور ﷺ نے شرکت فرمائی مگر ان غزوات میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

آٹھواں باب

ہجرت کا تیسرا سال

(سِن ۳ ہجری)

جنگِ اُحد

اس سال کا سب سے بڑا واقعہ ''جنگِ اُحد'' ہے۔ ''احد'' ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ چونکہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا۔ اسی لئے یہ لڑائی ''غزوۂ اُحد'' کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا خداوند عالم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

جنگِ اُحد کا سبب

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگِ بدر میں ستر کفار قتل اور ستر گرفتار ہوئے تھے۔ اور جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفارِ قریش کے سردار' بلکہ تاجدار تھے۔ اس بنا پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور قریش کا بچہ بچہ جوشِ انتقام میں آتشِ غیظ و غضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بے قرار تھا۔ عرب خصوصاً قریش کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ اپنے ایک ایک مقتول کے خون کا بدلہ لینے کو اتنا بڑا فرض سمجھتے تھے جس کو ادا کئے بغیر گویا ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ جنگِ بدر کے مقتولوں کے ماتم سے جب قریشیوں کو فرصت ملی تو انہوں نے یہ عزم کر لیا کہ جس قدر ممکن ہو جلد سے جلد مسلمانوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا چاہیے۔ چنانچہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور اُمیہ کا لڑکا صفوان اور دوسرے کفارِ قریش جن کے باپ' بھائی' بیٹے' جنگِ بدر میں قتل ہو چکے تھے سب کے سب ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ مسلمانوں نے ہماری قوم کے تمام سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے اس کا بدلہ لینا ہمارا قومی فریضہ ہے۔ لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ قریش کی مشترکہ تجارت میں امسال جتنا نفع ہوا ہے وہ سب قوم کے جنگی فنڈ میں جمع ہو جانا چاہیے۔ اور اس رقم سے بہترین ہتھیار خرید کر اپنی لشکری

طاقت بہت جلد مضبوط کر لینی چاہیے اور پھر ایک عظیم فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کر کے بانی اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہیے۔ ابوسفیان نے خوشی خوشی قریش کی اس درخواست کو منظور کر لیا لیکن قریش کو جنگِ بدر سے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ' سمندر کی موجوں سے ٹکرانا' پہاڑوں سے ٹکر لینا بہت آسان ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں سے جنگ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی جنگی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کرنا نہایت ضروری خیال کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہتھیاروں کی تیاری' اور سامان جنگ کی خریداری میں پانی کی طرح روپیہ بہانے کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں جنگ کا جوش اور لڑائی کا بخار پھیلانے کے لئے بڑے بڑے شاعروں کو منتخب کیا جو اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل عرب میں جوشِ انتقام کی آگ لگا دیں ''عمرو جمحی'' اور ''مسافع'' یہ دونوں اپنی شاعری میں طاق اور آتش بیانی میں شہرۂ آفاق تھے ان دونوں نے باقاعدہ دورہ کر کے تمام قبائل عرب میں ایسا جوش اور اشتعال پیدا کر دیا کہ بچہ بچہ ''خون کا بدلہ خون'' کا نعرہ لگاتے ہوئے مرنے اور مارنے پر تیار ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے معزز اور مالدار گھرانوں کی عورتیں بھی جوش انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں شامل ہو گئیں۔ جن کے باپ' بھائی' بیٹے' شوہر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ان عورتوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گی۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا۔ اس بنا پر ''ہند'' نے ''وحشی'' کو جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا تو وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

مدینہ پر چڑھائی

الغرض بے پناہ جوش و خروش اور انتہائی تیاری کے ساتھ لشکر کفار مکہ سے روانہ ہوا اور ابوسفیان اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر حضور ﷺ کو کفارِ

قریش کی لشکر کشی سے مطلع کر دیا جب آپ کو یہ خوفناک خبر ملی تو آپ نے ۵ شوال سن ۳ ھ کو حضرت عدی بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں لڑکوں حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جاسوس بنا کر کفارِ قریش کے لشکر کی خبر لانے کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں نے آ کر یہ پریشان کن خبر سنائی کہ ابو سفیان کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آ گیا ہے اور ان کے گھوڑے مدینہ کی چراگاہ (عریض) کی تمام گھاس چر گئے۔

مسلمانوں کی تیاری اور جوش

یہ خبر سن کر ۱۴ شوال سن ۳ ھ جمعہ کی رات میں حضرت سعد بن معاذ و حضرت اسید بن حضیر و حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر چند انصاریوں کے ساتھ رات بھر کاشانۂ نبوت کا پہرہ دیتے رہے اور شہر مدینہ کے اہم ناکوں پر بھی انصار کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ صبح کو حضور ﷺ نے انصار و مہاجرین کو جمع فرما کر مشورہ طلب فرمایا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی فوج کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں یہ جنگ لڑی جائے؟ مہاجرین نے عام طور پر اور انصار میں سے بڑے بوڑھوں نے یہ رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا جائے اور شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی بھی اس مجلس میں موجود تھا اس نے بھی یہی کہا کہ شہر میں پناہ گیر ہو کر کفارِ قریش کے حملوں کی مدافعت کی جائے۔ مگر چند کمسن نوجوان جو جنگِ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور جوشِ جہاد میں آپے سے باہر ہو رہے تھے وہ اس رائے پر اڑ گئے کہ میدان میں نکل کر ان دشمنانِ اسلام سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ حضور ﷺ نے سب کی رائے سن لی پھر مکان میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمایا اور باہر تشریف لائے اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ شہر کے اندر ہی رہ کر کفارِ قریش کے حملوں کو روکا جائے۔ مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے، اب تم لوگ خدا کا نام لے کر میدان میں نکل پڑو۔ اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہو گی۔" (مدارج ج ۲ ص ۱۱۴)

پھر حضور ﷺ نے انصار کے قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور قبیلہ

خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ایک ہزار کی فوج لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ (مدارج ج ۲ ص ۱۱۴)

حضور نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا

شہر سے نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک فوج چلی آ رہی ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے حلیف یہودیوں کا لشکر ہے۔ جو آپ کی امداد کے لئے آ رہا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

''ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔'' (مدارج جلد ۲ ص ۱۴۴)

چنانچہ یہودیوں کا یہ لشکر واپس چلا گیا۔ پھر عبداللہ بن اُبی (منافقوں کا سردار) بھی جو تین سو آدمیوں کو لے کر حضور ﷺ کے ساتھ آیا تھا۔ یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ۔

محمد ﷺ نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا اور میری رائے کے خلاف میدان میں نکل پڑے لہٰذا میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔'' (مدارج جلد ۲ ص ۱۱۵)

عبداللہ بن اُبی کی بات سن کر قبیلہ خزرج میں سے ''بنو سلمہ'' کے اور قبیلہ اوس میں سے ''بنو حارثہ'' کے لوگوں نے بھی واپس لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں اچانک محبت اسلام کا ایسا جذبہ پیدا فرما دیا کہ ان لوگوں کے قدم جم گئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا	جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ	کر جائیں اور اللہ انکا سنبھالنے والا ہے اور
الْمُؤْمِنُوْنَ (آلِ عمران)	مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا ہونا چاہیے۔

اب حضور ﷺ کے لشکر میں کل سات سو صحابہ رہ گئے۔ جن میں کل ایک سو زرہ پوش تھے اور کفار کی فوج میں تین ہزار اشرار کا لشکر تھا۔ جن میں سات سو زرہ پوش جوان، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔

شہر سے باہر نکل کر حضور ﷺ نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم عمر تھے، ان کو واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام؟

بچوں کا جوشِ جہاد

مگر جب حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو۔ تم بھی واپس چلے جاؤ تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کا قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ فوج میں شامل کر لئے گئے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ جو ایک کم عمر نوجوان تھے۔ جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لئے اگر وہ فوج میں لے لئے گئے ہیں تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی چاہیے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین پر دے مارا اس طرح ان دونوں پر جوش نوجوانوں کو جنگِ اُحد میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی۔ (مدارج جلد۲ ص۱۱۴)

تاجدارِ دو عالم میدان جنگ میں

مشرکین تو ۱۲ شوال سن ۳ ھ بدھ کے دن ہی مدینہ کے قریب پہنچ کر کوہِ اُحد میں اپنا پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ مگر حضورِ اکرم ﷺ ۱۴ شوال سن ۳ ھ بعد نماز جمعہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ رات کو بنی نجار میں رہے اور ۱۵ شوال سنیچر کے دن نماز فجر کے وقت اُحد میں پہنچے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ نے نماز فجر پڑھا کر میدان جنگ میں مورچہ بندی شروع فرمائی۔ حضرت عکاشہ بن محصن اسدی کو لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) پر اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ (بائیں بازو) پر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح و حضرت سعد بن ابی وقاص کو مقدمہ (اگلے حصہ) پر اور حضرت مقداد بن عمر کو ساقہ (پچھلے حصہ) پر افسر مقرر فرمایا (رضی اللہ عنہم) اور صف بندی کے وقت اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھا اور کوہِ عینین کو جو وادی قناۃ میں ہے اپنے بائیں طرف رکھا۔ لشکر کے پیچھے پہاڑ میں ایک درہ (تنگ راستہ) جس میں سے گزر کر کفارِ قریش مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس درہ کی حفاظت کے لئے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرما دیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس دستہ کا افسر بنا دیا اور یہ حکم دیا کہ دیکھو ہم چاہے مغلوب ہوں یا غالب مگر تم لوگ اپنی اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹنا جب تک میں

تمہارے پاس کسی کو نہ بھیجوں۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۱۵ و بخاری باب مایکرہ من التنازع)

مشرکین نے بھی نہایت باقاعدگی کے ساتھ اپنی صفوں کو درست کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو افسر بنا دیا سواروں کا دستہ صفوان بن اُمیہ کی کمان میں تھا تیر اندازوں کا ایک دستہ الگ تھا جن کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا اور پورے لشکر کا علمبردار طلحہ بن ابوطلحہ تھا جو قبیلہ بنی عبدالدار کا ایک آدمی تھا۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۱۵)

حضور ﷺ نے جب دیکھا کہ پورے لشکر کفار کا علمبردار قبیلہ بنی عبدالدار کا ایک شخص ہے تو آپ نے بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔ جو قبیلہ بنو عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔

جنگ کی ابتداء

سب سے پہلے کفارِ قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر ایسے اشعار گاتی ہوئی آگے بڑھیں جن میں جنگِ بدر کے مقتولین کا ماتم اور انتقامِ خون کا جوش بھرا ہوا تھا۔ لشکرِ کفار کے سپہ سالار ابوسفیان کی بیوی ''ہند'' آگے آگے اور کفارِ قریش کے معزز گھرانوں کی چودہ عورتیں اس کے ساتھ ساتھ تھیں اور یہ سب آواز ملا کر یہ اشعار گا رہی تھیں کہ ؎

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقْ   نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقْ
ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں   ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ   اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ
اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے   اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے

مشرکین کی صفوں میں سے سب سے پہلے جو شخص جنگ کے لئے نکلا وہ ''ابو عامر اوسی'' تھا جس کی عبادت اور پارسائی کی بنا پر مدینے والے اس کو ''راہب'' کہا کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام ''فاسق'' رکھا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ شخص اپنے قبیلہ اوس کا سردار تھا اور مدینہ کا مقبول عام آدمی تھا۔ مگر جب رسول اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہ شخص جذبہ حسد میں جل بھن کر خدا کے محبوب ﷺ کی مخالفت کرنے لگا اور مدینہ سے نکل کر مکہ چلا گیا اور کفارِ قریش کو آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ اس کو بڑا بھروسا تھا

کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ چنانچہ اس نے میدان میں نکل کر پکارا کہ اے انصار! کیا تم لوگ مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر راہب ہوں۔ انصار نے چلا کر کہا ہاں ہاں! فاسق! ہم تجھ کو خوب پہچانتے ہیں۔ خدا تجھے ذلیل فرمائے ابو عامر اپنے لئے فاسق کا لفظ سن کر تلملا گیا۔ کہنے لگا کہ ہائے افسوس! میرے بعد میری قوم بالکل ہی بدل گئی۔ پھر کفارِ قریش کی ایک ٹولی جو اس کے ساتھ تھی مسلمانوں پر تیر برسانے لگی اس کے جواب میں انصار نے بھی اس زور کی سنگ باری کی کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ (مدارج جلد۲ص ۱۱۶)

لشکر کفار کا علمبردار طلحہ بن ابوطلحہ صف سے نکل کر میدان میں آیا اور کہنے لگا کہ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے کہ یا وہ مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے وہ جنت میں پہنچ جائے۔ اس کا یہ گھمنڈ سے بھرا ہوا کلام سن کر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ''میں ہوں'' یہ کہہ کر فاتح خیبر نے ذُوالفقار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر پھاڑ دیا اور وہ زمین پر تڑپنے لگا اور شیر خدا منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس کا سر کیوں نہیں کاٹ لیا شیر خدا نے فرمایا کہ جب وہ زمین پر گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی اور وہ مجھے قسم دینے لگا کہ مجھے معاف کر دیجئے اس بے حیا کو بے ستر دیکھ کر مجھے شرم دامنگیر ہوگئی اس لئے میں نے منہ پھیر لیا۔ (مدارج ج ۲ص ۱۱۶)

طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان بن ابوطلحہ رجز کا یہ شعر پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا کہ

اِنَّ عَلٰی اَهْلِ اللِّوَاءِ حَقّاً!
اَنْ يَّخْضِبَ اللِّوَاءَ اَوْ تَنْدَقَّا

علمبردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے۔ یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے تلوار لے کر نکلے اور اس کے شانے پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تلوار ریڑھ کی ہڈی کو کاٹتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور آپ کے منہ سے یہ نعرہ نکلا کہ

اَنَـا ابْنَ سَاقِی الْحَجِیْجِ

میں حاجیوں کے سیراب کرنے والے عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (مدارج جلد۲ص ۱۱۶)

اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی اور میدان جنگ میں کشت و خون کا بازار گرم ہو

گیا۔

ابو دجانہ کی خوش نصیبی

حضورِ اقدس ﷺ کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی جس پر یہ شعر کندہ تھا کہ

فِی الْجُبْنِ عَارٌ وَفِی الْاِقْبَالِ مَکْرُمَۃٌ
وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُوْ مِنَ الْقَدَرِ

بزدلی میں شرم ہے۔ اور آگے بڑھ کر لڑنے میں عزت ہے' اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے'' یہ سن کر بہت سے لوگ اس سعادت کے لئے لپکے مگر یہ فخر و شرف حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نصیب میں تھا کہ تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنی یہ تلوار اپنے ہاتھ سے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ میں دے دی وہ یہ اعزاز پا کر جوش مسرت میں مست و بے خود ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ۔

''تو اس سے کافروں کو قتل کرے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ پھر وہ اپنے سر پر ایک سرخ رنگ کا رومال باندھ کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے میدان جنگ میں نکل پڑے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک دم ان کے سامنے ابو سفیان کی بیوی ''ہند'' آ گئی حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارادہ کیا کہ اس پر تلوار چلا دیں مگر پھر اس خیال سے تلوار ہٹا لی کہ رسول اللہ ﷺ کی مقدس تلوار کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عورت کا سر کاٹے۔ (زُرقانی ج۲ ص۲۹ و مدارج جلد۲ ص۱۱۶)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرح حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور کفار کا قتل عام شروع کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انتہائی جوش جہاد میں دو دستی تلوار مارتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اسی حالت میں ''سباعِ غبشانی'' سامنے آ گیا آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کے بچے! ٹھہر' کہاں جاتا ہے؟ تو اللہ و رسول سے جنگ

کرنے چلا آیا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار چلا دی اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت

''وحشی'' جو ایک حبشی غلام تھا اور اس کا آقا جبیر بن مطعم اس سے وعدہ کر چکا تھا تو اگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قتل کر دے تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تاک میں تھا جوں ہی آپ اس کے قریب پہنچے اس نے دور سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا اور پشت کے پار ہو گیا اس حال میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے مگر زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ (بخاری باب قتل حمزہ ج ۲ ص ۵۸۲)

کفار کے علمبردار خود کٹ کٹ کر گرتے چلے جا رہے تھے۔ مگر اُن کا جھنڈا گرنے نہیں پاتا تھا ایک کے قتل ہونے کے بعد دوسرا اس جھنڈے کو اٹھا لیتا تھا۔ ان کافروں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ جب ایک کافر نے جس کا نام ''صواب'' تھا مشرکین کا جھنڈا اٹھایا تو ایک مسلمان نے اس کو زور سے تلوار ماری کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے مگر اس نے اپنے قومی جھنڈے کو زمین پر گرنے نہیں دیا بلکہ جھنڈے کو اپنے سینے سے دبائے ہوئے زمین پر گر پڑا اسی حالت میں مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا۔ مگر وہ قتل ہوتے ہوتے یہی کہتا رہا کہ ''میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔'' اس کے مرتے ہی ایک بہادر عورت جس کا نام ''عمرہ'' تھا اس نے جھپٹ کر قومی جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کر دیا یہ منظر دیکھ کر قریش کو غیرت آئی اور ان کی بکھری ہوئی فوج سمٹ آئی اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶ وغیرہ)

حضرت حنظلہ کی شہادت

ابو عامر راہب کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پرچم اسلام کے نیچے جہاد کر رہے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اپنی تلوار سے اپنے باپ ابو عامر راہب کا سر کاٹ کر لاؤں مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار باپ کا سر کاٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جان

بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور کفار کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ حضرت حنظلہ ؓ کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے کہ اچانک پیچھے سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا اور حضرت حنظلہ ؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت حنظلہ ؓ کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔‘‘ جب ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ جنگِ اُحد کی رات میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ سوئے تھے۔ غسل کی حاجت تھی مگر دعوت جنگ کی آواز ان کے کان میں پڑی تو وہ اسی حالت میں شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے جو فرشتوں نے اس کو غسل دیا اسی واقعہ کی بنا پر حضرت حنظلہ ؓ کو ’’غسیل الملائکہ‘‘ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مدارج ج ۲ ص ۱۲۳)

اس جنگ میں مجاہدین انصار و مہاجرین بڑی دلیری اور جان بازی سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے حضرت علی و حضرت ابو دجانہ و حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدانہ حملوں نے مشرکین کی کمر توڑ دی۔ کفار کے تمام علمبردار عثمان، ابوسعید، مسافع، طلحہ بن ابی طلحہ وغیرہ ایک ایک کر کے کٹ کٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ کفار کو شکست ہو گئی اور وہ بھاگنے لگے اور ان کی عورتیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر لشکر کفار کو جوش دلا رہی تھیں وہ بھی بدحواسی کے عالم میں اپنے ازار اٹھائے ہوئے برہنہ ساق بھاگتی ہوئی پہاڑوں پر دوڑتی چلی جا رہی تھیں اور مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔

ناگہاں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا

کفار کی بھگدڑ اور مسلمانوں کے فاتحانہ قتل و غارت کا یہ منظر دیکھ کر وہ پچاس تیر انداز مسلمان جو درہ کی حفاظت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے کہ غنیمت لوٹو۔ غنیمت لوٹو‘ تمہاری فتح ہو گئی۔ ان لوگوں کے افسر حضرت عبداللہ بن جبیر نے ہر چند روکا اور حضور ﷺ کا فرمان یاد دلایا اور فرمانِ مصطفوی کی مخالفت سے ڈرایا مگر ان تیر انداز مسلمانوں نے ایک نہیں سنی اور اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے لشکر کفار کا ایک افسر ’’خالد بن ولید‘‘ پہاڑ کی بلندی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ درہ پہرہ داروں سے خالی ہو گیا ہے فوراً ہی اس نے درہ کے راستہ سے فوج لا کر

مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند جان بازوں کے ساتھ انتہائی دلیرانہ مقابلہ کیا مگر یہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ اب کیا تھا کافروں کی فوج کے لئے راستہ صاف ہو گیا خالد بن ولید نے زبردست حملہ کر دیا یہ دیکھ کر بھاگتی ہوئی کفارِ قریش کی فوج بھی پلٹ پڑی مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو تلواریں برس رہی تھیں اور کفار آگے پیچھے دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے تھے اور مسلمانوں کا لشکر چکی کے دو پاٹوں میں دانہ کی طرح پسنے لگا اور مسلمانوں میں ایسی بدحواسی اور ابتری پھیل گئی کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز نہیں رہی خود مسلمان مسلمانوں کی تلواروں سے قتل ہوئے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلاتے ہی رہے کہ ''اے مسلمانو! یہ میرے باپ ہیں یہ میرے باپ ہیں۔'' مگر کچھ عجیب بدحواسی پھیلی ہوئی تھی کہ کسی کو کسی کا دھیان ہی نہیں تھا اور مسلمانوں نے حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر بھی شہید

پھر بڑا غضب یہ ہوا کہ لشکرِ اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ابن قمیہ کافر جھپٹا اور ان کے دائیں ہاتھ پر اس زور سے تلوار چلادی کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا اس جاں باز مہاجر نے جھپٹ کر اسلامی جھنڈے کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا۔ مگر ابن قمیہ نے تلوار مار کر ان کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے مگر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچمِ اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے کھڑے رہے اور بلند آواز سے یہ آیت پڑھتے رہے کہ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

پھر ابن قمیہ نے ان کو تیر مار کر شہید کر دیا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صورت میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ مشابہ تھے ان کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھ کر کفار نے غل مچا دیا کہ (معاذ اللہ) ''حضور تاجدارِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل ہو گئے۔''

اللہ اکبر! اس آواز نے غضب ہی ڈھا دیا مسلمان یہ سن کر بالکل ہی سراسیمہ اور پراگندہ دماغ ہو گئے اور میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں میں تین گروہ ہو گئے کچھ لوگ تو بھاگ کر مدینہ کے قریب پہنچ گئے کچھ لوگ سہم کر مردہ دل ہو گئے جہاں تھے وہیں رہ گئے اپنی جان بچاتے رہے یا جنگ کرتے

رہے کچھ لوگ جن کی تعداد تقریباً بارہ تھی جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اس ہلچل اور بھگدڑ میں بہت سے لوگوں نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی اور جو جانبازی کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے وہ بھی دشمنوں کے دوطرفہ حملوں کے نرغے میں پھنس کر مجبور ولاچار ہو چکے تھے۔ تاجدارِ دو عالم ﷺ کہاں ہیں؟ اور کس حال میں ہیں؟ کسی کو اس کی خبر نہیں تھی۔

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے چلے جاتے تھے۔ مگر وہ ہر طرف مڑ مڑ کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تھے مگر جمالِ نبوت نظر نہ آنے سے وہ انتہائی اضطراب و بے قراری کے عالم میں تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے میدان جنگ سے بھی کچھ آگے نکل پڑے وہاں جا کر دیکھا کہ کچھ مسلمانوں نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے ہیں حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اب ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ جن کے لئے لڑتے تھے وہ تو شہید ہو گئے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر واقعی رسولِ خدا ﷺ شہید ہو چکے تو پھر ہم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ چلو ہم بھی اسی میدان میں شہید ہو کر حضور ﷺ کے پاس پہنچ جائیں۔ یہ کہہ کر آپ دشمنوں کے لشکر میں لڑتے ہوئے گھس گئے اور آخری دم تک انتہائی جوشِ جہاد اور جان بازی کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر و تلوار اور نیزوں کے زخم ان کے بدن پر تھے کافروں نے ان کے بدن کو چھلنی بنا دیا تھا اور ناک کان وغیرہ کاٹ کر ان کی صورت بگاڑ دی تھی کوئی شخص ان کی لاش کو پہچان نہ سکا صرف ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کو دیکھ کر ان کو پہچانا۔ (بخاری غزوۂ اُحد ج ۲ ص ۵۷۹ و مسلم جلد ۲ ص ۳۸)

اسی طرح حضرت ثابت بن وحداح رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو جانیوالے انصاریوں سے کہا کہ اے جماعت انصار! اگر بالفرض رسول اکرم ﷺ شہید بھی ہو گئے تو ہم ہمت کیوں ہار گئے؟ تمہارا اللہ تو زندہ ہے لہٰذا تم لوگ اٹھو اور اللہ کے دین کے لئے جہاد کرو۔ یہ کہہ کر آپ نے چند انصاریوں کو اپنے ساتھ لیا اور لشکر کفار پر بھوکے شیروں کی طرح حملہ آور ہو گئے اور آخر خالد بن ولید کی تلوار سے جام شہادت نوش کر لیا۔ (اصابہ ترجمہ ثابت بن وحداح)

جنگ جاری تھی اور جانثاران اسلام جو جہاں تھے وہیں لڑائی میں مصروف تھے۔ مگر

سب کی نگاہیں انتہائی بے قراری کے ساتھ جمال نبوت کو تلاش کرتی تھیں عین مایوسی کے عالم میں سب سے پہلے جس نے تاجدار دو عالم ﷺ کا جمال دیکھا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش نصیب آنکھیں ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو پہچان کر مسلمانوں کو پکارا کہ اے مسلمانو! ادھر آؤ رسول اللہ ﷺ یہ ہیں اس آواز کو سن کر تمام جانثاروں میں جان پڑ گئی اور ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر مسلمان آنے لگے کفار نے بھی ہر طرف سے حملہ روک کر رحمت عالم ﷺ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے سارا زور لگا دیا لشکر کفار کا دل بادل ہجوم کے ساتھ امنڈ پڑا اور بار بار مدنی تاجدار پر یلغار کرنے لگا مگر ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔

زیاد بن سکن کی شجاعت اور شہادت

ایک مرتبہ کفار کا ہجوم حملہ آور ہوا تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”کون ہے جو میرے اوپر اپنی جان قربان کرتا ہے“؟ یہ سنتے ہی حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور ہر ایک نے لڑتے ہوئے اپنی جانیں فدا کر دیں حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ زخموں سے لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے تھے۔ مگر کچھ کچھ جان باقی تھی حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی لاش کو میرے پاس اٹھا لاؤ جب لوگوں نے ان کی لاش کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ نے کھسک کر محبوبِ خدا ﷺ کے قدموں پر اپنا منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی اللہ اکبر! حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کی اس موت پر لاکھوں زندگیاں قربان۔ سبحان اللہ

؎ بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقتِ جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی!

کھجور کھاتے کھاتے جنت میں

اس گھمسان کی لڑائی اور مار دھاڑ کے ہنگاموں میں ایک بہادر مسلمان کھڑا ہوا۔ نہایت بے پروائی کے ساتھ کھجوریں کھا رہا تھا۔ ایک دم آگے بڑھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میں اس وقت شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو جنت میں جائے گا وہ بہادر اس فرمان بشارت کو سن کر مست و بے خود ہو گیا ایک دم کفار کے

ہجوم میں کود پڑا اور ایسی شجاعت کے ساتھ لڑنے لگا کہ کافروں کے دل ہل گئے۔ اسی طرح جنگ کرتے کرتے شہید ہو گیا۔ (بخاری غزوۂ اُحد ج ۲ ص ۵۷۹)

لنگڑاتے ہوئے بہشت میں

حضرت عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ لنگڑے تھے۔ یہ گھر سے نکلتے وقت یہ دعا مانگ کر چلے تھے کہ یا اللہ! مجھ کو میدان جنگ سے اہل و عیال میں آنا نصیب مت کر ان کے چار فرزند بھی جہاد میں مصروف تھے۔ لوگوں نے ان کو لنگڑا ہونے کی بنا پر جنگ کرنے سے روک دیا تو یہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جنگ میں لڑنے کی اجازت عطا فرمایئے میری تمنا ہے کہ میں بھی لنگڑاتا ہوا باغ بہشت میں خراماں خراماں چلا جاؤں۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری سے رحمت عالم ﷺ کا قلب مبارک متاثر ہو گیا اور آپ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی۔ یہ خوشی سے اچھل پڑے اور اپنے ایک فرزند کو ساتھ لے کر کافروں کے ہجوم میں گھس گئے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ میدان جنگ میں یہ کہتے ہوئے چل رہے تھے کہ خدا کی قسم! میں جنت کا مشتاق ہوں۔'' ان کے ساتھ ساتھ ان کو سہارا دیتے ہوئے ان کا لڑکا بھی انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ یہ دونوں شہادت سے سرفراز ہو کر باغ بہشت میں پہنچ گئے لڑائی ختم ہو جانے کے بعد ان کی بیوی ہند زوجہ عمرو بن جموح میدان جنگ میں پہنچی اور اس نے ایک اونٹ پر ان کی اور اپنے بھائی اور بیٹے کی لاش کو لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانا چاہا تو ہزاروں کوششوں کے باوجود کسی طرح بھی وہ اونٹ ایک قدم بھی مدینہ کی طرف نہیں چلا بلکہ وہ میدان جنگ ہی کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتا رہا۔ ہند نے جب حضور ﷺ سے یہ ماجرا عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بتا کیا عمرو بن جموح نے گھر سے نکلتے وقت کچھ کہا تھا؟ ہند نے کہا کہ جی ہاں! وہ یہ دعا کر کے گھر سے نکلے تھے کہ ''یا اللہ مجھ کو میدان جنگ سے اہل و عیال میں آنا نصیب مت کر۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں چل رہا ہے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۲۴)

تاجدارِ دو عالم زخمی ہو گئے

اسی سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں جب کہ بکھرے ہوئے مسلمان ابھی رحمت عالم

ﷺ کے پاس جمع بھی نہیں ہوئے تھے کہ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کے بہادروں میں بہت ہی نامور تھا۔ اس نے ناگہاں حضور ﷺ کو دیکھ لیا ایک دم بجلی کی طرح صفوں کو چیرتا ہوا آیا اور تاجدارِ دوعالم ﷺ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ ظالم نے پوری طاقت سے آپ کے چہرۂ انور پر تلوار ماری جس سے خود کی دو کڑیاں رخ انور میں چبھ گئیں۔ ایک دوسرے کافر نے آپ کے چہرۂ اقدس پر ایسا پتھر مارا کہ آپ کے دو دندان مبارک شہید اور نیچے کا مقدس ہونٹ زخمی ہو گیا اسی حالت میں ابی بن خلف ملعون اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کو شہید کر دینے کی نیت سے آگے بڑھا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے ایک جانثار صحابی حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لے کر ابی بن خلف کی گردن پر مارا جس سے وہ تلملا گیا۔ گردن پر بہت معمولی زخم آیا اور وہ بھاگ نکلا مگر اپنے لشکر میں جا کر اپنی گردن کے زخم کے بارے میں لوگوں سے اپنی تکلیف اور پریشانی ظاہر کرنے لگا اور بے پناہ ناقابل برداشت درد کی شکایت کرنے لگا اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ''یہ تو معمولی خراش ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟'' اس نے کہا کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ ایک مرتبہ مجھ سے محمد (ﷺ) نے کہا تھا کہ میں تم کو قتل کروں گا اس لئے یہ تو بہر حال زخم ہے میرا تو اعتقاد ہے کہ اگر وہ میرے اوپر تھوک دیتے تو بھی میں سمجھ لیتا کہ میری موت یقینی ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابی بن خلف نے مکہ میں ایک گھوڑا پالا تھا۔ جس کا نام اس نے ''عوذ'' رکھا تھا۔ وہ روزانہ اس کو چراتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میں اسی گھوڑے پر سوار ہو کر محمد (ﷺ) کو قتل کروں گا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اِنْ شَآءَ اللہ تعالیٰ میں اُبی بن خلف کو قتل کروں گا۔ چنانچہ ابی بن خلف اپنے اسی گھوڑے پر چڑھ کر جنگِ اُحد میں آیا تھا جو یہ واقعہ پیش آیا۔

ابی بن خلف نیزہ کے زخم سے بے قرار ہو کر راستہ بھر تڑپتا اور بلبلاتا رہا یہاں تک کہ جنگِ اُحد سے واپس آتے ہوئے مقام ''سرف'' میں مر گیا۔ (زُرقانی علی المواہب ج۲ ص۴۵)

اس طرح ابن قمیہ ملعون جس نے حضور ﷺ کے رخ انور پر تلوار چلا دی تھی۔ ایک پہاڑی بکرے کو خداوند قہار و جبار نے اس پر مسلط فرما دیا اور اس نے اس کو سینگ مار مار کر چھلنی بنا ڈالا۔ اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے گرا دیا جس سے اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئی۔ (زُرقانی ج۲ ص۳۹)

صحابہ کا جوش جانثاری

جب حضور اکرم ﷺ زخمی ہو گئے تو چاروں طرف سے کفار نے آپ پر تیر و تلوار کا وار شروع کر دیا اور کفار کا بے پناہ ہجوم آپ کے ہر چہار طرف سے حملہ کرنے لگا۔ جس سے آپ کفار کے نرغہ میں محصور ہونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر جانثار صحابہ کا جوش جانثاری سے خون کھولنے لگا اور وہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آپ کو بچانے کے لئے اس جنگ کی آگ میں کود پڑے اور آپ کے گرد ایک حلقہ بنا لیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر آپ کے لئے ڈھال بن گئے اور چاروں طرف سے جو تلواریں برس رہی تھیں ان کو وہ اپنی پشت پر لیتے رہے اور آپ تک کسی تلوار یا نیزے کی مار کو پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جانثاری کا یہ عالم تھا کہ وہ کفار کی تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر شل ہو گیا اور ان کے بدن پر پینتیس یا اُنتالیس زخم لگے غرض جانثار صحابہ نے حضور ﷺ کی حفاظت میں اپنی جانوں کی پروا نہیں کی اور ایسی بہادری اور جاں بازی سے جنگ کرتے رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نشانہ بازی میں مشہور تھے۔ انہوں نے اس موقع پر اس قدر تیر برسائے کہ کئی کمانیں ٹوٹ گئیں انہوں نے حضور ﷺ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بٹھا لیا تھا تا کہ دشمنوں کے تیر یا تلوار کا کوئی وار آپ پر نہ آ سکے کبھی کبھی آپ دشمنوں کی فوج کو دیکھنے کے لئے گردن اٹھاتے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ گردن نہ اٹھائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے یا رسول اللہ! آپ میری پیٹھ کے پیچھے ہی رہیں میرا سینہ آپ کے لئے ڈھال بنا ہوا ہے۔ (بخاری غزوۂ احد ص ۵۸۱)

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چہرۂ انور کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کئے ہوئے تھے۔ ناگہاں کافروں کا ایک تیر ان کی آنکھ میں لگا اور آنکھ بہہ کر ان کے رخسار پر آ گئی حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھ کو اٹھا کے حلقہ میں رکھ دیا اور یوں دعا فرمائی کہ یا اللہ! قتادہ کی آنکھ بچا لے جس نے تیرے رسول کے چہرہ کو بچایا ہے مشہور ہے کہ ان کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہو گئی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۴۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تیر اندازی میں انتہائی باکمال تھے یہ بھی حضور ﷺ کی مدافعت میں جلدی جلدی تیر چلا رہے تھے۔ اور حضور انور ﷺ خود اپنے دست مبارک سے تیر اُٹھا اُٹھا کر ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے سعد! تیر برساتے جاؤ۔ تم پر میرے ماں باپ قربان۔ (بخاری غزوۂ احد ص ۵۸۰)

ظالم کفار انتہائی بے دردی کے ساتھ حضور انور ﷺ پر تیر برسا رہے تھے مگر اس وقت بھی زبان مبارک پر یہ دعا تھی۔ رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ۔ (یعنی اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔) (مسلم غزوۂ احد ج ۲ ص ۹۰)

حضورِ اقدس ﷺ دندان مبارک کے صدمہ اور چہرۂ انور کے زخموں سے نڈھال ہو رہے تھے اس حالت میں ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے جا بجا کھود کر ان کو چھپا دیا تھا تا کہ مسلمان لاعلمی میں ان گڑھوں کے اندر گر پڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اٹھایا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود (لوہے کی ٹوپی) کی کڑی کا ایک حلقہ جو چہرۂ انور میں چبھ گیا تھا اپنے دانتوں سے پکڑ کر اس زور کے ساتھ کھینچ کر نکالا کہ ان کا ایک دانت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا پھر دوسرا حلقہ جو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تو دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا چہرۂ انور سے جو خون بہا اس کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش عقیدت سے چوس چوس کر پی لیا اور ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے مالک بن سنان! کیا تو نے میرا خون پی ڈالا۔ عرض کیا کہ جی ہاں۔ یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ جس نے میرا خون پی لیا۔ جہنم کی کیا مجال جو اس کو چھو سکے۔

(زُرقانی ج ۲ ص ۳۹)

اس حالت میں رسول اللہ ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گئے۔ جہاں کفار کے لئے پہنچنا دشوار تھا ابوسفیان نے دیکھ لیا اور فوج لے کر وہ بھی پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے جانثار صحابہ نے کافروں پر اس زور سے پتھر برسائے کہ ابوسفیان اس کی تاب نہ لا سکا اور پہاڑ سے اتر گیا۔

حضورِ اقدس ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما تھے۔ اور چہرۂ انور سے خون بہہ رہا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے۔

اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے خون دھو رہی تھیں۔ مگر خون بند نہیں ہوتا تھا بالآخر کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی تو خون فوراً ہی تھم گیا۔''

(بخاری غزوۂ احد ج۲ ص۵۸۴)

ابوسفیان کا نعرہ اور اس کا جواب

ابوسفیان جنگ کے میدان سے واپس جانے لگا تو ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور زور زور سے پکارا کہ کیا یہاں محمد (ﷺ) ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ تم لوگ اس کا جواب نہ دو۔ پھر اس نے پکارا کہ کیا تم میں عمر ہیں؟ جب اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا تو ابوسفیان گھمنڈ سے کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور میرا جواب دیتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ نے چلا کر کہا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے اپنی فتح کے گھمنڈ میں یہ نعرہ مارا کہ ''اُعْلُ ھُبَلْ - اُعْلُ ھُبَلْ'' یعنی اے ہبل! تو سربلند ہو جا۔ اے ہبل تو سربلند ہو جا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ بھی اس کے جواب میں نعرہ لگاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم کیا کہیں؟ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ نعرہ مارو کہ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ یعنی اللہ سب سے بڑھ کر بلند مرتبہ اور بڑا ہے ابوسفیان نے کہا کہ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ یعنی ہمارے لئے عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے لئے کوئی ''عزیٰ'' نہیں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے جواب میں یہ کہو کہ اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ابوسفیان نے بآواز بلند بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ اور جواب ہے لڑائی میں کبھی فتح کبھی شکست ہوتی ہے اے مسلمانو! ہماری فوج نے تمہارے مقتولوں کے کان ناک کاٹ کر ان کی صورتیں بگاڑ دی ہیں مگر میں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا نہ مجھے اس پر کوئی رنج وافسوس ہوا ہے یہ کہہ کر ابوسفیان میدان سے ہٹ گیا اور چل دیا۔ (زُرقانی ج۲ ص۴۸ و بخاری غزوۂ احد ج۲ ص۵۷۹)

ہند جگر خوار

کفارِ قریش کی عورتوں نے جنگِ بدر کا بدلہ لینے کے لئے جوش میں شہداء کرام کی لاشوں پر جا کر ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر صورتیں بگاڑ دیں اور ابوسفیان کی بیوی ہند

نے تو اس بے دردی کا مظاہرہ کیا کہ ان اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ ہند حضرت حمزہ ؓ کی مقدس لاش کو تلاش کرتی پھر رہی تھی کیونکہ حضرت حمزہ ہی نے جنگِ بدر کے دن ہند کے باپ عتبہ کو قتل کیا تھا جب اس بیدرد نے حضرت حمزہ ؓ کی لاش کو پالیا تو خنجر سے ان کا پیٹ پھاڑ کر کلیجہ نکالا اور اس کو چبا گئی لیکن حلق سے نہ اتر سکا اس لئے اگل دیا تاریخوں میں ہند کا لقب جو ''جگر خوار'' ہے وہ اسی واقعہ کی بنا پر ہے ہند اور اس کے شوہر ابوسفیان نے رمضان ۸ ھ میں فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ (رضی اللہ عنہما) (زُرقانی ج ۲ ص ۴۷ وغیرہ)

سعد بن الربیع کی وصیت

حضرت زید بن ثابت ؓ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے حکم سے حضرت سعد بن الربیع ؓ کی لاش کی تلاش میں نکلا تو میں نے ان کو سکرات کے عالم میں پایا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام عرض کر دینا اور اپنی قوم سے بعد سلام میرا یہ پیغام سنا دینا کہ جب تک تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ تک کفار پہنچ گئے تو خدا کے دربار میں تمہارا کوئی عذر بھی قابل قبول نہ ہوگا۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۴۸)

خواتین اسلام کے کارنامے

جنگِ اُحد میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی بہت ہی مجاہدانہ جذبات کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ یہ دونوں پائینچے چڑھائے ہوئے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین خصوصاً زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ اسی طرح حضرت ابوسعید خدری ؓ کی والدہ حضرت بی بی اُمِ سلیط بھی برابر پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ (بخاری ج ۲ باب ذکر ام سلیط ص ۵۸۲)

حضرت اُم عمارہ کی جانثاری

حضرت بی بی ام عمارہ جن کا نام ''نسیبہ'' ہے۔ جنگِ اُحد میں اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم اور دو فرزند حضرت عمارہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر آئی تھیں۔ پہلے تو یہ

مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔ لیکن جب حضور ﷺ پر کفار کی یلغار کا ہوش ربا منظر دیکھا تو مشک کو پھینک دیا اور ایک خنجر لے کر کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو گئیں اور کفار کے تیر و تلوار کے ہر ایک وار کو روکتی رہیں۔ چنانچہ ان کے سر اور گردن پر تیرہ زخم لگے۔ ابن قمیہ ملعون نے جب حضور رسالت مآب ﷺ پر تلوار چلا دی تو بی بی اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اپنے بدن پر روکا۔ چنانچہ ان کے کندھے پر اتنا گہرا زخم آیا کہ غار پڑ گیا۔ پھر خود بڑھ کر ابن قمیہ کے شانے پر زوردار تلوار ماری لیکن وہ ملعون دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے بچ گیا۔

حضرت بی بی اُمِ عمارہ کے فرزند حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک کافر نے زخمی کر دیا اور میرے زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ میری والدہ حضرت اُمِ عمارہ نے فوراً اپنا کپڑا پھاڑ کر زخم کو باندھ دیا اور کہا کہ بیٹا اُٹھو کھڑے ہو جاؤ اور پھر جہاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اتفاق سے وہی کافر حضور ﷺ کے سامنے آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے ام عمارہ! دیکھ تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت بی بی اُمِ عمارہ نے جھپٹ کر اس کافر کی ٹانگ پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ کافر گر پڑا اور پھر چل نہ سکا بلکہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا۔ یہ منظر دیکھ کر حضور ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے اُمِ عمارہ: تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھ کو اتنی طاقت اور ہمت عطا فرمائی کہ تو نے خدا کی راہ میں جہاد کیا

حضرت بی بی اُمِ عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ ہم لوگوں کو جنت میں آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہو جائے اس وقت آپ نے ان کے لئے اور ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کے لئے اس طرح دعا فرمائی کہ۔

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّۃِ"

یااللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے

حضرت بی بی اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علانیہ یہ کہتی رہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے بعد دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی مجھ پر آ جائے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔

(مدارج ج ۲ ص ۱۲۶)

حضرت صفیہ کا حوصلہ

حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر

آئیں تو آپ نے انکے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میری پھوپھی اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن میں اس کو خدا کی راہ میں کوئی بڑی قربانی نہیں سمجھتی۔ پھر حضور ﷺ کی اجازت سے لاش کے پاس گئیں اور یہ منظر دیکھا کہ پیارے بھائی کے کان، ناک، آنکھ سب کٹے پڑے شکم چاک، جگر چبایا ہوا پڑا ہے یہ دیکھ کر اس شیر دل خاتون نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوا کچھ بھی نہ کہا۔ پھر ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوئی چلی آئیں۔ (طبری ص ۱۴۲۱)

ایک انصاری عورت کا صبر

ایک انصاری عورت جس کا شوہر، باپ، بھائی سبھی اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے تینوں کی شہادت کی خبر باری باری سے لوگوں نے اُسے دی۔ مگر وہ ہر بار یہی پوچھتی رہی کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ جب لوگوں نے اس کو بتایا کہ الحمدللہ وہ زندہ اور سلامت ہیں تو بے اختیار اس کی زبان سے اس شعر کا مضمون نکل پڑا کہ

تسلی ہے پناہ بے کساں زندہ سلامت ہیں
کوئی پروا نہیں سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اللہ اکبر! اس شیر دل عورت کے صبر و ایثار کا کیا کہنا؟ شوہر، باپ، بھائی، تینوں کے قتل سے دل پر صدمات کے تین تین پہاڑ گر پڑے ہیں۔ مگر پھر بھی زبان حال سے اس کا یہی نعرہ ہے کہ

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(طبری ص ۱۴۲۵)

شہدائے کرام

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام نے جامِ شہادت نوش فرمایا جن میں چار مہاجر اور چھیاسٹھ انصار تھے تیس کی تعداد میں کفار بھی نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۳۳)

مگر مسلمانوں کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ان شہداء کرام کے کفن کے لئے کپڑا بھی نہیں

تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ بوقت شہادت ان کے بدن پر صرف ایک اتنی بڑی کملی تھی کہ ان کی لاش کو قبر میں لٹانے کے بعد اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتا تھا' اور اگر پاؤں چھپایا جاتا تھا تو سر کھل جاتا تھا بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ شہداء کرام خون میں لتھڑے ہوئے دو دو شہید ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آگے رکھتے۔

(بخاری باب اذالم یوجد الاثواب واُحد ج۱ص۱۷۰ و بخاری ج۲ص۵۸۴ باب الذین استجابوا)

قبورِ شہداء کی زیارت

حضور ﷺ شہداء اُحد کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لئے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ شہداء کرام اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

چنانچہ حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں ایک دن اُحد کے میدان سے گزر رہی تھی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ** (اے رسول اللہ کے چچا آپ پر سلام ہو) تو میرے کان میں یہ آواز آئی کہ **وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ** (مدارج النبوۃ ج۲ص۱۳۵)

حیاتِ شہداء

چھیالیس برس کے بعد شہداء اُحد کی بعض قبریں کھل گئیں تو ان کے کفن سلامت اور بدن تر و تازہ تھے اور تمام اہل مدینہ اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ شہداء کرام اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور جب زخم سے ہاتھ اٹھایا تو تازہ خون نکل کر بہنے لگا۔

(مدارج النبوۃ ج۲ص۱۳۵)

کعب بن اشرف کا قتل

یہودیوں میں کعب بن اشرف بہت ہی دولت مند تھا۔ یہودی علماء اور یہود کے مذہبی

پیشواؤں کو اپنے خزانہ سے تنخواہ دیتا تھا۔ دولت کے ساتھ شاعری میں بھی بہت باکمال تھا جس کی وجہ سے نہ صرف یہودیوں بلکہ تمام قبائل عرب پر اس کا ایک خاص اثر تھا اس کو حضور ﷺ سے سخت عداوت تھی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح' اور سرداران قریش کے قتل ہو جانے سے اس کو انتہائی رنج و صدمہ ہوا۔ چنانچہ یہ قریش کی تعزیت کے لئے مکہ گیا اور کفارِ قریش کا جو بدر میں مقتول ہوئے تھے ایسا پر درد مرثیہ لکھا کہ جس کو سن کر سامعین کے مجمع میں ماتم برپا ہو جاتا تھا۔ اس مرثیہ کو یہ شخص قریش کو سنا سنا کر خود بھی زار زار روتا تھا اور سامعین کو بھی رلاتا تھا۔ مکہ میں ابوسفیان سے ملا اور اس کو مسلمانوں سے جنگ بدر کا بدلہ لینے پر ابھارا۔ بلکہ ابوسفیان کو لے کر حرم میں آیا اور کفار مکہ کے ساتھ خود بھی کعبہ کا غلاف پکڑ کر عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا ضرور انتقام لیں گے۔ پھر مکہ سے مدینہ لوٹ کر آیا تو حضورِ اکرم ﷺ کی ہجو لکھ کر شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرنے لگا۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ کو چپکے سے قتل کرا دینے کا قصد کیا۔

کعب بن اشرف یہودی کی یہ حرکتیں سراسر اس معاہدہ کی خلاف ورزی تھیں جو یہود اور انصار کے درمیان ہو چکا تھا۔ کہ مسلمانوں اور کفار قریش کی لڑائی میں یہودی غیر جانبدار رہیں گے۔ بہت دنوں تک مسلمان برداشت کرتے رہے مگر جب بانیٔ اسلام ﷺ کی مقدس جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت ابونائلہ و حضرت عباد بن بشر و حضرت حارث بن اوس و حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا اور رات میں کعب بن اشرف کے مکان پر گئے اور ربیع الاول سن ۳ ھ کو اس کے قلعہ کے پھاٹک پر اس کو قتل کر دیا اور صبح کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کا سر تاجدار دو عالم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس قتل کے سلسلہ میں حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ تلوار کی نوک سے زخمی ہو گئے تھے۔ محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم ان کو کندھوں پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے اور آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے زخم پر لگا دیا تو اُسی وقت شفاءِ کامل حاصل ہو گئی۔

(زُرقانی جلد۲ ص۱۰ و بخاری ج۲ ص۵۷۶ و مسلم ص۱۱۰)

غزوہ غطفان

ربیع الاول سن ۳ ھ میں حضور ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ نجد کے ایک مشہور بہادر ''دعثور بن الحارث محاربی'' نے ایک لشکر تیار کر لیا ہے تا کہ مدینہ پر حملہ کرے۔ اس خبر کے بعد آپ

چار سو صحابہ کرام کی فوج لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے جب دعثور کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے دیار میں آ گئے تو وہ بھاگ نکلا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مگر اس کی فوج کا ایک آدمی جس کا نام ''حبان'' تھا گرفتار ہو گیا اور فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اتفاق سے اس روز زوردار بارش ہو گئی حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے لیٹ کر اپنے کپڑے سکھانے لگے۔ پہاڑ کی بلندی سے کافروں نے دیکھ لیا کہ آپ بالکل اکیلے اور اپنے اصحاب سے دور بھی ہیں۔ ایک دم دعثور بجلی کی طرح پہاڑ سے اتر کر ننگی شمشیر ہاتھ میں لئے ہوئے آیا اور حضور ﷺ کے سر مبارک پر تلوار بلند کر کے بولا۔ کہ بتایئے اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچا لے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا اللہ مجھ کو بچا لے گا۔'' چنانچہ جبریل علیہ السلام دم زدن میں زمین پر اتر پڑے اور دعثور کے سینے میں ایک ایسا گھونسہ مارا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور دعثور عین غین ہو کر رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً تلوار اٹھا لی اور فرمایا کہ بول۔ اب تجھ کو میری تلوار سے کون بچائے گا؟ دعثور نے کانپتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ ''کوئی نہیں'' رحمۃ للعالمین ﷺ کو اس کی بے کسی پر رحم آ گیا اور آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا دعثور اس اخلاقِ نبوت سے بے حد متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم میں آ کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔

اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور حضور ﷺ گیارہ یا پندرہ دن مدینہ سے باہر رہ کر پھر مدینہ آ گئے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۱۵ و بخاری ج ۲ ص ۵۱۳)

بعض مورخین نے اس تلوار کھینچنے والے واقعہ کو ''غزوۂ ذات الرقاع'' کے موقع پر بتایا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ تاریخ نبوی میں اس قسم کے دو واقعات ہوئے ہیں۔ ''غزوۂ غطفان'' کے موقع پر سرِ انور کے اوپر تلوار اٹھانے والا ''دعثور بن حارث محاربی'' تھا۔ جو مسلمان ہو کر اپنی قوم کے اسلام کا باعث بنا اور غزوہ ذات الرقاع میں جس شخص نے حضورِ اقدس ﷺ پر تلوار اٹھائی تھی اس کا نام ''غورث'' تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ مرتے وقت تک اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ہاں البتہ اس نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ حضور ﷺ سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۱۶)

۳ھ کے واقعات متفرقہ

ہجرت کے تیسرے سال میں مندرجہ ذیل واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔

۱- ۱۵ رمضان سن ۳ھ کو حضرت امام حسین ؓ کی ولادت ہوئی۔

۲- اسی سال حضور اقدس ﷺ نے حضرت بی بی حفصہ ؓ سے نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ ؓ حضرت عمر فاروق ؓ کی صاحبزادی ہیں جو غزوۂ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ ان کے مفصل حالات ازواجِ مطہرات کے ذکر میں آگے تحریر کئے جائیں گے۔

۳- اسی سال حضرت عثمانِ غنی ؓ نے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم ؓ سے نکاح کیا۔

۴- میراث کے احکام و قوانین بھی اسی سال نازل ہوئے۔ اب تک میراث میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ان کے حقوق کا مفصل بیان نازل ہو گیا۔

۵- اب تک مشرک عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے جائز تھا۔ مگر ۳ھ میں اس کی حرمت نازل ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے مشرک عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے حرام کر دیا گیا۔
(واللہ تعالیٰ اعلم)

نواں باب

ہجرت کا چوتھا سال

ہجرت کا چوتھا سال بھی کفار کے ساتھ چھوٹی بڑی لڑائیوں ہی میں گزرا۔ جنگِ بدر کی فتح مبین سے مسلمانوں کا رعب تمام قبائل عرب پر بیٹھ گیا تھا۔ اس لئے تمام قبیلے کچھ دنوں کے لئے خاموش بیٹھ گئے تھے۔ لیکن جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے سے دوبارہ تمام قبائل دفعتہً اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی اپنے دفاع کے لئے لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔ سن ۴ ھ کی مشہور لڑائیوں میں سے چند یہ ہیں۔

سریہ ابوسلمہ

یکم محرم سن ۴ ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلیحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے نکل پڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا جس میں حضرت ابوسبرہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے معزز مہاجرین و انصار بھی تھے۔ لیکن کفار کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جن کو مسلمان مجاہدین نے مالِ غنیمت بنا لیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۶۲)

سریہ عبداللہ بن انیس

محرم سن ۴ ھ کو اطلاع ملی کہ "خالد بن سفیان ہزلی" مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لائے اور

تاجدارِ دو عالم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری اور جان بازی سے خوش ہو کر ان کو اپنا عصا (چھڑی) عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لے کر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ اس عَصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۶۴)

حادثۂ رجیع

عسفان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام "رجیع" ہے یہاں کی زمین سات مقدس صحابۂ کرام کے خون سے رنگین ہوئی۔ اس لئے یہ واقعہ "سریۂ رجیع" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی سن ۴ ھ میں پیش آیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ عضل وقارہ کے چند آدمی بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب آپ چند صحابہ کرام کو وہاں بھیج دیں تا کہ وہ ہماری قوم کو عقائد و اعمال اسلام سکھا دیں۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے دس منتخب صحابہ کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ جب یہ مقدس قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو غدار کفار نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کے کافروں نے دو سو کی تعداد میں جمع ہو کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے تیر چلانا شروع کیا اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں اس لئے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کر سکتا یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ "یا اللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے۔" پھر وہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھی۔ اس لئے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا پتہ چلا تو کفار مکہ نے چند

آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا تا کہ ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جس سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں۔ لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لئے کفارِ مکہ ناکام واپس چلے گئے۔ (زُرقانی ج۲ص۷۳ و بخاری ج۲ص۵۶۹)

باقی تین اشخاص حضرت خبیب و حضرت زید بن دثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بدعہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بدعہدی ہے اور میرے لئے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(بخاری ج۲ص۵۶۸ و زُرقانی ج۲ص۶۷)

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لئے یہ دونوں مجبور ہو گئے تھے ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا۔ تا کہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ اور حضرت زید بن دثنہ کو اُمیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا۔ پھر حدودِ حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ حضرت خبیب نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ قاتلوں نے اجازت دے دی۔ آپ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں۔ کیونکہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی مگر مجھ کو یہ خیال آ گیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں۔ کفار نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا اس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللہِ مَصْرَعِیْ

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں، تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل

کیا جاؤں گا۔

وَذٰلِكَ فِـی ذَاتِ الْاِلٰـهِ وَاِنْ يَّشَـاءُ
يُبَـارِكْ عَلٰـى اَوْصَـالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

یہ سب کچھ خدا کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا' تو میرے کٹے پٹے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔

حارث بن عامر کے لڑکے ''ابوسروعہ'' نے آپ کو قتل کیا۔ مگر خدا کی شان کہ یہی ابو سروعہ اور ان کے دونوں بھائی ''عقبہ'' اور ''جحیر'' پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز ہو گئے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۶۹ و زُرقانی ج ۲ ص ۶۴ تا ۷۸)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی قبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار لائے اس کے لئے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقامِ ''تنعیم'' میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے پاس پہنچے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے۔ ان دونوں حضرات نے سولی سے لاش کو اُتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیئے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش تر و تازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے۔ ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کر لیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹ گئی اور لاش مبارک کو نگل گئی اور پھر زمین اس طرح برابر ہو گئی کہ پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب ''بلیع الارض'' (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

اس کے بعد ان حضرات نے کفار سے کہا کہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں۔ اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو۔ ورنہ اپنا راستہ لو۔ کفار نے ان حضرات کے پاس لاش نہیں دیکھی اس لئے مکہ واپس چلے گئے۔ جب دونوں صحابہ کرام نے

بارگاہ رسالت میں سارا ماجرا عرض کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر دربار تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے ان دونوں یاروں کے اس کارنامہ پر ہم فرشتوں کی جماعت کو بھی فخر ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص۱۴۱)

حضرت زید کی شہادت

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لئے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے۔ جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی۔ تو ابوسفیان نے کہا کہ کیوں؟ اے زید! سچ کہنا۔ اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (ﷺ) اس طرح قتل کیے جاتے۔ تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابوسفیان خدا کی قسم! میں اپنی جان کو قربان کر دینا عزیز سمجھتا ہوں' مگر میرے پیارے رسول ﷺ کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ مجھے کبھی یہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمد پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا کفِ پا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے۔ مگر محمد (ﷺ) کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔ صفوان کے غلام ''نسطاس'' نے تلوار سے ان کی گردن ماری۔ (زُرقانی ج۲ ص۷۳)

واقعہ بیر معونہ

ماہ صفر سن ۴ھ میں ''بیر معونہ'' کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے ''ملاعب الاسنہ'' (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا۔ بارگاہ رسالت میں آیا۔ حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے نہ تو اسلام قبول کیا نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی۔ بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا

کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو ''قراء'' کہلاتے تھے۔ بھیج دیا یہ حضرات جب مقام ''بیر معونہ'' پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا۔ اس نے خط کو پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل وزکوان اور عصیہ' و بنولحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لیا اور صحابہ کرام پر حملہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ حضرات صحابہ کرام بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ مگر جب بہت زیادہ دیر ہو گئی۔ تو یہ لوگ آگے بڑھے راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہو گئی کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام شہید کر دیا۔ انہی شہداء کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی پھر زمین پر آ گئی اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر نہیں ملی کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۸۷ باب غزوۃ الرجیع)

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ اس لئے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چل کر جب مقام ''قرقرہ'' میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے۔ وہیں قبیلہ بنو کلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عامر بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔ مگر ان دونوں شخصوں کو حضور ﷺ امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نہ تھا۔

جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے سارا حال دربار رسالت میں بیان کیا تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت ﷺ کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی

بھی اتنا رنج وصدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ مہینہ بھر تک قبائل رعل وذکوان اور عصیہ وبنولحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا حضور ﷺ نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔

(بخاری ج۱ ص۱۳۶ اور زرقانی ج۲ ص۷۴ تا ۷۸)

غزوۂ بنونضیر

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنوکلاب کے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا اور حضور ﷺ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔ اسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے حضورِ اقدس ﷺ قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ کیونکہ ان یہودیوں سے آپ کا معاہدہ تھا مگر یہودی درحقیقت بہت ہی بد باطن ذہنیت والی قوم ہیں معاہدہ کر لینے کے باوجود ان خبیثوں کے دلوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی اور عناد کی آگ بھری ہوئی تھی۔ ہر چند حضور ﷺ ان بد باطنوں سے اہل کتاب ہونے کی بنا پر اچھا سلوک فرماتے تھے مگر یہ لوگ ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی اور بانیٔ اسلام کی دشمنی میں مصروف رہے۔ مسلمانوں سے بغض وعناد اور کفار ومنافقین سے ساز باز اور اتحاد یہی ہمیشہ ان غداروں کا طرزِ عمل رہا۔ چنانچہ اس موقع پر جب رسول اللہ ﷺ ان یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے بظاہر تو بڑے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ مگر اندرونی طور پر بڑی ہی خوفناک سازش اور انتہائی خطرناک اسکیم کا منصوبہ بنالیا۔

حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے یہودیوں نے ان سب حضرات کو ایک دیوار کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا اور آپس میں یہ مشورہ کیا کہ چھت پر سے ایک بہت ہی بڑا اور وزنی پتھر ان حضرات پر گرا دیں تاکہ یہ سب لوگ دب کر ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ عمرو بن حجاش اس مقصد کے لئے چھت کے اوپر چڑھ گیا۔ محافظِ حقیقی پروردگار عالم نے اپنے حبیب ﷺ کو یہودیوں کی اس ناپاک سازش سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا۔ اس لئے فوراً ہی آپ وہاں سے اٹھ کر چپ چاپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلے آئے اور مدینہ تشریف لا کر صحابہ کرام کو یہودیوں کی اس سازش سے آگاہ فرمایا۔ اور انصار ومہاجرین سے مشورہ کے بعد ان یہودیوں کے پاس قاصد بھیج

دیا۔

چونکہ تم لوگوں نے اپنی اس دسیسہ کاری اور قاتلانہ سازش سے معاہدہ توڑ دیا اس لئے اب تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ کہ تم اس مدت میں مدینہ سے نکل جاؤ اس کے بعد جو شخص بھی تم میں کا یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ شہنشاہ مدینہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر بنو نضیر کے یہودی جلاوطن ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ مگر منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ان یہودیوں کا حامی بن گیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ہرگز ہرگز مدینہ سے نہ نکلو ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ اور بنو غطفان یہودیوں کے دو طاقتور قبیلے بھی تمہاری مدد کریں گے۔ بنو نضیر کے یہودیوں کو جب اتنا بڑا سہارا مل گیا تو وہ شیر ہو گئے اور انہوں نے حضور ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ آپ کے جو دل میں آئے کر لیجئے۔ (مدارج جلد۲ ص ۱۴۷)

یہودیوں کے اس جواب کے بعد حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر خود بنو نضیر کا قصد فرمایا اور ان یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ پندرہ دن تک قائم رہا۔ قلعہ میں باہر سے ہر قسم کے سامانوں کا آنا جانا بند ہو گیا اور یہودی بالکل ہی محصور و مجبور ہو کر رہ گئے۔ مگر اس موقع پر نہ تو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی مدد کے لئے آیا نہ بنو قریظہ اور بنو غطفان نے کوئی مدد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دغابازوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ
اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ
مِّنْكَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ
(سورۂ حشر آیت ۱۶)

ان لوگوں کی مثال شیطان جیسی ہے جب اس نے آدمی سے کہا کہ تو کفر کر پھر جب اس نے کفر کیا تو بولا کہ میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

یعنی جس طرح شیطان آدمی کو کفر پر ابھارتا ہے لیکن جب آدمی شیطان کے ورغلانے سے کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شیطان چپکے سے کھسک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اسی طرح منافقوں نے بنو نضیر کے یہودیوں کو شہ دے کر دلیر بنا دیا اور اللہ کے حبیب ﷺ سے لڑا دیا۔ لیکن جب بنو نضیر کے یہودیوں کو جنگ کا سامنا ہوا تو منافق چھپ کر اپنے گھروں میں

بیٹھ رہے۔

حضور ﷺ نے قلعہ کے محاصرہ کے ساتھ قلعہ کے آس پاس کھجوروں کے کچھ درختوں کو بھی کٹوا دیا کیونکہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں یہودی چھپ کر اسلامی لشکر پر چھاپا مارتے اور جنگ میں مسلمانوں کو دُشواری ہو جاتی۔ ان درختوں کو کاٹنے کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ درخت نہ کاٹے جائیں کیونکہ فتح کے بعد یہ سب درخت مالِ غنیمت بن جائیں گے اور مسلمان ان سے نفع اٹھائیں گے۔ اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کو کاٹ کر صاف کر دینے سے یہودیوں کی کمین گاہوں کو برباد کرنا اور ان کو نقصان پہنچا کر غیظ و غضب میں ڈالنا مقصود ہے۔ لہٰذا ان درختوں کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے اس موقع پر سورۂ حشر کی یہ آیت اتری۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا	جو درخت تم سے کاٹے' یا جن کو انکی جڑوں پر
قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ	قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کے حکم سے تھا تا
وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ (الحشر آیت ۵)	کہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو درخت کاٹنے والے ہیں ان کا عمل بھی درست ہے اور جو کاٹنا نہیں چاہتے وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ کچھ درختوں کو کاٹنا اور کچھ کو چھوڑ دینا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہیں۔

بہرحال آخر کار محاصرہ سے تنگ آ کر بنو نضیر کے یہودی اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ اپنا اپنا مکان اور قلعہ چھوڑ کر اس شرط پر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے کہ جس قدر مال و اسباب وہ اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں۔ حضور ﷺ نے یہودیوں کی اس شرط کو منظور فرما لیا اور بنو نضیر کے سب یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ کچھ تو ''خیبر'' چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر ''اذرعات'' اور ''آریحا'' میں آباد ہو گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے گھروں کی مسلمانوں نے جب تلاشی لی تو پچاس لوہے کی ٹوپیاں' پچاس زرہیں' تین سو چالیس تلواریں نکلیں جو حضور ﷺ کے قبضہ میں آئیں۔ (زُرقانی ج۲ ص۷۹ تا ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے یہودیوں کی اس جلا وطنی کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ حشر میں

اس طرح فرمایا کہ۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ
اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ
الْحَشْرِ ط مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ
یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ
الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ
وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی
الْاَبْصَارِ (الحشر آیت۲)

اللہ وہی ہے جس نے کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کیلئے (اے مسلمانو) تمہیں یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ انکے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آ گیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران کرتے ہیں تو عبرت پکڑو اے نگاہ والو!

بدرِ صغریٰ

جنگِ اُحد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ چنانچہ شعبان یا ذوالقعدہ سن ۴ ھ میں حضور ﷺ مدینہ کے نظم و نسق کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر لشکر کے ساتھ بدر میں تشریف لے گئے۔ آٹھ روز تک کفار کا انتظار کیا ادھر ابوسفیان بھی فوج کے ساتھ چلا ایک منزل چلا تھا کہ اس نے اپنے لشکر سے یہ کہا کہ یہ سال جنگ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اتنا زبردست قحط پڑا ہوا ہے کہ نہ آدمیوں کے لئے دانہ پانی ہے نہ جانوروں کے لئے گھاس چارہ۔ یہ کہہ کر ابو سفیان مکہ واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کے پاس کچھ مال تجارت بھی ساتھ تھا۔ جب جنگ نہیں ہوئی تو مسلمانوں نے تجارت کر کے خوب نفع کمایا اور مدینہ واپس چلے آئے۔

(مدارج جلد۲ ص ۱۵۱ وغیرہ)

سن ۴ ھ کے متفرق واقعات

۱- اسی سال غزوہ بنونضیر کے بعد جب انصار نے کہا کہ یارسول اللہ! بنونضیر کے جو اموال غنیمت میں ملے ہیں وہ سب آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیجئے ہم اس میں

سے کسی چیز کے طلب گار نہیں ہیں تو حضور ﷺ نے خوش ہو کر یہ دعا فرمائی کہ۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَآءَ
الْاَنْصَارِ وَاَبْنَآءَ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ۔

اے اللہ انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور
انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔

(مدارج جلد۲ص ۱۴۸)

۲- اسی سال حضور ﷺ کے نواسے حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں ایک مرغ نے چونچ ماردی جس کے صدمے سے وہ دو رات تڑپ کر وفات پا گئے۔
(مدارج جلد۲ص ۱۵۰)

۳- اسی سال حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ (مدارج جلد۲ص ۱۵۰)

۴- اسی سال حضور ﷺ نے حضرت ام المومنین بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔
(مدارج جلد۲ص ۱۵۰)

۵- اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ حضور ﷺ نے اپنا مقدس پیراہن ان کے کفن کے لئے عطا فرمایا اور ان کی قبر میں اتر کر ان کی میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا۔ اور فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد کے سوا کوئی شخص بھی قبر کے دبوچنے سے نہیں بچا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ ہی میت ایسی خوش نصیب ہوئی ہیں جن کی قبر میں حضور ﷺ خود اترے۔ اوّل حضرت بی بی خدیجہ، دوم حضرت بی بی خدیجہ کا ایک لڑکا، سوم عبداللہ مزنی جن کا لقب ذوالبجادین ہے۔ چہارم حضرت بی بی عائشہ کی ماں، حضرت اُمِ رومان، پنجم حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (مدارج جلد۲ص ۱۵۰)

۶- اسی سال ۴ شعبان ۴ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔ (مدارج جلد۲ص ۱۵۱)

۷- اسی سال ایک یہودی نے ایک یہودی کی عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہودیوں نے یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش کیا تو آپ نے تورات و قرآن دونوں کتابوں کے فرمان سے اس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (مدارج جلد۲ص ۱۵۲)

۸- اسی سال طعمہ بن ابیرق نے جو مسلمان تھا چوری کی تو حضور ﷺ نے قرآن کے حکم سے

اس کا ہاتھ کٹوا دیا اس کے بعد طعمہ مکہ سے بھاگ گیا وہاں بھی اس نے چوری کی اہل مکہ نے اس کو قتل کر ڈالا یا اس نے دیوار سے گر کر خودکشی کر لی یا دریا میں پھینک دیا گیا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ (مدارج جلد۲ ص۱۵۳)

۹- بعض مورخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا اور بعض کے نزدیک سن ٦ ھ میں اور بعض نے کہا کہ ۸ ھ میں شراب حرام کی گئی۔

(مدارج جلد۲ ص۱۵۳)

دسواں باب

ہجرت کا پانچواں سال

سن ۵ ھ

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے اور کفار قریش اور یہودیوں کی مشترکہ سازشوں سے تمام قبائل کفار کا حوصلہ اتنا بلند ہو گیا کہ سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کا جنون ہو گیا۔ چنانچہ سن ۵ ھ بھی کفر و اسلام کے بہت سے معرکوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ ہم یہاں چند مشہور غزوات و سرایا کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوہ ذات الرقاع

سب سے پہلے قبائل ''انمار و ثعلبہ'' نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے چار سو صحابہ کرام کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور ۱۰ محرم سن ۵ ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مقامِ ''ذات الرقاع'' تک تشریف لے گئے۔ لیکن آپ کی آمد کا حال سن کر یہ کفار پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ گئے اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مشرکین کی چند عورتیں ملیں جن کو صحابہ کرام نے گرفتار کر لیا اس وقت مسلمان بہت ہی مفلس اور تنگ دستی کی حالت میں تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لئے ایک ایک اونٹ تھا جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے۔ پہاڑی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لئے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کا نام ''غزوہ ذات الرقاع'' (پیوندوں والا غزوہ) ہو گیا۔ (بخاری غزوہ ذات الرقاع ج ۲ ص ۵۹۲)

بعض مورخین نے کہا کہ چونکہ وہاں کی زمین کے پتھر سفید و سیاہ رنگ کے تھے اور زمین ایسی نظر آتی تھی گویا سفید اور کالے پیوند ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس غزوہ کو ''غزوہ ذات الرقاع'' کہا جانے لگا۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہاں پر ایک درخت کا نام ''ذات الرقاع'' تھا۔ اس لئے لوگ اس کو غزوہ ذات الرقاع کہنے لگے ہوسکتا ہے کہ یہ ساری باتیں ہوں۔ (زُرقانی جلد۲ ص ۸۸)

مشہور امام سیرت ابن اسحاق کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس غزوہ میں حضور ﷺ نے ''صلوٰۃ الخوف'' پڑھی۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۹۰ و بخاری باب غزوہ ذات الرقاع ج ۲ ص ۵۹۲)

غزوہ دُومۃ الجندل

ربیع الاول سن ۵ ھ میں پتا چلا کہ ''مقام دومۃ الجندل'' میں جو مدینہ اور شہر دمشق کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع ہو رہی ہے۔ حضور ﷺ ایک ہزار صحابہ کرام کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے مدینہ سے نکلے۔ جب مشرکین کو یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنے مویشیوں اور چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ صحابہ کرام نے ان تمام جانوروں کو مالِ غنیمت بنا لیا اور آپ نے تین دن وہاں قیام فرما کر مختلف مقامات پر صحابہ کے لشکروں کو روانہ فرمایا۔ اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی اس سفر میں ایک مہینہ سے زائد آپ مدینہ سے باہر رہے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۹۴ تا ۹۵)

غزوۂ مریسیع

اس کا دوسرا نام ''غزوہ بنی المصطلق'' بھی ہے ''مریسیع'' ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے آٹھ منزل دور ہے۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان ''بنو المصطلق'' یہاں آباد تھا اور اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار تھا۔ اس نے بھی مدینہ پر فوج کشی کے لئے لشکر جمع کیا تھا جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو ۲ شعبان ۵ ھ کو حضورِ اقدس ﷺ مدینہ پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ جب حارث بن ضرار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ہوگئی تو اس پر ایسی دہشت سوار ہوگئی کہ وہ اور اس کی فوج بھاگ کر منتشر ہوگئی۔ مگر خود مریسیع کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور جم کر مسلمانوں پر تیر برسانے لگے۔ لیکن جب

مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا تو دس کفار مارے گئے اور ایک مسلمان بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ باقی سب کفار گرفتار ہو گئے جن کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں صحابہ کرام کے ہاتھ آئیں۔

(زرقانی ج۲ ص۹۷ تا ۹۸)

غزوہ مریسیع جنگ کے اعتبار سے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس جنگ میں بعض ایسے اہم واقعات درپیش ہو گئے کہ یہ غزوہ تاریخ نبوی کا ایک بہت ہی اہم اور شاندار عنوان بن گیا ہے ان مشہور واقعات میں سے چند یہ ہیں۔

منافقین کی شرارت

اس جنگ میں مالِ غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی شریک ہو گئے تھے ایک دن پانی لینے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں کچھ تکرار ہو گئی۔ مہاجر نے بلند آواز سے **یالَلمہاجرین** (اے مہاجرو! فریاد ہے) اور انصاری نے **یالَلانصار** (اے انصاریو! فریاد ہے) کا نعرہ مارا۔ یہ نعرہ سنتے ہی انصار و مہاجرین دوڑ پڑے اور اس قدر بات بڑھ گئی کہ آپس میں جنگ کی نوبت آ گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو شرارت کا موقع مل گیا۔ اس نے اشتعال دلانے کے لئے انصاریوں سے کہا کہ ''لو! یہ تو وہی مثل ہوئی کہ سَمِّنْ کَلْبَکَ یَاکُلُكَ (تم اپنے کتے کو فربہ کرو تا کہ وہ تمہیں کو کھا ڈالے) تم انصاریوں ہی نے ان مہاجرین کا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔ لہٰذا اب ان مہاجرین کی مالی امداد و مدد بالکل بند کر دو یہ لوگ ذلیل و خوار ہیں اور ہم انصار عزت دار ہیں۔ اگر ہم مدینہ پہنچے تو یقیناً ہم ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کر دیں گے۔ (قرآن سورۂ منافقون)

حضورِ اکرم ﷺ نے جب اس ہنگامہ کا شور و غوغا سنا تو انصار و مہاجرین سے فرمایا کہ کیا تم لوگ زمانہ جاہلیت کی نعرہ بازی کر رہے ہو؟ جمالِ نبوت دیکھتے ہی انصار و مہاجرین برف کی طرح ٹھنڈے پڑ گئے اور رحمت عالم ﷺ کے چند فقروں نے محبت کا ایسا دریا بہا دیا کہ پھر انصار و مہاجرین شیر و شکر کی طرح گھل مل گئے۔

جب عبداللہ بن اُبی کی بیہودہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی تو وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ ننگی تلوار لے کر آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ

میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے نہایت نرمی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اے عمر! خبردار ایسا نہ کرو ورنہ کفار میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل ہی خاموش ہو گئے۔ مگر اس خبر کا پورے لشکر میں چرچا ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ ابن اُبی جتنا بڑا اسلام اور بانی اسلام ﷺ کا دشمن تھا اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اس کے بیٹے اسلام کے سچے شیدائی' اور حضور ﷺ کے جاںنثار صحابی تھے۔ ان کا نام بھی عبداللہ تھا۔ جب اپنے باپ کی بکواس کا پتا چلا تو وہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ میرے باپ کے قتل کو پسند فرماتے ہوں تو میری تمنا ہے کہ کسی دوسرے کے بجائے میں خود اپنی تلوار سے اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں میں تمہارے باپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی برا سلوک نہیں کروں گا۔ (ابن سعد و طبری وغیرہ)

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مدینہ کے قریب وادی عقیق میں وہ اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم نے مہاجرین اور رسول اللہ ﷺ کو ذلیل کہا ہے خدا کی قسم! میں اس وقت تک تم کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت عطا نہ فرمائیں اور جب تک تم اپنی زبان سے یہ نہ کہو کہ حضور ﷺ تمام اولادِ آدم میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ اور تم سارے جہان والوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہو۔ تمام لوگ انتہائی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جب حضور ﷺ وہاں پہنچے اور یہ دیکھا کہ بیٹا باپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے اور عبداللہ بن ابی زور زور سے کہہ رہا ہے کہ "میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور حضورِ اکرم ﷺ سب سے زیادہ عزت دار ہیں۔" آپ نے یہ دیکھتے ہی حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو تا کہ یہ مدینہ میں داخل ہو جائے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۵۷)

حضرت جویریہ سے نکاح

غزوہ مریسیع کی جنگ میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے ان میں سردار قوم حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب تمام قیدی لونڈی غلام بنا کر

مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دیئے گئے۔ تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ کہہ دیا کہ تم مجھے اتنی اتنی رقم دے دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کوئی رقم نہیں تھی۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے قبیلے کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور میں مسلمان ہو چکی ہوں حضرت ثابت بن قیس نے اتنی اتنی رقم لے کر مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ آپ میری مدد فرمائیں تا کہ میں یہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم منظور کرو گی؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں خود تنہا تمہاری طرف سے ساری رقم ادا کر دوں اور تم کو آزاد کر کے میں تم سے نکاح کر لوں تا کہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خوشی خوشی اس کو منظور کر لیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساری رقم اپنے پاس سے ادا فرما کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرما لیا۔ جب یہ خبر لشکر میں پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرما لیا تو مجاہدین اسلام کے لشکر میں اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام تھے مجاہدین نے سب کو فوراً ہی آزاد کر کے رہا کر دیا اور لشکر اسلام کا ہر سپاہی یہ کہنے لگا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادی کر لی اس خاندان کا کوئی آدمی لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ ہم نے کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر خیر و برکت والا نہیں دیکھا کہ اس کی وجہ سے تمام خاندان بنی المصطلق کو غلامی سے آزادی نصیب ہو گئی۔ (ابوداؤد کتاب العتق ج۲ ص ۵۴۸)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصلی نام "برہ" تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نام کو بدل کر "جویریہ" نام رکھا۔ (مدارج جلد۲ ص ۱۵۵)

واقعۂ اِفک

اسی غزوہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپس آنے لگے تو ایک منزل پر رات میں پڑاؤ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بند ہودج میں سوار ہو کر سفر کرتی تھیں اور چند مخصوص آدمی اس ہودج کو اونٹ پر لادنے اور اتارنے کے لئے مقرر تھے۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لشکر

کی روانگی سے کچھ پہلے لشکر سے باہر رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ جب واپس ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ وہ دوبارہ اس ہار کی تلاش میں لشکر سے باہر چلی گئیں اس مرتبہ واپسی میں کچھ دیر لگ گئی اور لشکر روانہ ہو گیا آپ کا ہودج لادنے والوں نے یہ خیال کر کے کہ اُم المومنین ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور پورا قافلہ منزل سے روانہ ہو گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منزل پر واپس آئیں تو یہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ تنہائی سے سخت گھبرائیں۔ اندھیری رات میں اکیلے چلنا بھی خطرناک تھا اس لئے وہ یہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب اگلی منزل پر لوگ مجھے نہ پائیں گے تو ضرور ہی میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ وہ لیٹی لیٹی سو گئیں ایک صحابی جن کا نام حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے پیچھے اس خیال سے چلا کرتے تھے تاکہ لشکر کا گرا پڑا سامان اٹھاتے چلیں۔ وہ جب اس منزل پر پہنچے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا اور چونکہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے وہ بارہا اُم المومنین کو دیکھ چکے تھے اس لئے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انہیں مردہ سمجھ کر ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن'' پڑھا اس آواز سے وہ جاگ اٹھیں حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ہی ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی نے اس واقعہ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے کا ذریعہ بنا لیا اور خوب خوب اس تہمت کا چرچا کیا یہاں تک کہ مدینہ میں اس منافق نے اس شرمناک تہمت کو اس قدر اچھالا اور اتنا شور و غل مچایا کہ مدینہ میں ہر طرف اس افتراء اور تہمت کا چرچا ہونے لگا اور بعض مسلمان مثلاً حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے بھی اس تہمت کو پھیلانے میں کچھ حصہ لیا۔ حضورِ اقدس ﷺ کو اس شرانگیز تہمت سے بے حد رنج و صدمہ پہنچا اور مخلص مسلمانوں کو بھی انتہائی رنج و غم ہوا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ پہنچتے ہی سخت بیمار ہو گئیں پردہ نشین تو تھیں ہی صاحب فراش بھی ہو گئیں اور انہیں اس تہمت تراشی کی بالکل خبر ہی نہیں ہوئی۔ گو کہ حضور ﷺ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کا پورا پورا علم و یقین تھا۔ مگر چونکہ اپنی بیوی کا معاملہ تھا اس لئے آپ نے اپنی طرف سے اپنی بیوی کی برأت اور

پاکدامنی کا اعلان کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے اس درمیان میں آپ اپنے مخلص اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے رہے تاکہ ان لوگوں کے خیالات کا پتہ چل سکے۔ (بخاری ج۲ ص۵۹۴)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے اس تہمت کے بارے میں گفتگو فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ جائے کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو خداوند قدوس کب؟ اور کیسے برداشت فرمائے گا کہ وہ آپ کی زوجیت میں رہ سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کو زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑ سکے تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب یہ گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ کی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایسی قباحت کا مرتکب ہو سکے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو خبر دی کہ آپ اپنی نعلین اقدس کو اتار دیں اس لئے حضرت بی بی عائشہ معاذ اللہ اگر ایسی ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما دیتا کہ ''آپ کو اپنی زوجیت سے نکال دیں۔''

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سنی تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی! تو سچ بتا! اگر حضرت صفوان بن معطل کی جگہ میں ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی حرم پاک کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہوتی تو خدا کی قسم! میں کبھی ایسی خیانت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مجھ سے لاکھوں درجے بہتر ہیں اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو بدرجہا تم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کر سکتے ہیں؟ (مدارج التنزیل مصری ج۲ ص۱۳۴تا۱۳۵)

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس معاملہ میں حضرت علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے جب مشورہ طلب فرمایا تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ کہا کہ اَھْلَكَ وَلَا نَعْلَمُ

اِلَّا خَیْرًا کہ یارسول اللہ (ﷺ) وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم انہیں اچھی ہی جانتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں ڈالی ہے عورتیں ان کے سوا بہت ہیں اور آپ ان کے بارے میں ان کی لونڈی (حضرت بریرہ) سے پوچھ لیں وہ آپ سے سچ سچ کہہ دے گی۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے سوال فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے۔ کہ میں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ابھی کمسن لڑکی ہیں وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا ڈالتی ہے۔

پھر حضور ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مثل تھیں تو انہوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں خدا کی قسم! میں تو حضرت بی بی عائشہ کو اچھی ہی جانتی ہوں۔

(بخاری باب حدیث الافک ج۲ ص۵۹۶)

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے میری دل آزاری کی ہے۔ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا خدا کی قسم میں اپنی بیوی کو ہر طرح کی اچھی ہی جانتا ہوں۔ وَلَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلَّا خَیْرًا اور ان لوگوں (منافقوں) نے (اس بہتان میں) ایک ایسے مرد (صفوان بن معطل) کا ذکر کیا ہے جس کو میں بالکل اچھا ہی جانتا ہوں۔

(بخاری ج۲ ص۵۹۵ باب حدیث الافک)

حضور ﷺ کی برسر منبر اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما دونوں کی براءت و طہارت اور عفت و پاک دامنی کا پورا علم اور یقین تھا اور وحی نازل ہونے سے پہلے ہی آپ کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ منافق جھوٹے اور اُمّ المومنین پاک دامن ہیں ورنہ آپ برسر منبر قسم کھا کر ان دونوں کی اچھائی کا مجمع عام میں ہرگز اعلان نہ فرماتے۔ مگر پہلے ہی اعلان عام نہ فرمانے کی وجہ یہی تھی کہ اپنی

بیوی کی پاک دامنی کا اپنی زبان سے اعلان کرنا حضور ﷺ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب حد سے زیادہ منافقین نے شوروغوغا شروع کردیا تو حضور ﷺ نے منبر پر اپنے خیال اقدس کا اظہار فرمادیا۔ مگر اب بھی اعلان عام کے لئے آپ کو وحی الٰہی کا انتظار ہی رہا۔

یہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے آتے ہی بیمار ہوکر صاحب فراش ہوگئی تھیں۔ اس لئے وہ اس بہتان کے طوفان سے بالکل ہی بے خبر تھیں۔ جب انہیں مرض سے کچھ صحت حاصل ہوئی اور وہ ایک رات حضرت اُم مسطح صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رفع حاجت کے لئے صحرا میں تشریف لے گئیں تو ان کی زبانی انہوں نے اس دلخراش اور روح فرسا خبر کو سنا جس سے انہیں بڑا دھچکا لگا اور وہ شدت رنج وغم سے نڈھال ہوگئیں۔ چنانچہ ان کی بیماری میں مزید اضافہ ہوگیا اور وہ دن رات بلک بلک کر روتی رہیں۔ آخر جب ان سے یہ صدمہ جانکاہ برداشت نہ ہوسکا تو وہ حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں اور اس منحوس خبر کا تذکرہ اپنی والدہ سے کیا۔ ماں نے کافی تسلی و تشفی دی مگر یہ برابر لگاتار روتی رہی رہیں۔

اسی حالت میں ناگہاں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ! تمہارے بارے میں ایسی ایسی خبر اڑائی گئی ہے۔ اگر تم پاک دامن ہو اور یہ خبر جھوٹی ہے تو عنقریب خداوند تعالیٰ تمہاری براءت کا بذریعہ وحی اعلان فرمادے گا ورنہ تم توبہ واستغفار کرلو۔ کیونکہ جب کوئی بندہ خدا سے توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ حضور ﷺ کی یہ گفتگو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو بالکل تھم گئے اور انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا جواب دیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ پھر انہوں نے ماں سے جواب دینے کی درخواست کی تو ان کی ماں نے بھی یہی کہا۔ پھر خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے یہ عرض کیا کہ لوگوں نے جو ایک بے بنیاد بات اڑائی ہے اور یہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے اور کچھ لوگ اس کو سچ سمجھ چکے ہیں اس صورت میں اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک دامن ہوں تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں اس برائی کا اقرار کرلوں تو سب مان لیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری اور پاک دامن ہوں۔ اس وقت میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام

کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے لہٰذا میں بھی وہی کہتی ہوں جو انہوں نے کہا تھا یعنی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔ یہ کہتی ہوئی انہوں نے کروٹ بدل کر منہ پھیر لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس تہمت سے بری اور پاک دامن ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت کو ظاہر فرما دے گا۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سن کر ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ناگہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی اور آپ پر نزول وحی کے وقت کی بے چینی شروع ہو گئی اور باوجودیکہ شدید سردی کا وقت تھا مگر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگے۔ جب وحی اتر چکی تو مسکراتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد کرو کہ اس نے تمہاری برأت اور پاک دامنی کا اعلان فرما دیا۔ اور پھر آپ نے قرآن کی سورۂ نور میں سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی جو اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے شروع ہو کر وَاَنَّ اللهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ پر ختم ہوتی ہیں۔

ان آیات کے نازل ہو جانے کے بعد منافقوں کا منہ کالا ہو گیا اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس طرح چمک اٹھا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا میں نور ایمان سے اجالا ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت مسطح بن اثاثہ پر بڑا غصہ آیا۔ یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بچپن ہی میں ان کے والد وفات پا گئے تھے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی پرورش بھی کی تھی اور ان کی مفلسی کی وجہ سے ہمیشہ آپ ان کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے۔ مگر اس کے باوجود حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس تہمت تراشی اور اس کا چرچا کرنے میں کچھ حصہ لیا تھا اس وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ میں بھر کر یہ قسم کھالی کہ اب میں مسطح بن اثاثہ کی کبھی بھی کوئی مالی مدد نہیں کروں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے
اور گنجائش والے ہیں۔ قرابت والوں اور
مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے

اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ النور)

والوں کو دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس آیت کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم توڑ ڈالی اور پھر حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا خرچ بدستور سابق عطا فرمانے لگے۔

(بخاری حدیث الافک ج ۲ ص ۵۹۵ تا ۵۹۶ ملخصاً)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک خطبہ پڑھا اور سورۂ نور کی آیتیں تلاوت فرما کر مجمع عام میں سنا دیں اور تہمت لگانے والوں میں سے حضرت حسان بن ثابت و حضرت مسطح بن اثاثہ و حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ان چاروں کو حد قذف کی سزا میں اسی اسی درے مارے گئے۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۶۳ وغیرہ)

شارح بخاری علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بی بی عائشہ کی برأت اور پاک دامنی قطعی و یقینی ہے جو قرآن سے ثابت ہے اگر کوئی اس میں ذرا بھی شک کرے تو وہ کافر ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۵)

دوسرے تمام فقہاء امت کا بھی یہی مسلک ہے۔

آیت تیمّم کا نزول

ابن عبدالبر و ابن سعد و ابن حبان وغیرہ محدثین و علماء سیرت کا قول ہے کہ تیمّم کی آیت اسی غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی مگر روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آیت تیمّم کسی دوسرے غزوہ میں اتری ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۵۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔

بخاری شریف میں آیت تیمم کی شان نزول جو مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم لوگ مقام ''بیداء'' یا مقام ''ذات الجیش'' میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ لوگ اس ہار کی تلاش میں وہاں ٹھہر گئے اور وہاں پانی نہیں تھا تو کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شکایت کی کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عائشہ نے کیا کیا؟

حضور ﷺ اور صحابہ کو یہاں ٹھہرالیا ہے۔ حالانکہ یہاں پانی موجود نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس آئے اور جو کچھ خدا نے چاہا انہوں نے مجھ کو (سخت وست) کہا اور پھر (غصہ میں) اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچا مارنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے اس وجہ سے (مار کھانے کے باوجود) میں ہل نہیں سکتی تھی۔ صبح کو جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو وہاں کہیں پانی موجود ہی نہیں تھا ناگہاں حضور ﷺ پر تیمم کی آیت نازل ہوگئی۔ چنانچہ حضور ﷺ اور تمام اصحاب نے تیمم کیا اور نماز فجر ادا کی۔ اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (خوش ہو کر) کہا کہ اے ابو بکر کی آل! یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔ پھر ہم لوگوں نے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے ہم نے ہار کو پالیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۸ کتاب التیمم)

اس حدیث میں کسی غزوہ کا نام نہیں ہے مگر شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے جس کا دوسرا نام غزوہ مریسیع بھی ہے جس میں قصہ افک واقع ہوا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۶۵ کتاب التیمم)

اس غزوہ میں حضور ﷺ اٹھائیس دن مدینہ سے باہر رہے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۱۰۲)

جنگِ خندق

سن ۵ ھ کی تمام لڑائیوں میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور فیصلہ کن جنگ ہے چونکہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے شہر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اس لئے یہ لڑائی ''جنگ خندق'' کہلاتی ہے۔ اور چونکہ تمام کفار عرب نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف یہ جنگ کی تھی۔ اس لئے اس لڑائی کا دوسرا نام ''جنگ احزاب'' (تمام جماعتوں کی متحدہ جنگ) ہے قرآن مجید میں اس لڑائی کا تذکرہ اسی نام کے ساتھ آیا ہے۔

جنگِ خندق کا سبب

گزشتہ اوراق میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ ''قبیلہ بنو نضیر'' کے یہودی جب مدینہ سے نکال دیئے گئے تو ان میں سے یہودیوں کے چند رؤسا ''خیبر'' میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور خیبر کے یہودیوں نے ان لوگوں کا اتنا اعزاز و اکرام کیا کہ سلام بن الحقیق و حیی بن اخطب و کنانہ بن الربیع کو اپنا سردار مان لیا۔ یہ لوگ چونکہ مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب میں

بھرے ہوئے تھے اور انتقام کی آگ ان کے سینوں میں دہک رہی تھی اس لئے ان لوگوں نے مدینہ پر ایک زبردست حملہ کی اسکیم بنائی۔ چنانچہ یہ تینوں اس مقصد کے پیشِ نظر مکہ گئے اور کفارِ قریش سے مل کر یہ کہا کہ اگر تم لوگ ہمارا ساتھ دو تو ہم لوگ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ کفارِ قریش تو اس کے بھوکے ہی تھے فوراً ہی ان لوگوں نے یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ کفارِ قریش سے ساز باز کر لینے کے بعد ان تینوں یہودیوں نے ''قبیلۂ بنو غطفان'' کا رُخ کیا اور خیبر کی آدھی آمدنی دینے کا لالچ دے کر ان لوگوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ پھر بنو غطفان نے اپنے حلیف ''بنو اسد'' کو بھی جنگ کے لئے تیار کر لیا ادھر یہودیوں نے اپنے حلیف ''قبیلہ بنو اسعد'' کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا اور کفارِ قریش نے اپنی رشتہ داریوں کی بنا پر ''قبیلہ بنو سلیم'' کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض اس طرح تمام قبائلِ عرب کے کفار نے مل جل کر ایک لشکرِ جرار تیار کر لیا جس کی تعداد دس ہزار تھی اور ابو سفیان اس پورے لشکر کا سپہ سالار بن گیا۔

(زُرقانی ج ۲ ص ۱۰۴ تا ۱۰۵)

مسلمانوں کی تیاری

جب قبائلِ عرب کے تمام کافروں کے اس گٹھ جوڑ اور خوفناک حملہ کی خبریں مدینہ پہنچیں تو حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب کو جمع فرما کر مشورہ فرمایا کہ اس حملہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ جنگِ اُحد کی طرح شہر سے باہر نکل کر اتنی بڑی فوج کے حملہ کو میدانی لڑائی میں روکنا مصلحت کے خلاف ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ شہر کے اندر رہ کر اس حملہ کا دفاع کیا جائے۔ اور شہر کے گرد جس طرف سے کفار کی چڑھائی کا خطرہ ہے ایک خندق کھود لی جائے تا کہ کفار کی پوری فوج بیک وقت حملہ آور نہ ہو سکے۔ مدینہ کے تین طرف چونکہ مکانات کی تنگ گلیاں اور کھجوروں کے جھنڈ تھے۔ اس لئے ان تینوں جانب سے حملہ کا امکان نہیں تھا۔ مدینہ کا صرف ایک رُخ کھلا ہوا تھا اس لئے یہ طے کیا گیا کہ اسی طرف پانچ گز گہری خندق کھودی جائے۔ چنانچہ ۸ ذوقعدہ ۵ھ کو حضور ﷺ تین ہزار صحابۂ کرام کو ساتھ لے کر خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے خندق کی حد بندی فرمائی اور دس دس آدمیوں پر دس

دس گز زمین تقسیم فرمادی اور تقریباً بیس دن میں یہ خندق تیار ہوگئی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۸ تا ۱۷۰)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خندق کے پاس تشریف لائے اور جب یہ دیکھا کہ انصار و مہاجرین کڑکڑاتے ہوئے جاڑے کے موسم میں صبح کے وقت کئی کئی فاقوں کے باوجود جوش و خروش کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہیں۔ تو انتہائی متاثر ہوکر آپ نے یہ رجز پڑھنا شروع کردیا کہ

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃِ

اے اللہ! بلا شبہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے لہٰذا تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

اس کے جواب میں انصار و مہاجرین نے آواز ملا کر یہ پڑھنا شروع کردیا کہ

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد پر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کرلی ہے جب تک ہم زندہ رہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ (بخاری غزوۂ خندق ج ۲ ص ۵۸۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودتے اور مٹی اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے تھے یہاں تک کہ آپ کے شکم مبارک پر غبار کی تہ جم گئی تھی اور مٹی اٹھاتے ہوئے صحابہ کو جوش دلانے کے لئے رجز کے یہ اشعار پڑھتے تھے کہ

وَاللّٰہُ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

خدا کی قسم! اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے،

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

لہٰذا اے اللہ! تو ہم پر قلبی اطمینان اتار دے اور جنگ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ۔

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا
اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

یقیناً ان (کافروں) نے ہم پر ظلم کیا ہے اور جب بھی ان لوگوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم لوگوں نے انکار کر دیا لفظ "اَبَیْنَا" حضور ﷺ بار بار یہ تکرار بلند آواز سے دہراتے تھے۔

ایک عجیب چٹان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ خندق کھودتے وقت ناگہاں ایک ایسی چٹان نمودار ہوگئی جو کسی سے بھی نہیں ٹوٹی۔ جب ہم نے بارگاہِ رسالت میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ اٹھے تین دن کا فاقہ تھا اور شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو وہ چٹان ریت کے بھر بھرے ٹیلے کی طرح بکھر گئی۔

(بخاری جلد۲ص۵۸۸ خندق)

اور ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے اس چٹان پر تین مرتبہ پھاوڑا مارا۔ ہر ضرب پر اس میں سے ایک روشنی نکلتی تھی اور اس روشنی میں آپ نے شام و ایران اور یمن کے شہروں کو دیکھ لیا اور ان تینوں ملکوں کے فتح ہونے کی صحابہ کرام کو بشارت دی۔

(زُرقانی جلد۲ص۱۰۹ و مدارج ج۲ص۱۶۹)

اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے مدائن کسریٰ و مدائن قیصر و مدائن حبشہ کی فتوحات کا اعلان فرمایا۔ (نسائی ج۲ص۶۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فاقوں سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ چنانچہ میں حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے گھر آیا اور بیوی سے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس قدر شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ کو صبر کی تاب نہ رہی۔ کیا گھر میں کچھ کھانا ہے؟ بیوی نے کہا کہ گھر میں ایک صاع جو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے میں نے کہا کہ تم جلدی سے اس جو کو پیس کر گوندھ لو اور اپنے گھر کا پلا ہوا ایک بکری کا بچہ میں نے ذبح کر کے اس کی بوٹیاں بنا دیں۔ اور بیوی سے کہا کہ جلدی سے تم گوشت روٹی تیار کر لو میں

حضور ﷺ کو بلا کر لاتا ہوں۔ چلتے وقت بیوی نے کہا کہ دیکھنا صرف حضور ﷺ اور چند ہی اصحاب کو ساتھ میں لانا کھانا کم ہی ہے کہیں مجھے رسوا مت کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خندق پر آ کر چپکے سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک صاع آٹے کی روٹیاں اور ایک بکری کے بچے کا گوشت میں نے گھر میں تیار کرایا ہے لہٰذا آپ صرف چند اشخاص کے ساتھ چل کر تناول فرمالیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے خندق والو! جابر نے دعوت طعام دی ہے لہٰذا سب لوگ ان کے گھر پر چل کر کھانا کھالیں۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں روٹی مت پکوانا۔ چنانچہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو گوندھے ہوئے آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی اور گوشت کی ہانڈی میں بھی اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ پھر روٹی پکانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ ہانڈی چولھے سے نہ اتاری جائے۔ پھر روٹی پکنی شروع ہوئی اور ہانڈی میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے گوشت نکال نکال کر دینا شروع کیا ایک ہزار آدمیوں نے آسودہ ہو کر کھانا کھالیا مگر گوندھا ہوا آٹا جتنا پہلے تھا اتنا ہی رہ گیا اور ہانڈی چولھے پر بدستور جوش مارتی رہی۔ (بخاری ج۲ ص۵۸۹ غزوہ خندق)

بابرکت کھجوریں

اسی طرح ایک لڑکی اپنے ہاتھ میں کچھ کھجوریں لے کر آئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری ماں نے میرے باپ کے ناشتہ کے لئے بھیجی ہیں! آپ نے ان کھجوروں کو اپنے دست مبارک میں لے کر ایک کپڑے پر بکھیر دیا اور تمام اہل خندق کو بلا کر فرمایا کہ خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ چنانچہ تمام خندق والوں نے شکم سیر ہو کر ان کھجوروں کو کھایا۔ (مدارج جلد۲ ص۱۶۹)

یہ دونوں واقعات حضور سرور کائنات ﷺ کے معجزات میں سے ہیں۔

اسلامی افواج کی مورچہ بندی

حضور اقدس ﷺ نے خندق تیار ہو جانے کے بعد عورتوں اور بچوں کو مدینہ کے محفوظ قلعہ میں جمع فرما دیا اور مدینہ پر حضرت اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر تین ہزار انصار و مہاجرین کی فوج کے ساتھ مدینہ سے نکل کر سلع پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے۔ سلع آپ کی پشت پر تھا اور آپ کے سامنے خندق تھی مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ

میں دیا اور انصار کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ (زُرقانی جلد۲ ص ۱۱۱)

کفار کا حملہ

کفارِ قریش اور ان کے اتحادیوں نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور تین طرف سے کافروں کا لشکر اس زور شور کے ساتھ مدینہ پر امنڈ پڑا کہ شہر کی فضاؤں میں گرد و غبار کا طوفان اٹھ گیا۔ اس خوفناک چڑھائی اور لشکر کفار کے دل بادل کی معرکہ آرائی کا نقشہ قرآن کی زَبان سے سنئے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (احزاب)	جب کافر تم پر آ گئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹھک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس (خوف سے) آ گئے اور تم اللہ پر (امید و یاس سے) طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس جگہ مسلمان آزمائش اور امتحان میں ڈال دیئے گئے اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں جھنجھوڑ کر رکھ دیئے گئے۔

منافقین جو مسلمانوں کے دوش بدوش کھڑے تھے وہ کفار کے اس لشکر کو دیکھتے ہی بزدل ہو کر پھسل گئے اور اس وقت ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگنی شروع کر دی۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (احزاب)	اور ایک گروہ (منافقین) ان میں سے نبی کی اجازت طلب کرتا تھا منافق کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے ہوئے نہیں تھے ان کا مقصد بھاگنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

لیکن اسلام کے سچے جاں نثار مہاجرین و انصار نے جب لشکر کفار کی طوفانی یلغار کو دیکھا تو اس طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ گئے کہ ''سلع'' اور ''احد'' کی پہاڑیاں سر اٹھا اٹھا کر ان مجاہدین کی اولوالعزمی کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔ ان جاں نثاروں کی ایمانی شجاعت کی تصویر

صفحات قرآن پر بصورت تحریر دیکھئے ارشاد ربانی ہے کہ۔

وَلَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ لا قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا (احزاب)

اور جب مسلمانوں نے قبائل کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بول اٹھے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کا اللہ اور اسکے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اسکا رسول دونوں سچے ہیں اور اس نے انکے ایمان و اطاعت کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

بنو قریظہ کی غداری

قبیلہ بنو قریظہ کے یہودی اب تک غیر جانبدار تھے۔ لیکن بنو نضیر کے یہودیوں نے ان کو بھی اپنے ساتھ ملا کر لشکر کفار میں شامل کر لینے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ حیی بن اخطب ابو سفیان کے مشورہ سے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا پہلے تو اس نے اپنا دروازہ نہیں کھولا اور کہا کہ ہم محمد (ﷺ) کے حلیف ہیں اور ہم نے ان کو ہمیشہ اپنے عہد کا پابند پایا ہے۔ اس لئے ہم ان سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت سمجھتے ہیں۔ مگر بنو نضیر یہودیوں نے اس قدر شدید اصرار کیا اور طرح طرح سے ورغلایا کہ بالآخر کعب بن اسد معاہدہ توڑنے کے لئے راضی ہو گیا۔ بنو قریظہ نے جب معاہدہ توڑ دیا اور کفار سے مل گئے تو کفار مکہ اور ابو سفیان خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو تحقیق حال کے لئے بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے جب ان دونوں معزز صحابیوں نے بنو قریظہ کو ان کا معاہدہ یاد دلایا تو ان بدذات یہودیوں نے انتہائی بے حیائی کے ساتھ یہاں تک کہہ دیا کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ اور معاہدہ کس کو کہتے ہیں؟ ہمارا کوئی معاہدہ ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ سن کر دونوں حضرات واپس آ گئے اور صورتحال سے حضور ﷺ کو مطلع کیا۔ تو آپ نے بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہا اور فرمایا کہ مسلمانو' تم اس سے نہ گھبراؤ نہ اس کا غم کرو اس میں تمہارے لئے بشارت ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۳)

کفار کا لشکر جب آگے بڑھا تو سامنے خندق دیکھ کر ٹھہر گیا اور شہر مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور تقریباً ایک مہینے تک کفار شہر مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے پڑے رہے۔ اور یہ محاصرہ اس سختی کے ساتھ قائم رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔

کفار نے ایک طرف تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف اس لئے حملہ کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عورتیں اور بچے قلعوں میں پناہ گزیں تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں خندق کے مختلف حصوں پر صحابہ کرام کو مقرر فرما دیا تھا کہ وہ کفار کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہیں۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے بھی کچھ صحابہ کرام کو متعین کر دیا تھا۔

انصار کی ایمانی شجاعت

محاصرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی پریشانی دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کیا کہ کہیں مہاجرین و انصار ہمت نہ ہار جائیں۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن سے اس شرط پر معاہدہ کر لیں کہ وہ مدینہ کی ایک تہائی پیداوار لے لیا کرے اور کفار مکہ کا ساتھ چھوڑ دے۔ مگر جب آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اتر چکی ہے۔ جب تو ہمیں اس سے انکار کی مجال ہی نہیں ہو سکتی اور اگر یہ ایک رائے ہے تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) جب ہم کفر کی حالت میں تھے اس وقت تو قبیلہ غطفان کے سرکش کبھی ہماری ایک کھجور نہ لے سکے اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اسلام اور آپ کی غلامی کی عزت سے سرفراز فرما دیا ہے تو بھلا کیونکر ممکن ہے کہ ہم اپنا مال ان کافروں کو دے دیں گے؟ ہم ان کفار کو کھجوروں کا انبار نہیں بلکہ نیزوں اور تلواروں کی مار کا تحفہ دیتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور آپ کو پورا پورا اطمینان ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۱۳)

خندق کی وجہ سے دست بدست لڑائی نہیں ہو سکتی تھی اور کفار حیران تھے کہ اس خندق کو کیونکر پار کریں۔ مگر دونوں طرف سے روزانہ برابر تیر اور پتھر چلا کرتے تھے۔ آخر ایک روز

عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابوجہل وہبیرہ بن وہب وضرار بن الخطاب وغیرہ کفار کے چند بہادروں نے بنوکنانہ سے کہا کہ اٹھو! آج مسلمانوں سے جنگ کر کے بتادو کہ شہسوار کون ہے؟ چنانچہ یہ سب خندق کے پاس آگئے اور ایک ایسی جگہ سے جہاں خندق کی چوڑائی کچھ کم تھی گھوڑا کودا کر خندق کو پار کرلیا۔

عمرو بن عبدود مارا گیا

سب سے آگے عمرو بن عبدود تھا یہ اگرچہ نوے برس کا خرانٹ بڈھا تھا۔ مگر ایک ہزار سواروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا۔ جنگِ بدر میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا تھا اور اس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ یہ آگے بڑھا اور چلا چلا کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ تین مرتبہ اس نے کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ کو آتا ہے؟ تینوں مرتبہ حضرت علی شیر خدا نے اُٹھ کر جواب دیا کہ ''میں'' حضور ﷺ نے روکا کہ اے علی! یہ عمرو بن عبدود ہے حضرت علی شیر خدا نے عرض کیا کہ جی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو بن عبدود ہے لیکن میں اس سے لڑوں گا یہ سن کر تاجدار نبوت ﷺ نے اپنی خاص تلوار ذوالفقار اپنے دست مبارک سے حیدر کرار کے مقدس ہاتھ میں دے دی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر انور پر عمامہ باندھا اور یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو علی کی مدد فرما حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مجاہدانہ شان سے اس کے سامنے کھڑے ہوگئے اور دونوں میں اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ	اے عمرو بن عبدود! تو مسلمان ہوجا!
عمرو بن عبدود	یہ مجھ سے کبھی ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ	لڑائی سے واپس چلا جا!
عمرو بن عبدود	یہ مجھے منظور نہیں
حضرت علی رضی اللہ عنہ	تو پھر مجھ سے جنگ کر
عمرو بن عبدود	ہنس کر کہا کہ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا میں کوئی مجھ کو جنگ کی دعوت دے گا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ	لیکن میں تجھ سے لڑنا چاہتا ہوں۔

عمرو بن عبدود	آخر تمہارا نام کیا ہے؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ	علی ابن ابی طالب
عمرو بن عبدود	اے بھتیجے! تم ابھی بہت ہی کم عمر ہو میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ	لیکن میں تمہارا خون بہانے کو بے حد پسند کرتا ہوں۔

عمرو بن عبدود خون کھولا دینے والے یہ گرم گرم جملے سن کر مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گیا۔ حضرت شیر خدا پیدل تھے اور یہ سوار تھا اس پر جو غیرت سوار ہوئی تو گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنی تلوار سے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا اور حضرت شیر خدا پر تلوار کا بھرپور وار کیا حضرت شیر خدا نے تلوار کے اس وار کو اپنی ڈھال پر روکا یہ وار اتنا سخت تھا کہ تلوار ڈھال اور عمامہ کو کاٹتی ہوئی پیشانی پر لگی۔ گو بہت گہرا زخم نہیں لگا مگر پھر بھی زندگی بھر یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار بن کر رہ گیا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے تڑپ کر للکارا کہ اے عمرو! سنبھل جا۔ اب میری باری ہے یہ کہہ کر اسد اللہ الغالب نے ذوالفقار کا ایسا جچا تلا ہاتھ مارا کہ تلوار دشمن کے شانے کو کاٹتی ہوئی کمر سے پار ہو گئی اور وہ تلملا کر زمین پر گرا اور دم زدن میں مر کر فی النار ہو گیا اور میدانِ کارزار زبان حال سے پکار اٹھا کہ۔

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا اور منہ پھیر کر چل دیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے علی! آپ نے عمرو بن عبدود کی زرہ کیوں نہیں اتار لی سارے عرب میں اس سے اچھی کوئی زرہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! ذوالفقار کی مار سے وہ اس طرح بے قرار ہو کر زمین پر گرا کہ اس کی شرمگاہ کھل گئی اس لئے حیاء کی وجہ سے میں نے منہ پھیر لیا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۱۵)

نوفل کی لاش

اس کے بعد نوفل غصہ میں بپھرا ہوا میدان میں نکلا اور پکارنے لگا کہ میرے مقابلہ

کے لئے کون آتا ہے؟ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر بجلی کی طرح جھپٹے اور ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور تلوار زین کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کی کمر تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اے زبیر! تمہاری تلوار کی تو مثال نہیں مل سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ تلوار کیا چیز ہے؟ کلائی میں دم خم اور ضرب میں کمال چاہیے ہبیرہ اور ضرار بھی بڑے طنطنہ سے آگے بڑھے مگر جب ذوالفقار کا وار دیکھا تو لرزہ براندام ہو کر فرار ہو گئے۔ کفار کے باقی شہسوار بھی جو خندق کو پار کر کے آ گئے تھے وہ سب بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تو اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اپنا نیزہ پھینک کر بھاگا اور خندق کے پار جا کر اس کو قرار آیا۔ (زُرقانی جلد۲)

بعض مورخین کا قول ہے کہ نوفل کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا اور بعض نے یہ کہا کہ نوفل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنے گھوڑے کو کود اکر خندق کو پار کرنا چاہتا تھا کہ خود ہی خندق میں گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ بہر حال کفار مکہ نے دس ہزار درہم میں اس کی لاش کو لینا چاہا تا کہ وہ اس کو اعزاز کے ساتھ دفن کریں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رقم لینے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم کو اس لاش سے کوئی غرض نہیں مشرکین اس کو لے جائیں اور دفن کریں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (زُرقانی جلد۲ ص۱۱۴)

اس دن کا حملہ بہت ہی سخت تھا دن بھر لڑائی جاری رہی اور دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھر بازی کا سلسلہ برابر جاری رہا اور کسی مجاہد کا اپنی جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔ خالد بن ولید نے اپنی فوج کے ساتھ ایک جگہ سے خندق کو پار کر لیا اور بالکل ہی ناگہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیمہ اقدس پر حملہ آور ہو گیا۔ مگر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دیکھ لیا اور دو سو مجاہدین کو ساتھ لے کر دوڑ پڑے اور خالد بن الولید کے دستہ کے ساتھ دست بدست کی لڑائی میں ٹکرا گئے اور خوب جم کر لڑے اس لئے کفار خیمہ اطہر تک نہ پہنچ سکے۔ (زُرقانی جلد۲ ص۱۱۷)

اس گھمسان کی لڑائی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز عصر قضا ہو گئی بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد کفار کو 'برا بھلا کہتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نماز عصر نہیں پڑھ سکا۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی ہے۔ پھر آپ نے وادی بطحان میں سورج غروب ہو جانے کے بعد نماز عصر قضا پڑھی پھر اس کے بعد نماز مغرب ادا فرمائی اور کفار کے حق میں یہ دعا مانگی کہ۔

مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ (بخاری ج۲ ص۵۹۰)	اللہ ! ان مشرکوں کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے ان لوگوں نے ہم کو نماز وسطیٰ سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

جنگ خندق کے دن حضور ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ۔

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (بخاری ج۲ ص۵۹۰)	اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے جلد حساب لینے والے ! تو ان کفار کے لشکروں کو شکست دے دے۔ اے اللہ ان کو شکست دے اور انہیں جھنجھوڑ دے۔

حضرت زبیر کو خطاب ملا

حضور ﷺ نے جنگ خندق کے موقع پر جب کفار مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور کسی کے لئے شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا۔ تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو قوم کفار کی خبر لائے؟ تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جو حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں۔ یہ کہا کہ ”میں یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) خبر لاؤں گا۔“ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس جانثاری سے خوش ہو کر تاجدار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَاِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ (بخاری ج۲ ص۵۹۰)	ہر نبی کے لئے حواری (مددگار خاص) ہوتے ہیں اور میرا ”حواری“ زبیر ہے۔

اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے ”حواری“ کا خطاب ملا جو کسی دوسرے صحابی کو نہیں ملا۔

حضرت سعد بن معاذ شہید

اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم ہوا۔ یعنی کل چھ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مگر انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا۔ یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار اعظم تھے۔ اس جنگ میں ایک تیر سے زخمی ہو گئے اور پھر شفایاب نہ ہو سکے۔

آپ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے جوش میں

بھرے ہوئے نیزہ لے کر لڑنے کے لئے جا رہے تھے۔ کہ ابن العرقہ نامی کافر نے ایسا نشانہ باندھ کر تیر مارا کہ جس سے آپ کی ایک رگ جس کا نام اکحل ہے وہ کٹ گئی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ان کے لئے حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک خیمہ گاڑا اور ان کا علاج کرنا شروع کیا۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کے زخم کو دو مرتبہ داغا۔ اسی حالت میں آپ ایک مرتبہ بنی قریظہ تشریف لے گئے اور وہاں یہودیوں کے بارے میں اپنا وہ فیصلہ سنایا جس کا ذکر ''غزوہ قریظہ'' کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے اور اب ان کا زخم بھرنے لگ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے شوق شہادت میں خداوند تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ۔

> یا اللہ! تو جانتا ہے کہ کسی قوم سے جنگ کرنے کی مجھے اتنی زیادہ تمنا نہیں ہے۔ جتنی کفار قریش سے لڑنے کی تمنا ہے۔ جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور ان کو ان کے وطن سے نکالا۔ اے اللہ میرا تو یہی خیال ہے کہ اب تو نے ہمارے اور کفار قریش کے درمیان جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر ابھی کفار قریش سے کوئی جنگ باقی رہ گئی ہو۔ جب تو مجھے تو زندہ رکھ تاکہ میں تیری راہ میں ان کافروں سے جہاد کروں۔ اور اگر اب ان لوگوں سے کوئی جنگ باقی نہ رہ گئی ہو تو میرے اس زخم کو تو پھاڑ دے اور اسی زخم میں تو مجھے موت عطا فرمادے۔

آپ کی یہ دعا ختم ہوتے ہی بالکل اچانک آپ کا زخم پھٹ گیا اور خون بہ کر مسجد نبوی کے اندر بنی غفار کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ ان لوگوں نے چونک کر کہا کہ اے خیمہ والو! یہ کیسا خون ہے جو تمہارے خیمہ سے بہ کر ہماری طرف آ رہا ہے؟ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ ؓ کے زخم سے خون بہ رہا تھا۔ اسی زخم میں ان کی وفات ہوگئی۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۹۱ باب مرجع النبی من الاحزاب)

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرش الٰہی ہل گیا اور ان کے جنازہ میں ستر ہزار ملائکہ حاضر ہوئے۔ اور جب ان کی قبر کھودی گئی تو اس میں مشک کی خوشبو آنے لگی۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۱۴۳)

عین وفات کے وقت حضور انور ﷺ ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آنکھ کھول کر آخری بار جمال نبوت کا نظارہ کیا اور کہا کہ **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ**

پھر بہ آواز بلند یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ نے تبلیغ رسالت کا حق ادا کر دیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۸۱)

حضرت صفیہ کی بہادری

جنگ خندق میں ایک ایسا موقع بھی آیا کہ جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ ساری مسلمان فوج خندق کی طرف مصروف جنگ ہے تو جس قلعہ میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے۔ یہودیوں نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اور ایک یہودی دروازہ تک پہنچ گیا۔ حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیکھ لیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس یہودی کو قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو یہاں کا حال و ماحول بتا دے گا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی اس وقت ہمت نہیں پڑی کہ اس یہودی پر حملہ کریں یہ دیکھ کر خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر خود ہی اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے باہر پھینک دیا یہ دیکھ کر حملہ آور یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ کے اندر بھی کچھ فوج موجود ہے اس ڈر سے انہوں نے پھر اس طرف حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۱۱۱)

کفار کیسے بھاگے؟

حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ قبیلہ غطفان کے بہت ہی معزز سردار تھے اور قریش و یہود دونوں کو ان کی ذات پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن کفار کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہود اور قریش دونوں سے ایسی گفتگو کروں کہ دونوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انہوں نے یہود اور قریش سے الگ الگ کچھ اس قسم کی باتیں کیں جس سے واقعی دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

ابوسفیان شدید سردی کے موسم، طویل محاصرہ، فوج کا راشن ختم ہو جانے سے حیران و پریشان تھا۔ جب اس کو یہ پتا چلا کہ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تو اس کا حوصلا پست ہو گیا اور وہ بالکل ہی بددل ہو گیا۔ پھر ناگہاں کفار کے لشکر پر قہر قہار و غضب جبار کی ایسی مار پڑی کہ اچانک مشرق کی جانب سے ایسی طوفان خیز آندھی آئی کہ دیگیں چولھوں

پر سے الٹ پلٹ ہوگئیں۔ خیمے اکھڑ اکھڑ کر اڑ گئے اور کافروں پر ایسی وحشت اور دہشت سوار ہوگئی کہ انہیں راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں رہا۔ یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر خداوند قدوس نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ
اللهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ
فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ
تَرَوْهَا وَکَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِیْرًا

اے ایمان والو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو
جب تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر
آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تمہیں
نظر نہیں آتی تھیں اور اللہ تمہارے کاموں کو
دیکھنے والا ہے۔ (احزاب)

ابوسفیان نے اپنی فوج میں اعلان کرادیا کہ راشن ختم ہو چکا موسم انتہائی خراب ہے یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ لہٰذا اب محاصرہ بے کار ہے یہ کہہ کر کوچ کا نقارہ بجا دینے کا حکم دے دیا اور بھاگ نکلا قبیلہ غطفان کا لشکر بھی چل دیا۔ بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور ان لوگوں کے بھاگ جانے سے مدینہ کا مطلع کفار کے گرد و غبار سے صاف ہوگیا۔ (مدارج ج ۲ ص ۷۲ اور زرقانی ج ۲ ص ۱۱۶ تا ۱۱۸)

غزوہ بنی قریظہ

حضور ﷺ جنگ خندق سے فارغ ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا۔ ابھی اطمینان کے ساتھ بیٹھے بھی نہ تھے کہ ناگہاں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے ہتھیار اتار دیا لیکن ہم فرشتوں کی جماعت نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف چلیں کیونکہ ان لوگوں نے معاہدہ توڑ کر علانیہ جنگ خندق میں کفار کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کیا ہے۔ (مسلم باب جواز قتال من نقض العہد ج ۲ ص ۹۵)

چنانچہ حضور ﷺ نے اعلان کر دیا کہ لوگ ابھی ہتھیار نہ اتاریں اور بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے خود بھی ہتھیار زیب تن فرمایا۔ اپنے گھوڑے پر جس کا نام ''لحیف'' تھا سوار ہو کر لشکر کے ساتھ چل پڑے اور بنی قریظہ کے ایک کنویں کے پاس پہنچ کر نزول فرمایا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۲۸)

بنی قریظہ بھی جنگ کے لئے بالکل تیار تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو ان ظالم اور عہد شکن یہودیوں نے حضورِ اکرم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالیاں دیں۔ حضور ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ فرما لیا اور تقریباً ایک مہینہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہودیوں نے تنگ آ کر یہ درخواست پیش کی کہ۔

''حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ خندق میں ایک تیر کھا کر شدید طور پر زخمی تھے۔ مگر اسی حالت میں وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر بنی قریظہ گئے اور انہوں نے یہودیوں کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ۔

''لڑنے والی فوجوں کو قتل کر دیا جائے عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں اور یہودیوں کا مال و اسباب مالِ غنیمت بنا کر مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جائے''

حضور ﷺ نے ان کی زبان سے یہ فیصلہ سن کر ارشاد فرمایا کہ یقیناً بلاشبہ تم نے ان یہودیوں کے بارے میں وہی فیصلہ سنایا ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے۔ (مسلم جلد۲ ص۹۵)

اس فیصلہ کے مطابق بنی قریظہ کی لڑاکا فوجیں قتل کی گئیں اور عورتوں بچوں کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کے مال و سامان کو مجاہدین اسلام نے مالِ غنیمت بنا لیا اور اس شریر و بدعہد قبیلہ کے شر و فساد سے ہمیشہ کے لئے پر امن مسلمان محفوظ ہو گئے۔

یہودیوں کا سردار حیی بن اخطب جب قتل کیلئے مقتل میں لایا گیا تو اس نے قتل ہونے سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ۔

اے محمد! (ﷺ) خدا کی قسم مجھے اس کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے کہ میں نے کیوں تم سے عداوت کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بنی قریظہ کا قتل ہونا یہ ایک حکم الٰہی تھا۔ یہ (توراۃ) میں لکھا ہوا تھا یہ ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔ (سیرت ابن ہشام غزوۂ بنو قریظہ ج۳ ص۲۴۱)

یہ حیی بن اخطب وہی بدنصیب ہے کہ جب وہ مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ نبی ﷺ کی مخالفت پر میں کسی کو مدد نہ دوں گا اور اس عہد پر اس

نے خدا کو ضامن بنایا تھا۔ لیکن جنگ خندق کے موقع پر اس نے اس معاہدہ کو کس طرح توڑ ڈالا یہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے۔ کہ اس ظالم نے تمام کفار عرب کے پاس دورہ کر کے سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا۔ پھر بنو قریظہ کو بھی معاہدہ توڑنے پر اکسایا پھر خود جنگ خندق میں کفار کے ساتھ مل کر لڑائی میں شامل ہوا۔

سن ۵ ھ کے متفرق واقعات

۱- اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

۲- اسی سال مسلمان عورتوں پر پردہ فرض کیا گیا۔

۳- اسی سال حد قذف (کسی پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا) اور لعان وظہار کے احکام نازل ہوئے۔

۴- اسی سال تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

۵- اسی سال نماز خوف کا حکم نازل ہوا۔

گیارہواں باب

ہجرت کا چھٹا سال

بیعۃ الرضوان و صلح حدیبیہ

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ اہم اور شاندار واقعہ ‘‘بیعۃ الرضوان’’ اور ‘‘صلح حدیبیہ’’ ہے۔ تاریخ اسلام میں اس واقعہ کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ اسلام کی تمام آئندہ ترقیوں کا راز اسی کے دامن سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو بظاہر یہ ایک مغلوبانہ صلح تھی۔ مگر قرآن مجید میں خداوند عالم نے اس کو ‘‘فتح مبین’’ کا لقب عطا فرمایا ہے۔

ذوالقعدہ ۶ھ میں حضور ﷺ چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ شاید کفار مکہ ہمیں عمرہ ادا کرنے سے روکیں گے اس لئے آپ نے پہلے ہی قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ بھیج دیا تھا تاکہ وہ کفار مکہ کے ارادوں کی خبر لائے۔ جب آپ کا قافلہ مقام ‘‘عسفان’’ کے قریب پہنچا تو وہ شخص یہ خبر لے کر آیا کہ کفار مکہ نے تمام قبائل عرب کے کافروں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کو ہرگز ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ کفار قریش نے اپنے تمام ہمنوا قبائل کو جمع کر کے ایک فوج تیار کر لی اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے مکہ سے باہر نکل کر مقامِ ‘‘بلدح’’ میں پڑاؤ ڈال دیا اور خالد بن الولید اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ یہ دونوں دو سو چنے ہوئے سواروں کا دستہ لے کر مقام ‘‘غمیم’’ تک پہنچ گئے۔ جب حضور ﷺ کو راستہ میں خالد بن الولید کے سواروں کی گرد نظر آئی تو آپ نے شاہراہ سے ہٹ کر سفر شروع کر دیا اور عام راستہ سے کٹ کر آگے بڑھے اور مقام ‘‘حدیبیہ’’ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پانی کی بے حد کمی تھی۔ ایک ہی کنواں تھا۔ وہ چند گھنٹوں ہی میں خشک ہو گیا۔ جب صحابہ کرام پیاس سے بے تاب ہونے لگے تو حضور ﷺ نے ایک بڑے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈال دیا اور آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ پھر آپ نے خشک کنویں میں اپنے

وضو کا غسالہ اور اپنا ایک تیر ڈال دیا تو کنویں میں اس قدر پانی ابل پڑا کہ پورا لشکر اور تمام جانور اس کنویں سے کئی دنوں تک سیراب ہوتے رہے۔

(بخاری غزوۂ حدیبیہ ج ۲ ص ۵۹۸ و بخاری ج ۱ ص ۳۷۸)

بیعۃ الرضوان

مقام حدیبیہ میں پہنچ کر حضور ﷺ نے یہ دیکھا کہ کفار قریش کا ایک عظیم لشکر جنگ کے لئے آمادہ ہے اور ادھر یہ حال ہے کہ سب لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں اس حالت میں جوئیں بھی نہیں مار سکتے۔ تو آپ نے مناسب سمجھا کہ کفار مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے کسی کو مکہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کفار قریش میرے بہت ہی سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ کو ان کافروں سے بچا سکے۔ یہ سن کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا۔ انہوں نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو حضور ﷺ کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی مالداری اور اپنے قبیلہ والوں کی حمایت و پاسداری کی وجہ سے کفار قریش کی نگاہوں میں بہت زیادہ معزز تھے۔ اس لئے کفار قریش ان پر کوئی دراز دستی نہیں کر سکے۔ بلکہ ان سے یہ کہا کہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کر لیں مگر ہم محمد (ﷺ) کو کبھی ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہ آنے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں بغیر رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لئے کبھی ہرگز ہرگز اکیلے اپنا عمرہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور کفار نے آپ کو مکہ میں روک لیا۔ مگر حدیبیہ کے میدان میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کفار قریش نے ان کو شہید کر دیا۔ حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جانثار ہو گے۔ تمام صحابہ کرام نے نہایت ہی ولولہ انگیز جوش و خروش کے ساتھ جانثاری کا عہد کرتے ہوئے حضور ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخ اسلام میں ''بیعۃ الرضوان'' ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے اس بیعت اور اس درخت کا تذکرہ قرآن مجید کی

سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ	یقیناً جو لوگ (اے رسول) تمہاری بیعت
اللّٰہَؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ۔	کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے
(الفتح)	ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اسی سورۂ فتح میں دوسری جگہ ان بیعت کرنے والوں کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کا قرآن مجید میں اس طرح خطبہ پڑھا کہ:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ	بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے
یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ	جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے
مَافِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ	تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے
عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔	پھر ان پر اطمینان اتار دیا اور انہیں جلد آنے
	والی فتح کا انعام دیا۔

لیکن ''بیعۃ الرضوان'' ہو جانے کے بعد پتا چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی وہ باعزت طور پر مکہ میں زندہ و سلامت تھے اور پھر وہ بخیر و عافیت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر بھی ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کیونکر ہوئی

حدیبیہ میں سب سے پہلے شخص جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بدیل بن ورقا خزاعی تھا۔ ان کا قبیلہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا مگر یہ لوگ حضور ﷺ کے حلیف اور انتہائی مخلص و خیر خواہ تھے۔ بدیل بن ورقاء نے آپ کو خبر دی کہ کفار قریش نے کثیر تعداد میں فوج جمع کر لی ہے۔ اور فوج کے ساتھ راشن کے لئے دودھ والی اونٹنیاں بھی ہیں۔ یہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے اور آپ کو خانہ کعبہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم قریش کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم جنگ چاہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ مسلسل لڑائیوں سے قریش کو کافی جانی و مالی نقصان پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا ان کے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ وہ جنگ نہ کریں بلکہ مجھ سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح کا معاہدہ کر لیں اور مجھ کو اہل عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اگر قریش میری بات مان لیں تو بہتر

ہوگا اور اگر انہوں نے مجھ سے جنگ کی تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے **قبضۂ قدرت** میں میری جان ہے کہ میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا کہ میری گردن میرے بدن سے الگ ہو جائے۔

بدیل بن ورقاء آپ کا یہ پیغام لے کر کفار قریش کے پاس گیا اور کہا کہ میں محمد (ﷺ) کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں ان کا پیغام تم لوگوں کو سناؤں۔ کفار قریش کے شرارت پسند لونڈے جن کا جوش ان کے ہوش پر غالب تھا۔ شور مچانے لگے کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہمیں ان کا پیغام سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن کفار قریش کے سنجیدہ اور سمجھدار لوگوں نے پیغام سنانے کی اجازت دے دی اور بدیل بن ورقاء نے حضور ﷺ کی دعوت صلح کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ سن کر قبیلہ قریش کا ایک بہت ہی معمر اور معزز سردار عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اے قریش کیا میں تمہارا باپ نہیں؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا تم لوگ میرے بچے نہیں؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے بارے میں تم لوگوں کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے بہت ہی سمجھداری اور بھلائی کی بات پیش کر دی۔ لہٰذا تم لوگ مجھے اجازت دو کہ میں ان سے مل کر معاملات طے کروں۔ سب نے اجازت دے دی کہ بہت اچھا۔ آپ جائیے۔ عروہ بن مسعود وہاں سے چل کر حدیبیہ کے میدان میں پہنچا اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ بدیل بن ورقاء کی زبانی آپ کا پیغام ہمیں ملا۔ اے محمد (ﷺ) مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر آپ نے لڑ کر قریش کو برباد کر کے دنیا سے نیست و نابود کر دیا تو مجھے بتائیے کہ کیا آپ سے پہلے کبھی کسی عرب نے اپنی ہی قوم کو برباد کیا ہے؟ اور اگر لڑائی میں قریش کا پلہ بھاری پڑا تو آپ کے ساتھ جو یہ لشکر ہے میں ان میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ بن مسعود کا یہ جملہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبر و ضبط کی تاب نہ رہی۔ انہوں نے تڑپ کر کہا کہ اے عروہ! چپ ہو جا۔ اپنی دیوی ’’لات‘‘ کی شرمگاہ چوس‘ کیا ہم بھلا اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ابوبکر

ہیں۔'' عروہ بن مسعود نے کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے ابوبکر! اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کا بدلہ میں اب تک تجھ کو نہیں دے سکا ہوں تو میں تیری اس تلخ گفتگو کا جواب دیتا۔

عروہ بن مسعود اپنے کو سب سے بڑا آدمی سمجھتا تھا۔ اس لئے جب بھی وہ حضور ﷺ سے کوئی بات کہتا تو ہاتھ بڑھا کر آپ کی ریش مبارک پکڑ لیتا تھا اور بار بار آپ کی مقدس داڑھی پر ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ننگی تلوار لے کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ عروہ بن مسعود کی اس جرات اور حرکت کو برداشت نہ کر سکے اور عروہ بن مسعود جب ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ پر مار کر اس سے کہتے کہ ریش مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ عروہ بن مسعود نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں تو عروہ بن مسعود نے ڈانٹ کر کہا کہ اے دغاباز! کیا میں تیری عہد شکنی کو سنبھالنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں؟ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جس کا خون بہا عروہ بن مسعود نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا یہ اسی طرف اشارہ تھا۔)

اس کے بعد عروہ بن مسعود صحابہ کرام کو دیکھنے لگا اور پوری لشکر گاہ کو دیکھ بھال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے میدان میں صحابہ کرام کی حیرت انگیز اور تعجب خیز عقیدت و محبت کا جو منظر دیکھا تھا اس نے اس کے دل پر بڑا عجیب اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ اس نے قریش کے لشکر میں پہنچ کر اپنا تاثر ان لفظوں میں بیان کیا۔

> ''اے میری قوم! خدا کی قسم! جب محمد (ﷺ) اپنا کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی پر پڑتا ہے۔ اور وہ فرط عقیدت سے اس کو اپنے چہرے اور اپنی کھال پر مل لیتا ہے۔ اور اگر وہ کسی بات کا ان لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور وہ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے وضو کے دھوون کو اس طرح لوٹتے ہیں کہ گویا ان میں تلوار چل پڑے گی۔ اور وہ جب کوئی گفتگو کرتے ہیں تو تمام اصحاب خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ان کی اتنی زبردست عظمت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم! خدا کی قسم میں نے بہت سے بادشاہوں کا

> دربار دیکھا ہے۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریاب ہو چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے جتنی تعظیم محمد (ﷺ) کے ساتھی محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔''

عروہ بن مسعود کی یہ گفتگو سن کر قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے جس کا ''حلیس'' تھا کہا کہ تم لوگ مجھ کو اجازت دو کہ میں ان کے پاس جاؤں۔ قریش نے کہا کہ ''ضرور جائیے'' چنانچہ یہ شخص جب بارگاہ رسالت کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو اور سب لوگ ''لبیک'' پڑھنا شروع کر دو۔ اس شخص نے جب قربانی کے جانوروں کو دیکھا اور احرام کی حالت میں صحابہ کرام کو ''لبیک'' پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ سبحان اللہ! بھلا ان لوگوں کو کس طرح مناسب ہے کہ بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ وہ فوراً ہی پلٹ کر کفار قریش کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں کہ قربانی کے جانور ان لوگوں کے ساتھ ہیں اور سب احرام کی حالت میں ہیں لہٰذا میں کبھی بھی یہ رائے نہیں دے سکتا کہ ان لوگوں کو خانہ کعبہ سے روک دیا جائے۔ اس کے بعد ایک شخص کفار قریش کے لشکر میں سے کھڑا ہو گیا جس کا نام مکرز بن حفص تھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو تم لوگ وہاں جانے دو۔ قریش نے کہا تم بھی جاؤ'' چنانچہ یہ چلا جب یہ نزدیک پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ مکرز ہے۔ یہ بہت ہی لچا آدمی ہے۔ اس نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ناگہاں ''سہیل بن عمرو'' آ گیا اس کو دیکھ کر آپ نے نیک فالی کے طور پر یہ فرمایا کہ سہیل آ گیا۔ لو اب تمہارا معاملہ سہل ہو گیا۔ چنانچہ سہیل نے آتے ہی کہا کہ آئیے! ہم اور آپ اپنے اور آپ کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ لیں۔ حضور ﷺ نے اس کو منظور فرما لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دستاویز لکھنے کے لئے طلب فرمایا۔ سہیل بن عمرو اور حضور ﷺ کے درمیان دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر چند شرطوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم سہیل نے کہا کہ ہم ''رحمٰن'' کو نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ ''باسمك اللهم'' لکھوائیے جو ہمارا اور

آپ کا پرانا دستور ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں لکھیں گے مگر حضور ﷺ نے سہیل کی بات مان لی اور فرمایا کہ اچھا۔ اے علی! **باسمك اللھم** ہی لکھ دو۔ پھر حضور ﷺ نے یہ عبارت لکھوائی۔ **ھذا ماقضی علیه محمد رسول اللہ** یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر قریش کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کا فیصلہ کیا۔ سہیل پھر بھڑک گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اگر ہم جان لیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے۔ نہ آپ کے ساتھ جنگ کرتے لیکن آپ ''محمد بن عبداللہ'' لکھئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ محمد رسول اللہ کو مٹا دو اور اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کون مسلمان آپ کا فرمانبردار ہوسکتا ہے؟ لیکن محبت کے عالم میں کبھی کبھی ایسا مقام بھی آجاتا ہے کہ سچے محب کو بھی اپنے محبوب کی فرمانبرداری سے محبت ہی کے جذبہ میں انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے نام کو تو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دکھاؤ۔ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپ نے وہاں سے ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا دیا۔ بہر حال صلح کی تحریر مکمل ہوگئی۔ اس دستاویز میں یہ طے کر دیا گیا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی۔ صلح نامہ کی باقی دفعات اور شرطیں یہ تھیں کہ:

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال عمرہ کیلئے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔

(۳) تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر نہ آئیں۔ تلوار بھی نیام کے اندر رکھ کر تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہئے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ میں چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ

کرلیں۔

یہ شرطیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور صحابہ کرام کو اس پر بڑی زبردستی ناگواری ہو رہی تھی مگر وہ فرمان رسالت کے خلاف دم مارنے سے مجبور تھے۔

(ابن ہشام ج ۳ ص ۳۱۷ وغیرہ)

حضرت ابو جندل کا معاملہ

یہ عجیب اتفاق ہے کہ معاہدہ لکھا جا چکا تھا لیکن ابھی اس پر فریقین کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ میں مسلمانوں کے درمیان آن پہنچے۔ سہیل بن عمرو اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس معاہدہ کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے میری پہلی شرط یہ ہے کہ آپ ابو جندل کو میری طرف واپس لوٹائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو اس معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے دستخط ہو جانے کے بعد یہ معاہدہ نافذ ہوگا۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو کہنے لگا کہ پھر جائیے۔ میں آپ سے کوئی صلح نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اے سہیل! تم اپنی طرف سے اجازت دے دو کہ میں ابو جندل کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انہوں نے مسلمانوں سے فریاد کی اور کہا کہ اے جماعت مسلمین! دیکھو میں مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں حالانکہ میں مسلمان ہوں اور تم مسلمانوں کے پاس آ گیا ہوں کفار کی مار سے ان کے بدن پر چوٹوں کے جو نشانات تھے۔ انہوں نے ان نشانات کو دکھا دکھا کر مسلمانوں کو جوش دلایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے قراری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سن کر ایمانی جذبہ سوار ہو گیا اور وہ نہایت جذبہ میں بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ کیا آپ سچ مچ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں؟ پھر انہوں نے کہا کہ تو پھر ہمارے دین میں ہم کو یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں۔ وہ میرا مددگار ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول

اللہ! کیا آپ ہم سے یہ وعدہ نہ فرماتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں آ کر طواف کریں گے؟ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم کو یہ خبر دی تھی کہ ہم اسی سال بیت اللہ میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا کہ ''نہیں'' آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ تم یقیناً کعبہ میں پہنچو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے۔

دربار رسالت سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی جو بارگاہ رسالت میں عرض کر چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! وہ خدا کے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے کرتے ہیں وہ کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور خدا ان کا مددگار ہے اور خدا کی قسم! یقیناً وہ حق پر ہیں لہٰذا تم ان کی رکاب تھامے رہو۔ (ابن ہشام ج ۳ ص ۳۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام عمر ان باتوں کا صدمہ اور سخت رنج و افسوس رہا جو انہوں نے جذبہ بے اختیاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دی تھیں۔ زندگی بھر وہ اس سے توبہ و استغفار کرتے رہے۔ اور اس کے کفارہ کے لئے انہوں نے نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' خیرات کی' غلام آزاد کئے' بخاری شریف میں اگرچہ ان اعمال کا مفصل تذکرہ نہیں ہے۔ اجمالاً ہی ذکر ہے لیکن دوسری کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔

بہر حال یہ بڑے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ ایک طرف حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ گڑگڑا کر مسلمانوں سے فریاد کر رہے ہیں اور ہر مسلمان اس قدر جوش میں بھرا ہوا ہے کہ اگر رسول اللہ کا ادب مانع نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تلواریں نیام سے باہر نکل پڑتیں۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرنے کی ذمہ داری سر پر آن پڑی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع پر نزاکت کا خیال فرماتے ہوئے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صبر کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے ضرور ہی کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم صلح کا معاہدہ کر چکے۔ اب ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔ غرض حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اسی طرح پابز نجیر پھر مکہ واپس جانا پڑا۔

جب صلح نامہ مکمل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اٹھو اور قربانی کرو اور سر منڈا کر احرام کھول دو۔ مسلمانوں کی ناگواری اور ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ فرمان نبوی سن کر ایک شخص بھی نہیں اٹھا۔ مگر ادب کے خیال سے کوئی ایک لفظ بول بھی نہ

سکا۔ آپ نے حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی سے کچھ بھی نہ کہیں اور خود آپ اپنی قربانی کر لیں اور بال ترشوالیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو قربانی کر کے احرام اتارتے دیکھ لیا تو پھر وہ لوگ مایوس ہو گئے کہ اب آپ اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتے تو سب لوگ قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال تراشنے لگے مگر اس قدر رنج و غم میں بھرے ہوئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر ڈالے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۰ باب عمرۃ القضاء مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴ صلح حدیبیہ) (بخاری ج ۱ ص ۳۸۰ باب شروط فی الجہاد الخ)

فتح مبین

اس صلح کو تمام صحابہ نے ایک مغلوبانہ صلح اور ذلت آمیز معاہدہ سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے جو رنج و صدمہ گزرا وہ آپ پڑھ چکے۔ مگر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی۔

خداوند قدوس نے اس صلح کو ''فتح مبین'' بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا یہ ''فتح'' ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں یہ فتح ہے۔''

گو اس وقت اس صلح نامہ کے بارے میں صحابہ کے خیالات اچھے نہیں تھے۔ مگر اس کے بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ درحقیقت یہی صلح تمام فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی۔ اور سب نے مان لیا کہ واقعی صلح حدیبیہ ایک ایسی فتح مبین تھی جو مکہ میں اشاعت اسلام بلکہ فتح مکہ کا ذریعہ بن گئی۔ اب تک مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ مگر اس صلح کی وجہ سے ایک دوسرے کے یہاں آمدورفت آزادی کے ساتھ گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کا راستہ کھل گیا۔ کفار مدینہ آتے اور مہینوں ٹھہر کر مسلمانوں کے کردار و اعمال کا گہرا مطالعہ کرتے۔ اسلامی مسائل اور اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ سنتے جو مسلمان مکہ جاتے وہ اپنے چال چلن، عفت شعاری اور عبادت گزاری سے کفار کے دلوں پر اسلام کی خوبیوں کا ایسا نقش بٹھا دیتے کہ خود بخود

کفار اسلام کی طرف مائل ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک اس قدر کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے کہ اتنے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت خالد بن الولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) بھی اسی زمانے میں خود بخود مکہ سے جا کر مسلمان ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما) (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۷۷ و ص ۲۷۸)

مظلومین مکہ

ہجرت کے بعد جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے انہوں نے کفار کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں۔ ان کو زنجیروں میں باندھ باندھ کر کفار کوڑے مارتے تھے لیکن جب بھی ان میں سے کوئی شخص موقع پاتا تو چھپ کر مدینہ آ جاتا تھا۔ صلح حدیبیہ نے اس کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ اس صلح نامہ میں یہ شرط تحریر تھی کہ مکہ سے جو شخص بھی ہجرت کر کے مدینہ جائے گا۔ وہ پھر مکہ واپس بھیج دیا جائے گا۔

حضرت ابو بصیر کا کارنامہ

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے جو بزرگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ وہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ تھے۔ کفار مکہ نے فوراً ہی دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''تم مکے چلے جاؤ' تم جانتے ہو کہ ہم نے کفار قریش سے معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی اور غداری جائز نہیں ہے'' حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ کو کافروں کے حوالہ فرمائیں گے۔ تاکہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جاؤ! خداوند کریم تمہاری رہائی کا کوئی سبب بنا دے گا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ دونوں کافروں کی حراست میں مکہ واپس ہو گئے۔ لیکن جب مقام ''ذوالحلیفہ'' میں پہنچے تو سب کھانے کے لئے بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک کافر سے کہا کہ اجی! تمہاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے خوش ہو کر نیام سے تلوار نکال کر دکھائی اور کہا کہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے اور میں نے بارہا لڑائیوں میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذرا میرے ہاتھ میں تو دو۔ میں بھی دیکھوں کہ کیسی تلوار ہے؟ اس نے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی۔ انہوں نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس زور سے تلوار ماری کہ کافر کی گردن کٹ گئی اور اس کا سر دور جا گرا۔ اس کے

ساتھی نے جو یہ منظر دیکھا تو وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور سرپٹ دوڑتا ہوا مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی میں گھس گیا۔ حضور ﷺ نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ہانپتے کانپتے ہوئے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ میرے ساتھی کو ابو بصیر نے قتل کر دیا اور میں بھی ضرور مارا جاؤں گا۔ اتنے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے آن پہنچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی کیونکہ صلح نامہ کی شرط کے بموجب آپ نے تو مجھ کو واپس کر دیا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ کو ان کافروں سے نجات دے دی۔

حضور ﷺ کو اس واقعہ سے بڑا رنج پہنچا اور آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ:

وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ ۔
اس کی ماں مرے! یہ تو لڑائی بھڑکا دے گا کاش اس کے ساتھ کوئی آدمی ہوتا جو اس کو روکتا۔

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اس جملہ سے سمجھ گئے کہ میں پھر کافروں کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا' اس لئے وہ وہاں سے چپکے سے کھسک گئے اور ساحل سمندر کے قریب مقام ''عیص'' میں جا کر ٹھہرے۔ ادھر مکہ سے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی زنجیر کاٹ کر بھاگے اور وہ بھی وہیں پہنچ گئے۔ پھر مکہ کے دوسرے مظلوم مسلمانوں نے بھی موقع پا کر کفار کی قید سے نکل نکل کر یہاں پناہ لینی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس جنگل میں ستر آدمیوں کی جماعت جمع ہو گئی۔ کفار قریش کے تجارتی قافلوں کا یہی راستہ تھا جو قافلہ بھی آمدورفت میں یہاں سے گزرتا۔ یہ لوگ اس کو لوٹ لیتے۔ یہاں تک کہ کفار قریش کا ناک میں دم کر دیا۔ بالآخر کفار قریش نے خدا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر حضور ﷺ کو خط لکھا کہ ہم صلح نامہ میں اپنی شرط سے باز آئے۔ آپ لوگوں کو ساحل سمندر سے مدینہ بلا لیجئے اور اب ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو مسلمان بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے۔ آپ اس کو مدینہ میں ٹھہرا لیجئے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ (بخاری باب الشروط فی الجہاد ج ۱ ص ۳۸۰)

یہ بھی روایت ہے کہ قریش نے خود ابو سفیان کو مدینہ بھیجا کہ ہم صلح نامہ حدیبیہ میں اپنی شرط سے دست بردار ہو گئے۔ لہٰذا آپ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں بلا لیں تاکہ ہمارے تجارتی قافلے ان لوگوں کے قتل و غارت سے محفوظ ہو جائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس خط بھیجا کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت مقامِ ''عیص'' سے مدینہ

چلے آؤ۔ مگر افسوس! کہ فرمانِ رسالت ان کے پاس ایسے وقت پہنچا جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ مقدس خط کو انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور دفن کے بعد ان کی قبر شریف کے پاس یادگار کے لئے ایک مسجد بنا دی۔ پھر فرمان رسول کے بموجب یہ سب لوگ وہاں سے آ کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۸)

سلاطین کے نام دعوت اسلام

سن ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب جنگ و جدال کے خطرات ٹل گئے اور ہر طرف امن و سکون کی فضا پیدا ہو گئی تو چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا دائرہ صرف خطہ عرب ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ تمام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے روم کے بادشاہ ''قیصر'' فارس کے بادشاہ ''کسریٰ'' حبشہ کے بادشاہ ''نجاشی'' مصر کے بادشاہ ''عزیز'' اور دوسرے سلاطین عرب و عجم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

صحابہ کرام میں سے کون کون حضرات ان خطوط کو لے کر کن بادشاہوں کے دربار میں گئے؟ ان کی فہرست کافی طویل ہے مگر ایک ہی دن چھ خطوط لکھوا کر اور اپنی مہر لگا کر جن چھ قاصدوں کو جہاں جہاں آپ نے روانہ فرمایا وہ یہ ہیں۔

1- حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ہرقل قیصر روم	کے دربار میں
2- حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	خسرو پرویز شاہ ایران	//
3- حضرت حاطب رضی اللہ عنہ	مقوقس عزیز مصر	//
4- حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ	نجاشی بادشاہ حبشہ	//
5- حضرت سلیط بن عمر رضی اللہ عنہ	ہوزہ بادشاہ یمامہ	//
6- حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	حارث غسانی والی غسان	//

نامہ مبارک اور قیصر

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا مقدس خط لے کر ''بصریٰ'' تشریف لے گئے۔

اور وہاں قیصر روم کے گورنر شام حارث غسانی کو دیا۔ اس نے اس نامہ مبارک کو ''بیت المقدس'' بھیج دیا کیونکہ قیصر روم ''ہرقل'' ان دنوں بیت المقدس کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ قیصر کو جب یہ مبارک خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ قریش کا کوئی آدمی ملے تو اس کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ قیصر کے حکام نے تلاش کیا تو اتفاق سے ابوسفیان اور عرب کے کچھ دوسرے تاجر مل گئے۔ یہ سب لوگ قیصر کے دربار میں لائے گئے۔ قیصر نے بڑے طمطراق کے ساتھ دربار منعقد کیا اور تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا اور تخت کے گرد اراکین سلطنت' بطارقہ اور احبار ورہبان وغیرہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اسی حالت میں عرب کے تاجروں کا گروہ دربار میں حاضر کیا گیا اور شاہی محل کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ پھر قیصر نے ترجمان کو بلایا اور اس کے ذریعہ گفتگو شروع کی۔ سب سے پہلے قیصر نے یہ سوال کیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تم میں سے ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ ''میں'' قیصر نے ان کو سب سے آگے کیا اور دوسرے عربوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا اور کہا کہ دیکھو! اگر ابوسفیان کوئی غلط بات کہے تو تم لوگ اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ پھر قیصر اور ابوسفیان میں جو مکالمہ ہوا وہ یہ ہے۔

قیصر	مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟
ابوسفیان	ان کا خاندان شریف ہے
قیصر	کیا اس خاندان میں ان سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟
ابوسفیان	''نہیں''!
قیصر	کیا ان کے باپ داداؤں میں کوئی بادشاہ تھا؟
ابوسفیان	نہیں!
قیصر	جن لوگوں نے ان کا دین قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟
ابوسفیان	کمزور لوگ ہیں!
قیصر	ان کے متبعین بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟
ابوسفیان	بڑھتے جا رہے ہیں!
قیصر	کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہو کر پھر اس کو ناپسند کر کے پلٹ بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان	''نہیں''!
قیصر	کیا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے تم لوگ انہیں جھوٹا سمجھتے تھے؟
ابوسفیان	''نہیں''!
قیصر	کیا وہ کبھی عہد شکنی اور وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں؟
ابوسفیان	ابھی تک تو نہیں کی ہے لیکن اب ہمارے اور ان کے درمیان (حدیبیہ) میں جو ایک نیا معاہدہ ہوا ہے۔ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کریں گے؟
قیصر	کیا کبھی تم لوگوں نے ان سے جنگ بھی کی؟
ابوسفیان	''ہاں''!
قیصر	نتیجہ جنگ کیا رہا؟
ابوسفیان	کبھی ہم جیتے' کبھی وہ
قیصر	وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟
ابوسفیان	وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ' بتوں کو چھوڑ دو' نماز پڑھو' سچ بولو' پاک دامنی اختیار کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس سوال و جواب کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے ان کو خاندانی شریف بتایا اور تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ کہ ہمیشہ پیغمبر اچھے خاندانوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اوروں کی نقل اتار رہا ہے۔ تم نے اقرار کیا ہے کہ ان کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھ لیتا کہ یہ شخص اپنے آباؤ اجداد کی بادشاہی کا طلبگار ہے۔ تم مانتے ہو کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولے تو جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا بھلا وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزور لوگوں نے ان کے دین کو قبول کیا ہے۔ تو سن لو ہمیشہ ابتداء میں پیغمبروں کے متبعین مفلس اور کمزور ہی لوگ ہوتے رہے ہیں۔ تم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑھتے ہی جا رہے ہیں تو ایمان کا معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تم کو یہ تسلیم ہے کہ کوئی ان کے دین سے پھر کر مرتد نہیں

ہو رہا ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان کی شان ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ جب اس کی لذت کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر وہ کبھی نکل نہیں سکتی۔ تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی غداری اور بدعہدی نہیں کی ہے۔ تو رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کبھی کوئی دغا فریب کا کام کرتے ہی نہیں۔ تم نے ہمیں بتایا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت، شرک سے پرہیز، بت پرستی سے ممانعت، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ تو سن لو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اگر یہ صحیح ہے۔ تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک ہو جائیں گے جہاں اس وقت میرے قدم ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ایک رسول کا ظہور ہونے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ رسول تم عربوں میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی بارگاہ میں پہنچ سکوں گا تو میں تکلیف اٹھا کر وہاں تک پہنچتا۔ اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کا پاؤں دھوتا۔ قیصر نے اپنی اس تقریر کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا جائے۔ نامہ مبارک کی عبارت یہ تھی۔

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام علىٰ من اتبع الهدىٰ امابعد فاني ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فاني عليك اثمه الاريسين يااهل الكتاب تعالوا الىٰ كلمة سواء بينناوبينكم ان لا نعبد ال الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون ۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے یہ خط "ہرقل" کے نام ہے جو روم کا بادشاہ ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوگنا ثواب دے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو خدا نہ بنائیں اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں!

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی اس سے اس کے درباری پہلے ہی انتہائی برہم اور بیزار ہو چکے تھے۔ اب یہ خط سنا۔ پھر جب قیصر نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ اے جماعت روم! اگر تم اپنی فلاح اور اپنی بادشاہی کی بقا چاہتے ہو تو اس نبی کی بیعت کرلو۔ تو درباریوں میں اس قدر ناراضگی اور بیزاری پھیل گئی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدک بدک کر دربار سے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ مگر چونکہ تمام دروازے بند تھے اس لئے وہ لوگ باہر نہ نکل سکے۔ جب قیصر نے اپنے درباریوں کی نفرت کا یہ منظر دیکھا تو وہ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے کہا کہ ان درباریوں کو بلاؤ جب سب آ گئے تو قیصر نے کہا کہ ابھی ابھی میں نے تمہارے سامنے جو کچھ کہا۔ اس سے میرا مقصد تمہارے دین کی پختگی کا امتحان لینا تھا تو میں نے دیکھ لیا کہ تم لوگ اپنے دین میں بہت پکے ہو۔ یہ سن کر تمام درباری قیصر کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور ابوسفیان وغیرہ دربار سے نکال دیئے گئے۔ اور دربار برخواست ہو گیا۔ چلتے وقت ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب یقیناً ابوکبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کا معاملہ بہت بڑھ گیا۔ دیکھ لو۔ رومیوں کا بادشاہ ان سے ڈر رہا ہے۔

(بخاری باب کیف کان بدء الوحی ج ۱ ص ۴ تا ۵ و مسلم ج ۲ ص ۹۷ تا ۹۹ و مدارج ج ۲ ص ۲۲۱ وغیرہ)

قیصر چونکہ توراۃ و انجیل کا ماہر اور علم نجوم سے واقف تھا اس لئے وہ نبی آخر الزماں کے ظہور سے باخبر تھا اور ابوسفیان کی زبان سے حالات سن کر اس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا تھا۔ مگر سلطنت کی حرص و ہوس کی آندھیوں نے اس چراغ ہدایت کو بجھا دیا اور وہ اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا۔

خسرو پرویز کی بددماغی

تقریباً اسی مضمون کے خطوط دوسرے بادشاہوں کے پاس بھی حضور ﷺ نے روانہ فرمائے۔ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے دربار میں جب نامہ مبارک پہنچا تو صرف اتنی سی بات پر اس کے غرور اور گھمنڈ کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اس نے کہا کہ اس خط میں محمد (ﷺ) نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا؟ یہ کہہ کر اس نے فرمان رسالت کو پھاڑ ڈالا اور پرزے پرزے کر کے خط کو زمین پر پھینک دیا۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ:

مَزَّقَ كِتَابِىْ مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهٗ ۔ اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا خدا اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

چنانچہ اس کے بعد ہی خسرو پرویز کو اس کے بیٹے ''شیرویہ'' نے رات میں سوتے ہوئے اس کا شکم پھاڑ کر اس کو قتل کر دیا۔ اور اس کی بادشاہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں یہ حکومت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۵ وغیرہ و بخاری ج ۱ ص ۴۱۱)

نجاشی کا کردار

نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس جب فرمان رسالت پہنچا تو اس نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔ اس معاملہ میں مورخین کا اختلاف ہے کہ اس نجاشی نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مگر مواہب لدنیہ میں لکھا ہوا ہے کہ یہ نجاشی جس کے پاس اعلان نبوت کے پانچویں سال مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے گئے تھے۔ اور ۶ ھ میں جس کے پاس حضور ﷺ نے خط بھیجا اور ۹ ھ میں جس کا انتقال ہوا۔ اور مدینہ میں حضور ﷺ نے جس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اس کا نام ''اصحمہ'' تھا اور یہ بلاشبہ مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد جو نجاشی تخت پر بیٹھا اس کے پاس بھی حضور ﷺ نے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ مگر اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نجاشی کا نام کیا تھا؟ اور اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مشہور ہے کہ یہ دونوں مقدس خطوط اب تک سلاطین حبشہ کے پاس موجود ہیں اور وہ لوگ اس کا بے حد ادب واحترام کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۰)

شاہ مصر کا برتاؤ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ نے ''مقوقس'' مصر و اسکندریہ کے بادشاہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ نہایت ہی اخلاق کے ساتھ قاصد سے ملا اور فرمانِ نبوی کو بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ پڑھا' مگر مسلمان نہیں ہوا۔ ہاں حضور ﷺ کی خدمت میں چند چیزوں کا تحفہ بھیجا۔ دو لونڈیاں ایک حضرت ''ماریہ قبطیہ'' تھیں جو حضور ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں اور انہیں کے شکم مبارک سے حضور ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ دوسری حضرت ''سیرین'' تھیں جن کو آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دیا۔ ان کے بطن سے حضرت حسان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن پیدا ہوئے ان

دونوں لونڈیوں کے علاوہ ایک سفید گدھا جس کا نام ''یعفور'' تھا اور ایک سفید خچر جو دلدل کہلاتا تھا ایک ہزار مثقال سونا، ایک غلام، کچھ شہد، کچھ کپڑے بھی تھے۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص ۲۲۹)

بادشاہ یمامہ کا جواب

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ جب ''ہوزہ'' بادشاہ یمامہ کے پاس خط لے کر پہنچے تو اس نے بھی قاصد کا احترام کیا۔ لیکن اسلام قبول نہیں کیا اور جواب میں یہ لکھا کہ آپ جو باتیں کہتے ہیں وہ نہایت اچھی ہیں اگر آپ اپنی حکومت میں سے کچھ مجھے بھی حصہ دیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا کہ اسلام ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں آیا ہے۔ اگر زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص ۲۲۹)

حارث غسانی کا گھمنڈ

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے جب حارث غسانی والیٔ غسان کے سامنے نامہ اقدس کو پیش کیا۔ تو وہ مغرور، خط کو پڑھ کر برہم ہو گیا اور اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مدینہ کے مسلمان ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہنے لگے۔ اور بالآخر ''غزوہ موتہ'' اور ''غزوہ تبوک'' کے واقعات درپیش ہوئے جن کا مفصل تذکرہ ہم آگے تحریر کریں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بادشاہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سلاطین و امراء کو دعوت اسلام کے خطوط تحریر فرمائے جن میں سے کچھ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نیاز مندیوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی بھیجے۔ مثلاً یمن کے شاہان حمیر میں سے جن جن بادشاہوں نے مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں عرضیاں بھیجیں جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ کی خدمت میں پہنچیں۔ ان بادشاہوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حارث بن عبد کلال

۲۔ نعیم بن عبد کلال

۳۔ نعمان حاکم ذورعین و معافر و ہمدان

۴۔ زرعۂ یہ سب یمن کے بادشاہ ہیں۔

ان کے علاوہ ''فروہ بن عمرو'' جو کہ سلطنت روم کی جانب سے گورنر تھا۔ اپنے اسلام لانے کی خبر قاصد کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ اس طرح ''باذان''، جو بادشاہ ایران کسریٰ کی طرف سے صوبہ یمن کا صوبہ دار تھا اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور ایک عرضی تحریر کر کے حضور ﷺ کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ ان سب کا مفصل تذکرہ ''سیرت ابن ہشام، و زُرقانی و مدارج النبوۃ'' وغیرہ میں موجود ہے۔ ہم اپنی اس مختصر کتاب میں ان کا مفصل بیان تحریر کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔

سریہ نجد

سن ٦ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کی ماتحتی میں ایک لشکر نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لیا اور مدینہ لائے۔ جب لوگوں نے ان کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا جائے۔ چنانچہ یہ ستون میں باندھ دیئے گئے۔ پھر حضور ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ اے ثمامہ! تمہارا کیا حال ہے؟ اور تم اپنے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟ ثمامہ نے جواب دیا کہ اے محمد (ﷺ) میرا حال اور خیال تو اچھا ہی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی آدمی کو قتل کریں گے۔ اور اگر مجھے اپنے انعام سے نواز کر چھوڑ دیں گے تو ایک شکر گزار کو چھوڑیں گے۔ اور اگر آپ مجھ سے کچھ مال کے طلبگار ہوں تو بتا دیجئے۔ آپ کو مال دیا جائے گا۔ حضور ﷺ یہ گفتگو کر کے چلے آئے۔ پھر دوسرے روز بھی یہی سوال و جواب ہوا۔ پھر تیسرے روز بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ ثمامہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے باغ میں چلے گئے جو مسجد نبوی کے قریب ہی میں تھا۔ وہاں انہوں نے غسل کیا۔ پھر مسجد نبوی میں واپس آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم! مجھے جس قدر آپ کے چہرہ سے نفرت تھی اتنی روئے زمین پر کسی کے چہرہ سے نہ تھی۔ مگر آج آپ کے چہرہ سے مجھے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اتنی محبت کسی کے چہرہ سے نہیں ہے۔ کوئی دین میری نظر میں اتنا ناپسند نہ تھا جتنا آپ کا دین لیکن آج کوئی دین میری نظر میں اتنا محبوب نہیں ہے جتنا آپ کا دین، کوئی شہر میری نگاہ میں اتنا برا نہ تھا جتنا آپ کا شہر، اور اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ آپ کے شہر سے زیادہ مجھے

کوئی شہر محبوب نہیں ہے۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مکہ جارہا تھا کہ آپ کے لشکر نے مجھے گرفتار کرلیا۔ اب آپ میرے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا مژدہ سنایا اور پھر حکم دیا کہ تم مکہ جا کر عمرہ ادا کرلو!

جب یہ مکہ پہنچے اور طواف کرنے لگے تو قریش کے کسی کافر نے ان کو دیکھ کر کہا کہ اے ثمامہ! تم صابی (بے دین) ہوگئے ہو۔ آپ نے نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا ہوں بلکہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اور اے اہل مکہ سن لو! اب جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں گے۔ تم لوگوں کو ہمارے وطن سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں مل سکے گا۔ مکہ والوں کے لئے ان کے وطن ''یمامہ'' ہی سے غلہ آیا کرتا تھا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۷ باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامہ ومسلم ج ۲ ص ۹۳ باب ربط الاسیر ومدارج ج ۲ ص ۱۸۹)

ابورافع قتل کردیا گیا

سن ۶ ھ کے واقعات میں سے ابورافع یہودی کا قتل بھی ہے۔ ابورافع یہودی کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق یا سلام بن الحقیق تھا۔ یہ بہت ہی دولت مند تاجر تھا لیکن اسلام کا زبردست دشمن اور بارگاہِ نبوت کی شان میں نہایت ہی بدترین گستاخ اور بے ادب تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حیی بن اخطب یہودی کے ساتھ مکہ گیا اور کفارِ قریش اور دوسرے قبائل کو جوش دلا کر غزوۂ خندق میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے دس ہزار کی فوج لے کر آیا تھا۔ اور ابوسفیان کو اُبھار کر اسی نے اس فوج کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حیی بن اخطب تو جنگ خندق کے بعد غزوہ بنی قریظہ میں مارا گیا تھا مگر یہ بچ نکلا تھا اور حضور ﷺ کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں تن، من، دھن سے لگا ہوا تھا۔ انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا اور یہ دونوں اکثر رسول اللہ ﷺ کے سامنے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ چونکہ قبیلہ اوس کے لوگوں حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ۳ ھ میں بڑے خطرہ میں پڑ کر ایک دشمن رسول ''کعب بن اشرف یہودی'' کو قتل کیا تھا۔ اس لئے قبیلہ خزرج کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اب رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ''ابورافع'' رہ گیا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو چاہیے کہ اس کو قتل کر ڈالیں تا کہ ہم لوگ بھی قبیلہ اوس کی طرح ایک دشمن رسول کو قتل کرنے کا اجر و ثواب حاصل کرلیں۔ چنانچہ

حضرت عبداللہ بن عتیک و عبداللہ بن انیس و ابوقتادہ و حارث بن ربعی و مسعود بن سنان و خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم اس کے لئے مستعد اور تیار ہوئے۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امیر مقرر فرما دیا۔ اور ان لوگوں کو منع کر دیا کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔

(زُرقانی علی المواہب ج۲ ص۱۶۳)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابورافع کے محل کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھ کر میری آمد کا انتظار کرتے رہو۔ اور خود بہت ہی خفیہ تدبیروں سے رات میں اس کے محل کے اندر داخل ہو گئے۔ اور اس کے بستر پر پہنچ کر اندھیرے میں اس کو قتل کر دیا۔ جب محل سے نکلنے لگے تو سیڑھی سے گر پڑے جس سے ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مگر انہوں نے فوراً ہی اپنی پگڑی سے اپنے ٹوٹے ہوئے پاؤں کو باندھ دیا اور کسی طرح محل سے باہر آ گئے۔ پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے مدینہ پہنچے جب دربار رسالت میں حاضر ہو کر ابورافع کے قتل کا سارا ماجرا بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''پاؤں پھیلاؤ'' انہوں نے پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے پاؤں پر پھرا دیا۔ فوراً ہی ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی اور ان کا پاؤں بالکل صحیح و سالم ہو گیا۔ (بخاری ج۱ ص۲۲۴ باب قتل النائم المشرک)

سن ۶ ھ کی بعض لڑائیاں

سن ۶ ھ میں صلح حدیبیہ سے قبل چند چھوٹے چھوٹے لشکروں کو حضور ﷺ نے مختلف اطراف میں روانہ فرمایا تا کہ وہ کفار کے حملوں کی مدافعت کرتے رہیں۔ ان لڑائیوں کا مفصل تذکرہ زُرقانی علی المواہب اور مدارج النبوۃ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ مگر ان لڑائیوں کی ترتیب اور ان کی تاریخوں میں مورخین کا بڑا اختلاف ہے۔ اس لئے ٹھیک طور پر ان کی تاریخوں کی تعیین بہت مشکل ہے۔ ان واقعات کا چیدہ چیدہ بیان حدیثوں میں موجود ہے۔ مگر حدیثوں میں بھی ان کی تاریخیں مذکور نہیں ہیں۔ البتہ بعض قرائن و شواہد سے اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ سب صلح حدیبیہ سے قبل کے واقعات ہیں۔ ان لڑائیوں میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱- سریہ قرطاء، ۲- غزوہ بنی لحیان۔ ۳- سریۃ الغمر۔ ۴- سریہ علی بجانب جموم۔ ۵- سریہ زید بجانب عیص۔ ۶- سریہ زید بجانب وادی القریٰ۔ ۷- سریہ علی بجانب بنی

سعد۔ ۸- سریہ زید بجانب ام قرفہ۔ ۹- سریہ ابن رواحہ۔ ۱۰- سریہ ابن مسلمہ۔ ۱۱- سریہ زید بجانب طرف۔ ۱۲- سریہ عسکل وعرینہ۔ ۱۳- سریہ ضمری۔ ان لڑائیوں کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ ہم نے یہاں ان لڑائیوں کے مذکورہ بالا نام زُرقانی علی المواہب کی فہرست سے نقل کئے ہیں۔ (فہرست زُرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۵۰)

بارھواں باب

ہجرت کا ساتواں سال

غزوۂ ذات القرد

مدینہ کے قریب ''ذات القرد'' ایک چراگاہ کا نام ہے جہاں حضور ﷺ کی اونٹنیاں چرتی تھیں۔ عبدالرحمٰن بن عیینہ فزاری نے جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتا تھا اپنے چند آدمیوں کے ساتھ ناگہاں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور یہ لوگ بیس اونٹنیوں کو پکڑ کر لے بھاگے۔ مشہور تیرانداز صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے پہلے اس کی خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے بلند آواز سے یہ نعرہ مارا کہ ''یا صباحاہ'' پھر اکیلے ہی ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور ان ڈاکوؤں کو تیر مار مار کر تمام اونٹنیوں کو بھی چھین لیا اور ڈاکو بھاگتے ہوئے جو تیس چادریں پھینکتے گئے تھے ان چادروں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ لشکر لے کر پہنچے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے ان چھاپہ ماروں کو ابھی تک پانی نہیں پینے دیا ہے۔ یہ سب پیاسے ہیں۔ ان لوگوں کے تعاقب میں لشکر بھیج دیجئے تو یہ سب گرفتار ہوجائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اونٹنیوں کے مالک ہو چکے ہو۔ اب ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ حضرت امام بخاری کا بیان ہے کہ یہ غزوہ جنگ خیبر کے لئے روانہ ہونے سے تین دن قبل ہوا۔

(بخاری غزوۂ ذات القرد ج۲ ص۶۰۳ و مسلم ج۲ ص۱۱۳)

جنگ خیبر

''خیبر'' مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری پر ایک شہر ہے۔ ایک انگریز سیاح نے لکھا ہے

کہ خیبر مدینہ سے تین سو بیس کلو میٹر دور ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ تھا اور یہاں عمدہ کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں۔ عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز یہی خیبر تھا۔ یہاں کے یہودی عرب میں سب سے زیادہ مالدار اور جنگجو تھے اور ان کو اپنی مالی اور جنگی طاقتوں پر بڑا ناز اور گھمنڈ بھی تھا۔ یہ لوگ اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کے بدترین دشمن تھے۔ یہاں یہودیوں نے بہت سے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے آٹھ قلعے بہت مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

کتیبہ۔ ناعم۔ شق۔ قموص۔ نطاۃ۔ صعب۔ وطیح۔ سلالم۔ درحقیقت۔ یہ آٹھوں قلعے آٹھ محلوں کے مثل تھے اور انہی آٹھوں قلعوں کا مجموعہ ''خیبر'' کہلاتا تھا۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص۲۳۴)

غزوہ خیبر کب ہوا؟

تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ خیبر محرم کے مہینے میں ہوئی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ سن ۶ ھ تھا یا ۷ ھ۔ غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سن ہجری کی ابتداء محرم سے کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک محرم میں ۷ ھ شروع ہو گیا اور بعض لوگ سن ہجری کی ابتداء، ربیع الاول سے کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت ربیع الاول میں ہوئی۔ لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک یہ محرم و صفر ۶ ھ کے تھے۔ (واللہ اعلم)

جنگِ خیبر کا سبب

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جنگِ خندق میں جن جن کفارِ عرب نے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ ان میں خیبر کے یہودی بھی تھے۔ بلکہ درحقیقت وہی اس حملہ کے بانی اور سب سے بڑے محرک تھے۔ چنانچہ ''بنونضیر'' کے یہودی جب مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تو یہودیوں کے جو رؤسا خیبر چلے گئے تھے۔ ان میں سے حیی بن اخطب اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے تو مکہ جا کر کفارِ قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا۔ اور تمام قبائل کا دورہ کر کے کفارِ عرب کو جوش دلا کر برانگیختہ کیا۔ اور حملہ آوروں کی مالی امداد کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے یہ دونوں سردار حملہ کرنے والوں میں شامل رہے۔ حیی بن اخطب تو جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو سن ۶ ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کے محل میں داخل

ہو کر قتل کر دیا۔ لیکن ان سب واقعات کے بعد بھی خیبر کے یہودی بیٹھ نہیں رہے۔ بلکہ اور زیادہ انتقام کی آگ ان کے سینوں میں بھڑ کنے لگی۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پر پھر ایک دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا اور اس کی آبادی خیبر سے بالکل ہی متصل تھی۔ اور خیبر کے یہودی خود بھی عرب کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہونے کے ساتھ بہت ہی جنگباز اور تلوار کے دھنی تھے۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے ایک بڑی طاقتور فوج تیار ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پلان بنا لیا۔

مسلمان خیبر چلے

جب رسول خدا ﷺ کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودی قبیلہ غطفان کو ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو ان کی اس چڑھائی کو روکنے کے لئے سولہ سو صحابہ کرام کا لشکر ساتھ لے کر آپ خیبر روانہ ہوئے۔ مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ ؓ کو افسر مقرر فرمایا اور تین جھنڈے تیار کرائے۔ ایک جھنڈا حضرت حباب بن منذر ؓ کو دیا اور ایک جھنڈے کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ ؓ کو بنایا اور خاص علم نبوی حضرت علی ؓ کے دست مبارک میں عنایت فرمایا اور ازواجِ مطہرات میں سے حضرت بی بی اُمِ سلمہ ؓ کو ساتھ لیا۔

حضور ﷺ رات کے وقت حدود خیبر میں اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ پہنچ گئے اور نماز فجر کے بعد شہر میں داخل ہوئے۔ تو خیبر کے یہودی اپنے اپنے ہنسیا اور ٹوکری لے کر کھیتوں اور باغوں میں کام کاج کے لئے قلعہ سے نکلے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو شور مچانے لگے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ ”خدا کی قسم! لشکر کے ساتھ محمد (ﷺ) ہیں۔“ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ۔

خیبر برباد ہو گیا۔ بلاشبہ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو کفار کی صبح بری ہو جاتی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو صحابہ کرام بہت ہی بلند آوازوں سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے اوپر نرمی برتو۔ تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ اس (اللہ) کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ میں حضور ﷺ کی سواری کے پیچھے **لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا**

بِاللّٰہِ۔ کا وظیفہ پڑھ رہا تھا جب آپ نے سنا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسا کلمہ نہ بتا دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ''کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان۔'' تو فرمایا کہ وہ کلمہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۵)

یہودیوں کی تیاری

یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں پہنچا دیا اور راشن کا ذخیرہ قلعہ ''ناعم'' میں جمع کر دیا۔ اور فوجوں کو ''نطاۃ'' اور ''قموص'' کے قلعوں میں اکٹھا کیا' ان میں سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ ''قموص'' تھا اور ''مرحب یہودی'' جو عرب کے پہلوانوں میں ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ سلام بن مشکم یہودی گو بیمار تھا مگر وہ بھی قلعہ ''نطاۃ'' میں فوجیں لے کر ڈٹا ہوا تھا۔ یہودیوں کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی جو مختلف قلعوں کی حفاظت کے لئے مورچہ بندی کئے ہوئے تھی۔

محمود بن مسلمہ شہید ہو گئے

سب سے پہلے قلعہ ''ناعم'' پر معرکہ آرائی اور جم کر لڑائی ہوئی۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ جنگ کی مگر سخت گرمی اور لو کے تھپیڑوں کی وجہ سے ان پر پیاس کا غلبہ ہو گیا۔ وہ قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے سو گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق یہودی نے ان کو دیکھ لیا اور چھت سے ایک بہت بڑا پتھر ان کے اوپر گرا دیا جس سے ان کا سر کچل گیا اور یہ شہید ہو گئے۔ اس قلعہ کو فتح کرنے میں پچاس مسلمان زخمی ہو گئے۔ لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

اسود راعی کی شہادت

حضرت اسود راعی رضی اللہ عنہ اسی قلعہ کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک حبشی تھے جو خیبر کے کسی یہودی کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب یہودی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ آخر تم لوگ کس سے جنگ کے لئے تیاریاں کر رہے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ آج ہم اس شخص سے جنگ کریں گے جو کہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سن کر ان کے دل میں حضور ﷺ کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ بکریاں لئے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے اور حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ کہ

آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر وثواب ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی۔ انہوں نے فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ اب میں ان کو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان بکریوں کو قلعہ کی طرف ہانک دو اور ان کو کنکریوں سے مارو۔ یہ سب خود بخود اپنے مالک کے گھر پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ انہوں نے بکریوں کو کنکریاں مار کر ہانک دیا اور وہ سب اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔

اس کے بعد یہ خوش نصیب حبشی ہتھیار پہن کر مجاہدین اسلام کی صف میں کھڑا ہو گیا اور انتہائی جوش وخروش کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ عَمَلٌ قَلِيْلاً وَّ اَجْرٌ كَثِيْرًا ۔

یعنی اس شخص نے بہت ہی کم عمل کیا اور بہت زیادہ اجر دیا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے ان کی لاش کو خیمہ میں لانے کا حکم دیا اور ان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ نے یہ بشارت سنائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کالے چہرہ کو حسین بنا دیا۔ اس کے بدن کو خوشبودار بنا دیا اور دو حوریں اس کو جنت میں ملیں۔ اس شخص نے ایمان اور جہاد کے سوا کوئی دوسرا عمل خیر نہیں کیا، نہ ایک وقت کی نماز پڑھی، نہ ایک روزہ رکھا، نہ حج وزکوٰۃ کا موقعہ ملا۔ مگر ایمان اور جہاد کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۴۰)

اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر

حضور ﷺ کو پہلے ہی سے یہ علم تھا کہ قبیلہ غطفان والے ضرور ہی خیبر والوں کی مدد کو آئیں گے۔ اس لئے آپ نے خیبر اور غطفان کے درمیان مقام ''رجیع'' میں اپنی فوجوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا اور خیموں، بار برداری کے سامانوں اور عورتوں کو بھی یہیں رکھا تھا۔ اور یہیں سے نکل نکل کر یہودیوں کے قلعوں پر حملہ کرتے تھے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۹)

قلعہ ناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی بہ آسانی اور بہت جلد فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ ''قموص'' چونکہ بہت ہی مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہاں یہودیوں کی فوجیں بھی بہت زیادہ تھیں اور یہودیوں کا سب سے بڑا بہادر ''مرحب'' خود اس قلعہ کی حفاظت کرتا تھا اس لئے

اس قلعہ کو فتح کرنے میں بڑی دشواری ہوئی۔ کئی روز تک یہ مہم سر نہ ہو سکی۔ حضور ﷺ نے اس قلعہ پر پہلے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں اسلامی فوجوں کو چڑھائی کے لئے بھیجا اور انہوں نے بہت ہی شجاعت اور جاں بازی کے ساتھ حملہ فرمایا۔ مگر یہودیوں نے قلعہ کی فصیل پر سے اس زور کی تیر اندازی اور سنگ باری کی کہ مسلمان قلعہ کے پھاٹک تک نہ پہنچ سکے اور رات ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبردست حملہ کیا اور مسلمان بڑی گرم جوشی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر دن بھر قلعہ پر حملہ کرتے رہے۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا اور کیونکر فتح ہوتا؟ فاتح خیبر ہونا تو علی حیدر کے مقدر میں لکھا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ قَالَ فَبَاتَ النَّاسُ یَدُوْکُوْنَ لَیْلَتَھُمْ اَیُّھُمْ یُعْطَاھَا ۔ (بخاری ج۲ص۶۰۵ غزوہ خیبر)

کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا وہ اللہ و رسول کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔ راوی نے کہا کہ لوگوں نے یہ رات بڑے اضطراب میں گزاری کہ دیکھئے کل کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے؟

صبح ہوئی تو صحابہ کرام خدمت اقدس میں بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ تمنا لے کر حاضر ہوئے کہ یہ اعزاز و شرف ہمیں مل جائے۔ اس لئے کہ جس کو جھنڈا ملے گا اس کے لئے تین بشارتیں ہیں۔

۱۔ وہ اللہ و رسول کا محب ہے۔
۲۔ وہ اللہ و رسول کا محبوب ہے۔
۳۔ خیبر اس کے ہاتھ سے فتح ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز مجھے بڑی تمنا تھی کہ کاش! آج مجھے جھنڈا عنایت ہوتا۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس موقع کے سوا مجھے کبھی بھی فوج کی سرداری اور افسری کی تمنا نہ تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام بھی اس نعمت عظمیٰ کے لئے ترس رہے تھے۔ (مسلم ج۲ص۲۷۸، ۲۷۹ باب من فضائل علی)

لیکن صبح کو اچانک یہ صدا لوگوں کے کان میں آئی کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ آپ نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور ان کی دکھتی

ہوئی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرمائی تو فوراً ہی انہیں ایسی شفا حاصل ہوگئی کہ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنا علم نبوی جو حضرت اُمّ المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیاہ چادر سے تیار کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں عطا فرمایا۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۲۲۲)

اور ارشاد فرمایا کہ:

> تم بڑے سکون کے ساتھ جاؤ اور ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ مسلمان ہو جانے کے بعد تم پر فلاں فلاں اللہ کے حقوق واجب ہیں۔ خدا کی قسم! اگر ایک آدمی نے بھی تمہاری بدولت اسلام قبول کرلیا تو یہ دولت تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۵ غزوۂ خیبر)

حضرت علی اور مرحب کی جنگ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''قلعہ قموص'' کے پاس پہنچ کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی' لیکن انہوں نے اس دعوت کا جواب اینٹ اور پتھر اور تیر و تلوار سے دیا۔ اور قلعہ کا رئیس اعظم ''مرحب'' خود بڑے طنطنہ کے ساتھ نکلا۔ سر پر یمنی زرد رنگ کا ڈھاٹا باندھے ہوئے اور اس کے اوپر پتھر کا خود پہنے ہوئے رجز کا یہ شعر پڑھتے ہوئے حملہ کے لئے آگے بڑھا کہ

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبٗ
شَاكِیْ السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٗ

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں ''مرحب'' ہوں۔ اسلحہ پوش ہوں۔ بہت ہی بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ میں کچھار کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں۔ مرحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت شیر خدا پر اپنی تلوار سے وار کیا مگر آپ نے ایسا پینترا بدلا کہ مرحب کا وار خالی گیا۔ پھر آپ نے بڑھ کر اس کے سر پر اس زور کی تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے خود کٹا مغفر کٹا اور ذوالفقار حیدری

سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور تلوار کی مار کا تڑاکہ فوج تک پہنچا اور مرحب زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ (مسلم ج۲ ص۱۱۵ و ص۲۷۸)

مرحب کی لاش کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام فوج حضرت شیر خدا پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح چمک چمک کر گرتی تھی جس سے صفیں کی صفیں اُلٹ گئیں۔ اور یہودیوں کے مایہ ناز بہادر مرحب، حارث، اسیر، عامر وغیرہ کٹ گئے۔ اسی گھمسان کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ نے آگے بڑھ کر قلعہ قموص کا پھاٹک اکھاڑ دیا اور کواڑ کو ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواریں روکتے رہے۔ یہ کواڑ اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد کو چالیس آدمی اس کو نہ اٹھا سکے۔ (زُرقانی ج۲ ص۲۳۰)

جنگ جاری تھی کہ حضرت علی شیر خدا نے کمال شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے خیبر کو فتح کر لیا اور حضرت صادق الوعد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ صداقت کا نشان بن کر فضاؤں میں لہرانے لگا کہ:

''کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا وہ اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا محب بھی ہے اور اللہ و رسول کا محبوب بھی۔''

بے شک حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ و رسول کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے خیبر کی فتح عطا فرمائی۔ اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فاتح خیبر کے معزز لقب سے سرفراز فرما دیا۔ اور یہ وہ فتح عظیم ہے جس نے پورے ''جزیرۃ العرب'' میں یہودیوں کی جنگی طاقت کا جنازہ نکال دیا۔ فتح خیبر سے قبل اسلام یہودیوں اور مشرکین کے گٹھ جوڑ سے نزع کی حالت میں تھا۔ لیکن خیبر فتح ہو جانے کے بعد اسلام اس خوفناک نزع سے نکل گیا اور آگے اسلامی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی مکہ بھی فتح ہو گیا۔ اس لئے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فاتح خیبر کی ذات سے تمام اسلامی فتوحات کا سلسلہ وابستہ ہے۔ بہر حال خیبر کا قلعہ قموص بیس دن کے محاصرہ اور زبردست معرکہ آرائی کے بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہودی قتل ہوئے اور ۱۵ مسلمان جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ (زُرقانی ج۲ ص۲۲۸)

خیبر کا انتظام

فتح کے بعد خیبر کی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ

بنونضیر کی طرح اہل خیبر کو بھی جلاوطن کر دیں۔ لیکن یہودیوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو خیبر سے نہ نکالا جائے اور زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم یہاں کی پیداوار کا آدھا حصہ آپ کو دیتے رہیں گے۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی۔ چنانچہ جب کھجوریں پک جاتیں اور غلہ تیار ہو جاتا تو حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیج دیتے وہ کھجوروں اور اناجوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتے اور یہودیوں سے فرماتے کہ اس میں سے جو حصہ تم کو پسند ہو وہ لے لو۔ یہودی اس عدل پر حیران ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷ فتح خیبر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ خیبر فتح ہو جانے کے بعد یہودیوں سے حضور ﷺ نے اس طور پر صلح فرمائی کہ یہودی اپنا سونا چاندی ہتھیار سب مسلمانوں کے سپرد کر دیں اور جانوروں پر جو کچھ لدا ہوا ہے وہ یہودی اپنے پاس ہی رکھیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہودی کوئی چیز مسلمانوں سے نہ چھپائیں مگر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود حیی بن اخطب کا وہ چرمی تھیلا یہودیوں نے غائب کر دیا جس میں بنونضیر سے جلاوطنی کے وقت وہ سونا چاندی بھر کر لایا تھا۔ جب یہودیوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو وہ جھوٹ بولے اور کہا کہ وہ ساری رقم لڑائیوں میں خرچ ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول ﷺ کو بتا دیا کہ وہ تھیلا کہاں ہے؟ چنانچہ مسلمانوں نے اس تھیلے کو برآمد کر لیا۔ اس کے بعد (چونکہ کنانہ بن ابی الحقیق نے حضرت محمود بن مسلمہ کو چھت سے پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا) اس لئے حضور ﷺ نے اس کو قصاص میں قتل کرا دیا اور اس کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۴۵ و ابوداود ج ۲ ص ۴۲۴ باب ماجاء فی ارض خیبر)

حضرت صفیہ کا نکاح

قیدیوں میں حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ بنونضیر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنونضیر کا رئیس اعظم تھا۔ جب سب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت فرمائیے۔ آپ نے ان کو اختیار دے دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ بعض صحابہ نے اس پر گزارش کی کہ یارسول اللہ!

اَعْطَیْتَ دِحْیَةَ صَفِیَّةَ بِنْتَ حُیَيٍّ سَیِّدَةَ قُرَیْظَةَ وَالنَّضِیْرِ لَاتَصْلُحُ اِلَّا لَکَ (ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۹ باب ماجاء فی سھم الصفی)

یارسول اللہ! آپ نے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کردیا۔ وہ قریظہ اور بنونضیر کی رئیسہ ہے آپ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں ہے۔

یہ سن کر آپ نے حضرت دحیہ کلبی اور حضرت صفیہ ؓ کو بلایا اور حضرت دحیہ سے فرمایا: کہ تم اس کے سوا کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ اس کے بعد حضرت صفیہ ؓ کو آزاد کر کے آپ نے ان سے نکاح فرمالیا اور تین دن تک منزل صہبا میں ان کو اپنے خیمہ میں سرفراز فرمایا اور صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ کھلایا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۲۹۸ باب ھل یسافر بالجاریہ و بخاری جلد ۲ ص ۷۶۱ باب اتخاذ السراری و مسلم جلد ۱ ص ۴۵۸ باب فضل اعتاق امتہ)

حضور ﷺ کو زہر دیا گیا

فتح کے بعد چند روز حضور ﷺ خیبر میں ٹھہرے یہودیوں کو مکمل امن و امان عطا فرمایا اور قسم قسم کی نوازشوں سے نوازا، مگر اس بدباطن قوم کی فطرت میں اس قدر خباثت بھری ہوئی تھی کہ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی ''زینب'' نے حضور ﷺ کی دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ خدا کے حکم سے گوشت کی بوٹی نے آپ کو زہر کی خبر دی اور آپ نے ایک ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ایک صحابی حضرت بشیر بن براء ؓ نے شکم سیر کھالیا اور زہر کے اثر سے ان کی شہادت ہوگئی اور حضور ﷺ کو بھی اس زہریلے لقمہ سے عمر بھر تالو میں تکلیف رہی۔ آپ نے جب یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان ظالموں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا اور کہا کہ ہم نے اس نیت سے آپ کو زہر کھلایا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ پر اس زہر کا کوئی اثر نہیں ہوگا ورنہ ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ آپ نے اپنی ذات کے لئے تو کبھی کسی سے انتقام لیا ہی نہیں اس لئے آپ نے زینب سے کچھ بھی نہیں فرمایا مگر جب حضرت بشیر بن براء ؓ کی اسی زہر سے وفات ہوگئی تو ان کے قصاص میں زینب قتل کی گئی۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۴۲ و مدارج جلد ۲ ص ۲۵۱)

حضرت جعفر حبشہ سے آگئے

حضور ﷺ فتح خیبر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ میں سے حضرت جعفر ؓ جو حضرت علی ؓ کے بھائی تھے اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے آگئے۔ حضور ﷺ نے فرط محبت سے ان کی پیشانی چوم لی اور

ارشاد فرمایا کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر کے آنے سے۔ (زرقانی ج۲ ص۲۴۶)

ان لوگوں کو حضور ﷺ نے ‘‘صاحب الہجرتین’’ (دو ہجرتوں والے) کا لقب عطا فرمایا۔ کیونکہ یہ لوگ مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے۔ پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اور باوجودیکہ یہ لوگ جنگ خیبر میں شامل نہ ہو سکے مگر ان لوگوں کو آپ نے مال غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا۔

خیبر میں اعلان مسائل

جنگ خیبر کے موقع مندرجہ ذیل فقہی مسائل کی حضور ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

1- پنجہ دار پرندوں کو حرام فرمایا۔
2- تمام درندہ جانوروں کی حرمت کا اعلان فرما دیا۔
3- گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔
4- چاندی سونے کی خرید و فروخت میں کمی بیشی کے ساتھ خریدنے اور بیچنے کو حرام فرمایا اور حکم دیا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے اور سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچنا ضروری ہے۔ اگر کمی بیشی ہوگی تو وہ سود ہوگا جو حرام ہے۔
5- اب تک یہ حکم تھا کہ لونڈیوں سے ہاتھ آتے ہی صحبت کرنا جائز تھا لیکن اب ‘‘استبراء’’ ضروری قرار دے دیا گیا یعنی اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ورنہ ایک مہینہ ان سے صحبت جائز نہیں ’’عورتوں سے متعہ کرنا بھی اسی غزوہ میں حرام کر دیا گیا۔

(زرقانی ج۲ ص۲۳۳ تا ص۲۳۸)

وادی القریٰ کی جنگ

خیبر کی لڑائی سے فارغ ہو کر حضور اکرم ﷺ ‘‘وادی القریٰ’’ تشریف لے گئے جو مقام ‘‘تیماء’’ اور ‘‘فدک’’ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں یہودیوں کی چند بستیاں آباد تھیں۔ حضور ﷺ جنگ کے ارادہ سے یہاں نہیں آئے تھے۔ مگر یہاں کے یہودی چونکہ جنگ کے لئے تیار تھے اس لئے انہوں نے حضور ﷺ پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ کے ایک غلام جن کا نام حضرت مدعم رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ اونٹ سے کجاوہ اُتار رہے تھے کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جس کا

جواب ان بدبختوں نے تیر وتلوار سے دیا۔ اور باقاعدہ صف بندی کر کے مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مجبوراً مسلمانوں نے بھی جنگ شروع کر دی' چار دن تک نبی اکرم ﷺ ان یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر یہ لوگ برابر لڑتے ہی رہے۔ آخر دس یہودی قتل ہو گئے اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد اہل خیبر کی شرطوں پر ان لوگوں نے بھی صلح کر لی کہ مقامی پیداوار کا آدھا حصہ مدینہ بھیجتے رہیں گے۔

جب خیبر اور وادی القریٰ کے یہودیوں کا حال معلوم ہو گیا تو ''تیمار'' کے یہودیوں نے بھی جزیہ دے کر حضور ﷺ سے صلح کر لی۔ وادی القریٰ میں حضور ﷺ چار دن مقیم رہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۶۲ و زرقانی ج ۲ ص ۲۴۸)

فدک کی صلح

جب ''فدک'' کے یہودیوں کو خیبر اور وادی القریٰ کے معاملہ کی اطلاع ملی تو ان لوگوں نے کوئی جنگ نہیں کی۔ بلکہ دربار نبوت میں قاصد بھیج کر یہ درخواست کی کہ خیبر اور وادی القریٰ والوں سے جن شرطوں پر آپ نے صلح کی ہے اسی طرح کے معاملہ پر ہم سے بھی صلح کر لی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور ان سے صلح ہو گئی۔ لیکن یہاں چونکہ کوئی فوج نہیں بھیجی گئی اس لئے اس بستی میں مجاہدین کو کوئی حصہ نہیں ملا بلکہ یہ خاص حضور ﷺ کی ملکیت قرار پائی اور خیبر وادی القریٰ کی زمینیں تمام مجاہدین کی ملکیت ٹھہریں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۴۸)

عمرۃ القضاء

چونکہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ آئندہ سال حضور ﷺ مکہ آ کر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن مکہ میں ٹھہریں گے۔ اس دفعہ کے مطابق ماہ ذوالقعدہ سن ۷ ھ میں آپ نے عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ روانہ ہونے کا عزم فرمایا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ گزشتہ سال حدیبیہ میں شریک تھے۔ وہ سب میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو جنگ خیبر میں شہید یا وفات پا چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

حضور ﷺ کو چونکہ کفار مکہ پر بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں گے۔ اس لئے آپ جنگ کی پوری تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بوقت روانگی حضرت ابورہم غفاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے مدینہ پر حاکم بنادیا اور دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ جن میں ایک سو گھوڑوں پر سوار تھے۔ آپ مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ساٹھ اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے جب کفار مکہ کو خبر لگی کہ حضور ﷺ ہتھیاروں اور سامان جنگ کے ساتھ مکہ آ رہے ہیں تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے چند آدمیوں کو صورت حال کی تحقیقات کے لئے ''مرالظہران'' تک بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سپاہ سواروں کے افسر تھے۔ قریش کے قاصدوں نے ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے اطمینان دلایا کہ نبی ﷺ صلح نامہ کی شرط کے مطابق بغیر ہتھیار کے مکہ میں داخل ہوں گے۔ یہ سن کر کفار قریش مطمئن ہوگئے۔

چنانچہ حضور ﷺ جب مقام ''یاجج'' میں پہنچے جو مکہ سے آٹھ میل دور ہے۔ تو تمام ہتھیاروں کو اس جگہ رکھ دیا اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں چند صحابہ کرام کو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لئے متعین فرمادیا اور اپنے ساتھ ایک تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں رکھا اور صحابہ کرام کے مجمع کے ساتھ ''لبیک'' پڑھتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے جب مکہ میں داخل ہونے لگے تو دربار نبوت کے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے رجز کے یہ اشعار جوش و خروش کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے کہ

خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِہٖ
اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

اے کافروں کے بیٹو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار چلائیں گے۔

ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ
وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ

ہم تلوار کا ایسا وار کریں گے جو سر کو اس کی خوابگاہ سے الگ کردے اور دوست کی یاد اس کے دوست کے دل سے بھلادے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹوکا اور کہا کہ اے عبداللہ بن رواحہ! رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ یہ اشعار کفار کے حق میں تیروں سے بڑھ کر ہیں۔

(شمائل ترمذی ص ۷ اور زرقانی ج ۲ ص ۲۵۵ تا ص ۲۵۷)

جب رسول اکرم ﷺ خاص حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو کچھ کفار قریش مارے جلن کے اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور پہاڑیوں پر چلے گئے۔ مگر کچھ کفار اپنے دارالندوہ (کمیٹی گھر) کے پاس کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بادۂ توحید و رسالت سے مست ہونے والے مسلمانوں کے طواف کا نظارہ کرنے لگے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان بھلا کیا طواف کریں گے؟ ان کو تو بھوک اور مدینہ کے بخار نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ حضور ﷺ نے مسجد حرام میں پہنچ کر ''اضطباع'' کر لیا۔ یعنی چادر کو اس طرح اوڑھ لیا کہ آپ کا داہنا شانہ اور بازو کھل گیا اور آپ نے فرمایا کہ خدا اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو ان کفار کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ شروع کے تین پھیروں میں شانوں کو ہلا ہلا کر اور خوب اکڑتے ہوئے چل کر طواف کیا۔ اس کو عربی زبان میں ''رمل'' کہتے ہیں چنانچہ یہ سنت آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ کہ ہر طواف کعبہ کرنے والا شروع طواف کے تین پھیروں میں ''رمل'' کرتا ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۸ باب کیف کان بدء الرمل)

حضرت حمزہ کی صاحبزادی

تین دن کے بعد کفار مکہ کے چند سردار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ شرط پوری ہو چکی۔ اب آپ لوگ مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں کفار کا پیغام سنایا تو آپ اسی وقت مکہ سے روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک چھوٹی صاحبزادی جن کا نام ''امامہ'' تھا۔ حضور ﷺ کو چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ اُحد میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی یہ یتیم چھوٹی بچی مکہ میں رہ گئی تھیں۔ جس وقت یہ بچی آپ کو پکارتی ہوئی دوڑی ہوئی آئیں تو حضور ﷺ کو اپنے شہید چچا جان کی اس یادگار کو دیکھ کر پیار آ گیا۔ اس بچی نے آپ کو بھائی جان کہنے کی بجائے چچا جان اس رشتہ سے کہا کہ آپ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں' کیونکہ آپ نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثوبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ جب یہ صاحبزادی قریب آئیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ لیکن اب ان کی پرورش کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! یہ میری چچازاد بہن ہے اور میں نے اس کو سب سے پہلے اپنی گود میں اٹھا لیا ہے

اس لئے مجھ کو اس کی پرورش کا حق ملنا چاہیے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ میری چچازاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اس لئے اس کی پرورش کا میں حقدار ہوں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ میرے دینی بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی ہے اس لئے میں اس کی پرورش کروں گا۔ تینوں صاحبوں کا بیان سن کر حضور ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ''خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے'' لہٰذا یہ لڑکی حضرت جعفر کی پرورش میں رہے گی۔ پھر تینوں صاحبوں کی دلداری و دل جوئی کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔'' اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ''اے جعفر تم سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمایا کہ اے زید! تم میرے بھائی اور میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام ہو) (بخاری ج۲ ص۶۱۰ القضاء)

حضرت میمونہ کا نکاح

اسی عمرۃ القضاء کے سفر میں حضور ﷺ نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ کی چچی ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں۔ عمرۃ القضاء سے واپسی میں جب آپ مقام ''سرف'' میں پہنچے تو ان کو اپنے خیمہ میں رکھ کر اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا اور عجیب اتفاق کہ اس واقعہ سے چالیس برس کے بعد اسی مقام سرف میں حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا اور ان کی قبر شریف بھی اسی مقام میں ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ ان کی وفات کا سال ۵۱ھ ہے۔ مفصل بیان اِن شاءَ اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات کے بیان میں آئے گا۔

تیرھواں باب

ہجرت کا آٹھواں سال

(سن ۸ ھ)

ہجرت کا آٹھواں سال بھی حضور سرور کائنات ﷺ کی مقدس حیات کے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے۔ ہم ان میں سے یہاں چند اہمیت و شہرت والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جنگ موتہ

''موتہ'' ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں ۸ ھ میں کفر و اسلام کا وہ عظیم الشان معرکہ ہوا جس میں ایک لاکھ لشکر کفار سے صرف تین ہزار جان نثار مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسی معرکہ آرائی کی۔ کہ یہ لڑائی تاریخ اسلام میں ایک تاریخی یادگار بن کر قیامت تک باقی رہے گی۔ اور اس جنگ میں صحابہ کرام کی بڑی بڑی اولوالعزم ہستیاں شرف شہادت سے سرفراز ہوئیں۔

اس جنگ کا سبب

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے ''بصریٰ'' کے بادشاہ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھ کر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ راستہ میں ''بلقاء'' کے بادشاہ شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کا باج گزار تھا۔ حضور ﷺ کے اس قاصد کو نہایت بیدردی کے ساتھ رسی میں باندھ کر قتل کر دیا۔ جب بارگاہ رسالت میں اس حادثہ کی اطلاع پہنچی تو قلب مبارک پر انتہائی رنج و صدمہ پہنچا۔ اس وقت آپ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے سفید رنگ کا جھنڈا باندھ کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔ اور ان کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر سپہ سالار ہوں گے۔ اور جب وہ بھی شہادت

سے سرفراز ہو جائیں تو اس جھنڈے کے علمبردار حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوں گے (رضی اللہ عنہم) ان کے بعد لشکر اسلام جس کو منتخب کرے وہ سپہ سالار ہوگا۔

اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے خود حضور ﷺ مقام "ثنیۃ الوداع" تک تشریف لے گئے اور لشکر کے سپہ سالار کو حکم فرمایا کہ تم ہمارے قاصد حضرت حارث بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت گاہ میں جاؤ جہاں اس جاں نثار نے ادائے فرض میں اپنی جان دی ہے۔ پہلے وہاں کے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو پھر وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں ورنہ تم اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جہاد کرو۔ جب لشکر چل پڑا تو مسلمانوں نے بلند آواز سے یہ دعا دی کہ خدا سلامت اور کامیاب واپس لائے۔

جب یہ فوج مدینہ سے کچھ دور آگے نکل گئی تو خبر ملی کہ خود قیصر روم مشرکین کی ایک لاکھ فوج لے کر بلقاء کی سرزمین میں خیمہ زن ہوگیا ہے۔ یہ خبر پا کر امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دے دیا اور ارادہ کیا کہ بارگاہ رسالت میں اس کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد فتح، یا مالِ غنیمت نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلوب تو شہادت ہے۔ کیونکہ

شہادت ہے مقصود مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

اور یہ مقصد بلند ہر وقت اور ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر ہر مجاہد جوش جہاد میں بے خود ہوگیا اور سب کی زبان پر یہی ترانہ تھا۔ کہ

بڑھتے چلو مجاہدو - بڑھتے چلو مجاہدو

غرض یہ مجاہدین اسلام موتہ کی سرزمین میں داخل ہوگئے اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ واقعی ایک بہت بڑا لشکر ریشمی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے بے پناہ تیاریوں کے ساتھ جنگ کے لئے کھڑا ہے۔ ایک لاکھ سے زائد لشکر کا بھلا تین ہزار سے مقابلہ ہی کیا؟ مگر مسلمان خدا کے بھروسا پر مقابلہ کے لئے ڈٹ گئے۔

معرکہ آرائی کا منظر

سب سے پہلے مسلمانوں کے امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کفار

کے لشکر کو اسلام کی دعوت دی۔ جس کا جواب کفار نے تیروں کی مار اور تلواروں کے وار سے دیا۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمان بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے سے اتر کر پا پیادہ میدان جنگ میں کود پڑے۔ اور مسلمانوں نے بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا لیکن اس گھمسان کی لڑائی میں کافروں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزوں اور برچھیوں سے چھید ڈالا اور وہ جوانمردی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ فوراً ہی جھپٹ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرچم اسلام کو اٹھا لیا۔ مگر ان کو ایک رومی مشرک نے ایسی تلوار ماری کہ یہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ ان کے بدن پر نیزوں اور تلواروں کے نوے سے کچھ زائد زخم تھے۔ لیکن کوئی زخم ان کی پیٹھ کے پیچھے نہیں لگا تھا بلکہ سب کے سب زخم سامنے ہی کی جانب لگے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اسلام ہاتھ میں لیا۔ فوراً ہی ان کے چچا زاد بھائی نے گوشت سے بھری ہوئی ایک بوٹی پیش کی اور عرض کیا کہ بھائی جان! آپ نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو کھا لیجئے۔ آپ نے ایک ہی مرتبہ دانت سے نوچ کر کھایا تھا کہ کفار کا بے پناہ ہجوم آپ پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے ہڈی پھینک دی اور تلوار نکال کر دشمنوں کے نرغہ میں گھس کر رجز کے اشعار پڑھتے ہوئے انتہائی دلیری اور جاں بازی کے ساتھ لڑنے لگے مگر زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور شربت شہادت سے سیراب ہو گئے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ غزوہ موتہ، زرقانی ج ۲ ص ۲۷۱ ص ۲۷۴)

اب لوگوں کے مشورہ سے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈے کے علمبردار بنے۔ اور اس قدر شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ نو تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اور اپنی جنگی مہارت اور کمال ہنرمندی سے اسلامی فوج کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ غزوہ موتہ)

اس جنگ میں جو بارہ معزز صحابہ کرام شہید ہوئے ان کے مقدس نام یہ ہیں۔

1- حضرت زید بن حارثہ　　2- حضرت جعفر بن ابی طالب

3- حضرت عبداللہ بن رواحہ　　4- حضرت مسعود بن اوس

5- حضرت وہب بن سعد　　6- حضرت عباد بن قیس

7- حضرت حارث بن نعمان
8- حضرت سراقہ بن عمر
9- حضرت ابوکلیب بن عمر
10- حضرت جابر بن عمر
11- عمر بن سعد
12- ہوبجہ ضبی (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(زرقانی ج۲ ص۲۷۳)

اسلامی لشکر نے بہت سے کفار کو قتل کیا اور کچھ مالِ غنیمت بھی حاصل کیا اور سلامتی کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

نگاہِ نبوت کا معجزہ

جنگِ موتہ کی معرکہ آرائی میں جب گھمسان کا رن پڑا تو حضور اقدس ﷺ نے مدینہ سے میدانِ جنگ کو دیکھ لیا اور آپ کی نگاہوں سے تمام حجابات اس طرح اٹھ گئے کہ میدانِ جنگ کی ایک ایک سرگزشت کو آپ کی نگاہ نبوت نے دیکھا۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت زید و حضرت جعفر و حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں کی خبر آپ نے میدانِ جنگ سے خبر آنے کے قبل ہی اپنے اصحاب کو سنا دی۔

چنانچہ آپ نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا کہ زید نے جھنڈا لیا۔ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ علمبردار بنے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈے کو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کو یہ خبریں سناتے رہے۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (بخاری ج۲ ص۶۱۱ غزوۂ موتہ)

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ کی خبر لے کر دربار نبوت میں پہنچے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے وہاں کی خبر سناؤ گے؟ یا میں تمہیں وہاں کی خبر سناؤں۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ہی سنائیے جب آپ نے وہاں کا پورا پورا حال و ماحول سنایا تو حضرت یعلیٰ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں بیان کروں۔ (زرقانی ج۲ ص۲۷۶)

حضرت جعفر شہید رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔ کہ میں نے

اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل کاجل سے آراستہ کر کے آٹا گوندھ لیا تھا کہ بچوں کے لئے روٹیاں پکاؤں کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے سامنے لاؤ! جب میں نے بچوں کو پیش کیا تو آپ بچوں کو سونگھنے اور چومنے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار رُخسارِ پرانوار پر بہنے لگی تو میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں! وہ لوگ آج ہی شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر میری چیخ نکل گئی اور میرا گھر عورتوں سے بھر گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ اپنے کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے اور ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کراؤ۔ (زُرقانی ج۲ ص۲۷۷)

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ کے مسلمان اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی دوڑتے ہوئے مجاہدین اسلام کی ملاقات کے لئے گئے۔ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ موتہ کے شہدائے کرام کا ایسا پُر درد مرثیہ سنایا کہ تمام سامعین رونے لگے۔ (زُرقانی ج۲ ص۲۷۷)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں ہاتھ شہادت کے وقت کٹ کر گر پڑے تھے تو حضور ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو ان کے دونوں ہاتھوں کے بدلے دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے اڑ اڑ کر وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ (زُرقانی ج۲ ص۲۷۴)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ ''السلام علیك یا ابن ذی الجناحین۔'' یعنی اے دو بازوؤں والے کے فرزند! تم پر سلام ہو۔

(بخاری ج۲ ص۶۱۱ غزوۂ موتہ)

جنگ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان چند چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو حضور ﷺ نے کفار کی مدافعت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا۔ ان میں سے بعض لشکروں کے ساتھ کفار کا ٹکراؤ بھی ہوا جن کا مفصل تذکرہ زُرقانی و مدارج النبوۃ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ ان سریوں کے نام یہ ہیں۔

ذات السلاسل۔ سریۃ الخبط۔ سریہ الوقتادہ (نجد)۔ سریہ ابوقتادہ (صنم) مگر ان سریوں میں ''سریۃ الخبط'' زیادہ مشہور ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے۔

سریۃ الخبط

اس سریہ کو حضرت امام بخاری نے ''غزوہ سیف البحر'' کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رجب سن ۸ ھ میں حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے لشکر پر امیر بنا کر ساحل سمندر کی جانب روانہ فرمایا۔ تاکہ یہ لوگ قبیلہ جہینہ کے کفار کی شرارتوں پر نظر رکھیں۔ اس لشکر میں خوراک کی اس قدر کمی پڑ گئی کہ امیر لشکر مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور راشن میں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور لوگ بھوک سے بے چین ہو کر درختوں کے پتے کھانے لگے یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مورخین نے اس سریہ کا نام ''سریہ الخبط'' یا ''جیش الخبط'' رکھا ہے۔ ''خبط'' عربی زبان میں درخت کے پتوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ مجاہدین اسلام نے اس سریہ میں درختوں کے پتے کھا کر جان بچائی۔ اس لئے یہ سریۃ الخبط کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ایک عجیب الخلقت مچھلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو اس سفر میں تقریباً ایک مہینہ رہنا پڑا۔ اور جب بھوک کی شدت سے ہم لوگ درختوں کے پتے کھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہمارے رزق کا یہ سامان پیدا فرما دیا کہ سمندر کی موجوں نے ایک اتنی بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی۔ جو ایک پہاڑی کے مانند تھی۔ چنانچہ تین سو صحابہ اٹھارہ دنوں تک اس مچھلی کا گوشت کھاتے رہے۔ اور اس کی چربی اپنے بدن پر ملتے رہے۔ اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر مدینہ تک لائے اور جب یہ لوگ بارگاہ نبوت میں پہنچے اور حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے رزق کا سامان ہوا تھا۔ پھر آپ نے اس مچھلی کا گوشت طلب فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا۔ یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیاں زمین میں گاڑ کر کھڑی کر دیں تو کجاوہ بندھا ہوا اونٹ اس محراب کے اندر سے گزر گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۵ غزوۂ سیف البحر و زرقانی ج ۲ ص ۲۸۰)

فتح مکہ

(رمضان سن ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء)

رمضان ۸ھ تاریخ نبوت کا نہایت ہی عظیم الشان عنوان ہے۔ اور سیرت مقدسہ کا یہ وہ سنہرا باب ہے کہ جس کی آب و تاب سے ہر مومن کا قلب قیامت تک مسرتوں کا آفتاب بنا رہے گا۔ کیونکہ تاجدار دو عالم ﷺ نے اس تاریخ سے آٹھ سال قبل انتہائی رنجیدگی کے عالم میں اپنے یار غار کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرما کر اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ اور مکہ سے نکلتے وقت خدا کے مقدس گھر خانہ کعبہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ "اے مکہ! خدا کی قسم! تو میری نگاہ محبت میں تمام دنیا کے شہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ لیکن آٹھ برس کے بعد یہی وہ مسرت خیز تاریخ ہے کہ آپ نے ایک فاتح اعظم کی شان و شوکت کے ساتھ اسی شہر مکہ میں نزول اجلال فرمایا اور کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر اپنے سجدوں کے جمال و جلال سے خدا کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمایا۔

لیکن ناظرین کے ذہنوں میں یہ سوال سر اٹھاتا ہوگا کہ جب کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں یہ تحریر کیا جا چکا تھا۔ کہ دس برس تک فریقین کے مابین کوئی جنگ نہ ہوگی تو پھر آخر وہ کونسا ایسا سبب نمودار ہو گیا کہ صلح نامہ کے فقط دو سال ہی بعد تاجدار دو عالم ﷺ کو اہل مکہ کے سامنے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش آگئی اور آپ ایک عظیم لشکر کے ساتھ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب کفار مکہ کی "عہد شکنی" اور حدیبیہ کے صلح نامہ سے غداری ہے۔

کفار قریش کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک یہ شرط بھی درج تھی کہ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرے۔ اور جو حضرت محمد ﷺ سے معاہدہ کرنا چاہے وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرے۔

چنانچہ اسی بناء پر قبیلہ بنی بکر نے قریش سے باہمی امداد کا معاہدہ کرلیا اور قبیلہ بنی خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے امداد باہمی کا معاہدہ کرلیا۔ یہ دونوں قبیلے مکہ کے قریب ہی میں آباد تھے۔ لیکن ان دونوں میں عرصہ دراز سے سخت عداوت اور مخالفت چلی آ رہی تھی۔

ایک مدت سے تو کفار قریش اور دوسرے قبائل عرب کے کفار مسلمانوں سے جنگ کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہے تھے۔ لیکن صلح حدیبیہ کی بدولت جب مسلمانوں کی جنگ سے کفار قریش اور دوسرے قبائل کفار کو اطمینان ملا تو قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ بنی خزاعہ سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینا چاہا اور اپنے حلیف کفار قریش سے مل کر بالکل اچانک طور پر قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کردیا۔ اور اس حملہ میں کفار قریش کے تمام روساء یعنی عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو وغیرہ بڑے بڑے سرداروں نے علانیہ بنی خزاعہ کو قتل کیا۔ بے چارے بنی خزاعہ اس خوفناک ظالمانہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی جان بچانے کے لئے حرم کعبہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ بنی بکر کے عوام نے تو حرم میں تلوار چلانے سے ہاتھ روک لیا اور حرم الٰہی کا احترام کیا لیکن بنی بکر کا سردار ''نوفل'' اس قدر جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ حرم میں بھی بنی خزاعہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرتا رہا اور چلا چلا کر اپنی قوم کو للکارتا رہا کہ پھر یہ موقع کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا۔ چنانچہ ان درندہ صفت خونخوار انسانوں نے حرم الٰہی کے احترام کو بھی خاک میں ملا دیا اور حرم کعبہ کے حدود میں نہایت ہی ظالمانہ طور پر بنی خزاعہ کا خون بہایا اور کفار قریش نے بھی اس قتل و غارت اور کشت و خون میں خوب خوب حصہ لیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۸۹)

ظاہر ہے کہ قریش نے اپنی اس حرکت سے حدیبیہ کے معاہدہ کو عملی طور پر توڑ ڈالا کیونکہ بنی خزاعہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کرکے آپ کے حلیف بن چکے تھے۔ اس لئے بنی خزاعہ پر حملہ کرنا۔ یہ رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے کے برابر تھا۔ اس حملہ میں بنی خزاعہ کے ۲۳ آدمی قتل ہو گئے۔

اس حادثہ کے بعد قبیلہ بنی خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا وفد لے کر فریاد کرنے اور امداد طلب کرنے کے لئے مدینہ بارگاہ رسالت میں پہنچے اور یہی فتح مکہ کی تمہید ہوئی۔

تاجدار دو عالم سے استعانت

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ کاشانۂ نبوت میں وضو فرما رہے تھے۔ کہ ایک دم بالکل ناگہاں آپ نے بلند آواز سے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ لبیك۔ لبیك۔ لبیك (میں تمہارے لئے بار بار حاضر ہوں۔ (پھر تین مرتبہ بلند آواز سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نصرت۔ نصرت۔ نصرت (تمہیں مدد مل گئی)۔ جب آپ وضو خانہ سے نکلے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ تنہائی میں کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے میمونہ! غضب ہو گیا۔ میرے حلیف بنی خزاعہ پر بنی بکر اور کفار قریش نے حملہ کر دیا ہے۔ اور اس مصیبت و بے کسی کے وقت میں بنی خزاعہ نے وہاں سے چلا چلا کر مجھے مدد کے لئے پکارا ہے۔ اور مجھ سے مدد طلب کی ہے۔ اور میں نے ان کی پکار سن کر ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے ان کو جواب دیا ہے۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے تیسرے دن جب حضور اقدس ﷺ نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز سے فارغ ہوئے تو دفعتہً بنی خزاعہ کے مظلومین نے رجز کے ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا اور حضور اکرم ﷺ اور اصحاب کرام نے ان کی اس پردرد اور رقت انگیز فریاد کو بغور سنا۔ آپ بھی اس رجز کے چند اشعار کو ملاحظہ فرمائیے۔

يَا رَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا
حِلْفَ اَبِیْنَا وَاَبِیْهِ الْاَتْلَدَا

اے خدا! میں محمد (ﷺ) کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہو چکا ہے۔

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا اَبَدًا
وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَاْتُوْا مَدَدًا

تو خدا آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔ آپ ہماری بھرپور مدد کیجئے اور خدا کے بندوں کو بلائیے۔ وہ سب امداد کے لئے آئیں گے۔

فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا
اِنْ سِيْمَ خَسْفًا وَجْهُهٗ تَرَبَّدَا

ان مدد کرنے والوں میں رسول اللہ (ﷺ) بھی غضب کی حالت میں ہوں کہ اگر انہیں ذلت کا داغ لگے تو ان کا تیور بدل جائے۔

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا
وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدًا

ان لوگوں (بنی بکر و قریش) نے ”مقام وتیر“ میں ہم سوتے ہوؤں پر شب خون مارا اور رکوع و سجدہ کی حالت میں بھی ہم لوگوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا
وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اور آپ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے۔

ان اشعار کو سن کر حضور ﷺ نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ مت گھبراؤ میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۲۹۰)

حضور کی امن پسندی

اس کے بعد حضور ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک شرط قریش منظور کر لیں۔

۱- بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
۲- قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
۳- اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب حضور ﷺ کے قاصد نے ان شرطوں کو قریش کے سامنے رکھا تو قرطہ بن عبد عمرو نے قریش کا نمائندہ بن کر جواب دیا کہ ”نہ ہم مقتولوں کے خون کا معاوضہ دیں گے۔ نہ اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی حمایت چھوڑیں گے۔ ہاں تیسری شرط ہمیں منظور ہے۔ اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔“ لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنے اس جواب پر ندامت ہوئی۔ چنانچہ چند روسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور یہ کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو پھر سمجھ لو کہ یقیناً محمد (ﷺ) ہم پر حملہ کر دیں گے۔ ابوسفیان نے

کہا کہ میری بیوی ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مقام ''حجون'' سے مقام ''خندمہ'' تک ایک خون کی نہر بہتی ہوئی آئی ہے۔ پھر ناگہاں وہ خون غائب ہوگیا۔ قریش نے اس خواب کو بہت ہی منحوس سمجھا اور خوف و دہشت سے سہم گئے۔ اور ابوسفیان پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً مدینہ جا کر معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۲۹۲)

ابوسفیان کی کوشش

اس کے بعد بہت تیزی کے ساتھ ابوسفیان مدینہ گیا اور پہلے اپنی لڑکی حضرت اُمُ المومنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچا۔ اور بستر پر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ حضرتِ بی بی اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے بستر اٹھالیا۔ ابوسفیان نے حیران ہوکر پوچھا کہ بیٹی تم نے بستر کیوں اٹھالیا؟ کیا بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھ کو بستر کے قابل نہیں سمجھا؟ اُمُ المومنین نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے۔ اور تم مشرک اور نجس ہو۔ اس لئے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھو۔ یہ سن کر ابوسفیان کے دل پر چوٹ لگی اور وہ رنجیدہ ہوکر وہاں سے چلا آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مقصد بیان کیا۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس گیا۔ ان سب حضرات نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب ابوسفیان پہنچا تو وہاں حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ابوسفیان نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اے علی! تم قوم میں بہت ہی رحم دل ہو ہم ایک مقصد لے کر یہاں آئے ہیں کیا ہم یوں ہی ناکام چلے جائیں۔ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تم محمد (ﷺ) سے ہماری سفارش کردو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوسفیان! ہم لوگوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ارادہ اور ان کی مرضی میں کوئی مداخلت کرسکیں۔ ہر طرف سے مایوس ہوکر ابوسفیان نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے فاطمہ! یہ تمہارا پانچ برس کا بچہ (امام حسن) ایک مرتبہ اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے دونوں فریق میں صلح کرادی تو آج سے یہ بچہ عرب کا سردار کہہ کر پکارا جائے گا۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔ بالآخر ابوسفیان نے کہا کہ اے علی! معاملہ بہت کٹھن نظر آتا ہے کوئی تدبیر بتاؤ؟ حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں تم کو کوئی مفید رائے تو نہیں دے سکتا لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو تم خود ہی لوگوں کے سامنے اعلان کر دو کہ میں نے حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کر دی ابوسفیان نے کہا کہ کیا میرا یہ اعلان کچھ مفید ہو سکتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یکطرفہ اعلان ظاہر ہے کہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تمہارے پاس اس کے سوا اور چارۂ کار ہی کیا ہے؟ ابوسفیان وہاں سے مسجد نبوی میں آیا اور بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔ مگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

ابوسفیان یہ اعلان کر کے مکہ روانہ ہو گیا جب مکہ پہنچا تو قریش نے پوچھا کہ مدینہ میں کیا ہوا؟ ابوسفیان نے ساری داستان بیان کر دی تو قریش نے سوال کیا کہ جب تم نے اپنی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کیا تو کیا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اس کو قبول کر لیا؟ ابوسفیان نے کہا کہ ''نہیں'' یہ سن کر قریش نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ یہ نہ تو صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۲۹۲ تا ص ۲۹۳)

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی فرما دیا کہ جنگ کے ہتھیار درست کریں۔ اور اپنے حلیف قبائل کو بھی جنگی تیاریوں کے لئے حکم نامہ بھیج دیا مگر کسی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا کہ کس سے جنگ کا ارادہ ہے؟ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ جنگی ہتھیاروں کو نکال رہی ہیں تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے؟ عرض کیا ''جی ہاں'' پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ''واللہ مجھے یہ معلوم نہیں۔'' (زُرقانی ج ۲ ص ۲۹۱)

غرض انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری فرمائی اور مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک معزز صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو ایک خط اس مضمون کا لکھ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ ہوشیار

ہو جاؤ۔ اس خط کو انہوں نے ایک عورت کے ذریعہ مکہ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے اس علم غیب کی بدولت یہ جان لیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے کیا کارروائی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو فوراً ہی روانہ فرمایا کہ تم لوگ ''روضۂ خاخ'' میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے۔ اور اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس سے وہ خط چھین کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ یہ تینوں اصحاب کبار تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر ''روضۂ خاخ'' میں پہنچے اور عورت کو پالیا جب اس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہہ سکتے۔ نہ ہم لوگ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے ورنہ ہم تجھ کو برہنہ کر کے تلاشی لیں گے۔ جب عورت مجبور ہو گئی تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر دے دیا جب یہ لوگ خط لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے تو آپ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں۔ نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے نہ مرتد ہوا ہوں میرے اس خط کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مکہ میں میرے بیوی بچے ہیں۔ مگر مکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو میرے بیوی بچوں کی خبر گیری و نگہداشت کرے۔ میرے سوا دوسرے تمام مہاجرین کے عزیز و اقارب مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ خط لکھ کر قریش پر ایک اپنا احسان رکھ دیا ہے تاکہ میں ان کی ہمدردی حاصل کر لوں اور وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کافروں کو شکست دے گا۔ اور میرے اس خط سے کفار کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو سن کر ان کے عذر کو قبول فرما لیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خط کو دیکھ کر اس قدر طیش میں آ گئے کہ آپے سے باہر ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ دوسرے صحابہ کرام بھی غیظ و غضب میں بھر گئے۔ لیکن رحمت عالم ﷺ کی جبین رحمت پر اک ذرا شکن بھی نہیں آئی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ اے

عمر! کیا تمہیں خبر نہیں کہ حاطب اہل بدر میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرما دیا ہے کہ "تم جو چاہو کرو۔ تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ یہ کہہ کر بالکل خاموش ہو گئے کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہم سب سے زیادہ علم ہے" اسی موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الممتحنہ آیت ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

بہر حال حضور ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاف فرما دیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ غزوۃ الفتح)

مکہ پر حملہ

غرض ۱۰۔ رمضان سن ۸ ھ کو رسول اکرم ﷺ مدینہ سے دس ہزار کا لشکر پر انور ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح مکہ میں آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار کا لشکر رہا ہو۔ پھر راستہ میں بعض قبائل اس لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو مکہ پہنچ کر اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی ہو۔ بہر حال مدینہ سے چلتے وقت حضور ﷺ اور تمام صحابہ کبار روزہ دار تھے جب آپ "مقام کدید" میں پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپ نے دن میں پانی نوش فرمایا اور سب کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے اصحاب نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ و زرقانی ج ۲ ص ۳۰۰ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۰)

حضرت عباس وغیرہ سے ملاقات

جب حضور ﷺ مقام "جحفہ" میں پہنچے تو وہاں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ مسلمان ہو کر آئے تھے۔ بلکہ اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور حضور ﷺ کی مرضی سے مکہ میں مقیم تھے اور حجاج کو زمزم پلانے کے معزز عہدہ پر فائز تھے۔ اور آپ کے ساتھ میں حضور ﷺ کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے فرزند جن کا نام بھی ابوسفیان تھا اور حضور ﷺ کے پھوپھی زاد

بھائی عبداللہ بن ابی امیہ جو اُمُ المومنین حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوتیلے بھائی بھی تھے۔ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں صاحبوں کی حاضری کا حال جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان دونوں صاحبوں کی ملاقات سے انکار فرما دیا کیونکہ ان دونوں نے حضور ﷺ کو بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی تھیں۔ خصوصاً ابوسفیان بن الحارث آپ کے چچازاد بھائی جو اعلان نبوت سے پہلے آپ کے انتہائی جاں نثاروں میں سے تھے مگر اعلان نبوت کے بعد انہوں نے اپنے قصیدوں میں اتنی شرمناک اور بیہودہ ہجو حضور ﷺ کی کر ڈالی تھی کہ آپ کا دل زخمی ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ ان دونوں سے انتہائی ناراض و بیزار تھے۔ مگر حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان دونوں کا قصور معاف کرنے کے لئے بہت ہی پرزور سفارش کی اور ابوسفیان بن الحارث نے یہ کہہ دیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے میرا قصور نہ معاف فرمایا تو میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر عرب کے ریگستان میں چلا جاؤں گا۔ تا کہ وہاں بغیر دانہ پانی کے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر میں اور میرے سب بچے مر کر فنا ہو جائیں۔ حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہ رسالت میں آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی پھوپھی کا بیٹا تمام انسانوں سے زیادہ بدنصیب رہے گا؟ کیا ان دونوں کو آپ کی رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا؟ جان چھڑکنے والی بیوی کے ان دردانگیز کلمات سے رحمۃ للعالمین کے رحمت بھرے دل میں رحم و کرم اور عفو و درگزر کے سمندر موجیں مارنے لگے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم دونوں اچانک بارگاہ رسالت میں سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا وہی تم دونوں بھی کہو کہ:

لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔
کہ یقیناً آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دی ہے۔ اور ہم بلاشبہ خطاوار ہیں۔

چنانچہ ان دونوں صاحبوں نے دربار رسالت میں ناگہاں حاضر ہو کر یہی کہا۔ ایک دم رحمت عالم ﷺ کی جبین رحمت پر رحم و کرم کے ہزاروں ستارے چمکنے لگے اور آپ نے ان کے جواب میں بعینہٖ وہی جملہ اپنی زبانِ رحمت نشان سے ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے جواب میں فرمایا تھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (سورہ یوسف)

آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اللہ تمہیں بخش دے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔

جب قصور معاف ہو گیا تو ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے تاجدار دو عالم ﷺ کی مدح میں اشعار لکھے اور زمانہ جاہلیت کے دور میں جو کچھ آپ کی ہجو میں لکھا تھا اس کی معذرت کی۔ اور اس کے بعد عمر بھر نہایت سچے اور ثابت قدم مسلمان رہے مگر حیاء کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھاتے تھے۔ اور حضور ﷺ بھی ان کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ابوسفیان بن الحارث میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام ثابت ہوں گے۔

(زرقانی ج ۲ ص ۳۰۱ تا ص ۳۰۲ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۰)

میلوں تک آگ ہی آگ

مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر "مرالظہران" میں پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور حضور ﷺ نے فوج کو حکم دیا کہ ہر مجاہد اپنا الگ الگ چولہا جلائے۔ دس ہزار مجاہدین نے جو الگ الگ چولہے جلائے تو "مرالظہران" کے پورے میدان میں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

قریش کے جاسوس

گو قریش کو معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ سے فوجیں آ رہی ہیں۔ مگر صورت حال کی تحقیق کے لئے قریش نے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء کو اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بے حد فکر مند ہو کر قریش کے انجام پر افسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ سوچتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اتنے عظیم لشکر کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس ارادہ سے مکہ چلے کہ قریش کو اس خطرہ سے آگاہ کر کے انہیں آمادہ کریں کہ چل کر حضور ﷺ سے معافی مانگ کر صلح کر لو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۰۴)

مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ قریش کو یہ خبر تو مل گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں مگر انہیں یہ پتا نہ تھا کہ آپ کا لشکر "مرالظہران" تک آ گیا ہے۔ اس

لئے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن خرام و بدیل بن ورقاء اس تلاش و جستجو میں نکلے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر کہاں ہے؟ جب یہ تینوں مرالظہران کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلوں تک آگ ہی آگ جل رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران رہ گئے اور ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ میں نے تو زندگی میں کبھی اتنی دور تک پھیلی ہوئی آگ اس میدان میں جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔ آخر یہ کون سا قبیلہ ہے؟

بدیل بن ورقاء نے کہا کہ بنی خزاعہ معلوم ہوتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں بنی خزاعہ اتنی کثیر تعداد میں کہاں ہیں جو ان کی آگ سے مرالظہران کا پورا میدان بھر جائے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۳)

بہر حال حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ان تینوں سے ملاقات ہوگئی اور ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اور یہ آگ کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کی آگ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم میرے خچر پر پیچھے سوار ہو جاؤ ورنہ اگر مسلمانوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ابھی تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ جب یہ لوگ لشکر گاہ میں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند مسلمانوں نے جو لشکر گاہ کا پہرہ دے رہے تھے۔ ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور ابوسفیان کو دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا کہ ''ارے یہ تو خدا کا دشمن ابوسفیان ہے۔'' دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ابوسفیان ہاتھ آ گیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ابھی اس کا سر اڑا دوں۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ان تینوں مشرکوں کو ساتھ لئے ہوئے دربار رسول میں حاضر ہو گئے اور ان لوگوں کی جان بخشی کی سفارش پیش کر دی۔ اور یہ کہا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں نے ان سبھوں کو امان دے دی ہے۔

ابوسفیان کا اسلام

ابوسفیان بن حرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ مکہ میں رسول کریم ﷺ کو سخت سے سخت ایذائیں دینی، مدینہ پر بار بار حملہ کرنا، قبائل عرب کو اشتعال دلا کر حضور ﷺ کے قتل کی بارہا سازشیں، یہودیوں اور تمام کفار عرب سے ساز باز کر کے اسلام اور بانی

اسلام کے خاتمہ کی کوششیں۔ یہ وہ ناقابل معافی جرائم تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کا قتل بالکل درست و جائز اور برمحل ہے۔ لیکن رسول کریم جن کو قرآن نے ''رؤف و رحیم'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ان کی رحمت چمکار چمکار کر ابوسفیان کے کان میں کہہ رہی تھی کہ اے مجرم! مت ڈر۔ یہ دنیا کے سلاطین کا دربار نہیں ہے بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہ رحمت ہے۔ بخاری شریف کی روایت تو یہی ہے کہ ابوسفیان بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے جان بچ گئی۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ باب این رکز النبی رایۃ)

مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نے تو فوراً رات ہی میں اسلام قبول کر لیا مگر ابوسفیان نے صبح کو کلمہ پڑھا۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۳۰۴)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور ﷺ کے درمیان ایک مکالمہ ہوا اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ مکالمہ یہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ	کیوں اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہ آیا کہ خدا ایک ہے؟
ابوسفیان	کیوں نہیں۔ کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔
رسول اللہ ﷺ	کیا اس میں تمہیں کوئی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟
ابوسفیان	ہاں۔ اس میں تو ابھی مجھے کچھ شبہ ہے!

مگر پھر اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن بعد میں بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے کفار سے جنگ کی اور اسی میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔ پھر یہ جنگ یرموک میں بھی جہاد کے لئے گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۳ و زُرقانی ج ۲ ص ۳۱۲)

لشکر اسلام کا جاہ و جلال

مجاہدین اسلام کا لشکر جب مکہ کی طرف بڑھا تو حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ابوسفیان کو کسی ایسے مقام پر کھڑا کر دیں کہ یہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ چنانچہ جہاں راستہ کچھ تنگ تھا ایک بلند جگہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسلامی لشکر سمندر کی موجوں کی طرح امنڈتا ہوا

روانہ ہوا اور قبائل عرب کی فوجیں ہتھیار سج سج کر یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ سب سے پہلے قبیلہ غفار کا باوقار پرچم نظر آیا۔ ابوسفیان نے سہم کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ قبیلہ غفار کے شہسوار ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے قبیلہ غفار سے کیا مطلب ہے؟ پھر جہینہ پھر سعد بن ندیم، پھر سلیم کے قبائل کی فوجیں زرق برق ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے پرچم لہراتے اور تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے سامنے سے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر فوج کا جلال دیکھ کر مرعوب ہو ہو جاتے تھے اور عباس رضی اللہ عنہ سے ہر فوج کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے کہ یہ کون ہیں؟ یہ کن لوگوں کا لشکر ہے؟ اس کے بعد انصار کا لشکر پر انوار اتنی عجیب شان اور ایسی نرالی آن بان سے چلا کہ دیکھنے والوں کے دل دہل گئے۔ ابوسفیان نے اس فوج کی شان و شوکت سے حیران ہو کر کہا کہ اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ''انصار'' ہیں ناگہاں انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لئے ہوئے ابوسفیان کے قریب سے گزرے اور جب ابوسفیان کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ اے ابوسفیان!

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ الْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَةُ ۔
آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے۔ آج کعبہ میں خونریزی حلال کر دی گئی۔

ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! سن لو۔ آج قریش کی ہلاکت تمہیں مبارک ہو۔ پھر ابوسفیان کو چین نہیں آیا تو پوچھا کہ بہت دیر ہو گئی۔ ابھی تک میں نے محمد (ﷺ) کو نہیں دیکھا کہ وہ کون سے لشکر میں ہیں! اتنے میں حضور تاجدار دو عالم ﷺ پرچم نبوت کے سائے میں اپنے نورانی لشکر کے ہمراہ پیغمبرانہ جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ابوسفیان نے جب شہنشاہ کونین کو دیکھا تو چلا کر کہا کہ اے حضور! کیا آپ نے سنا؟ کہ سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان بولے کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا۔ آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج تو کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا: کہ سعد بن عبادہ نے اتنی غلط بات کیوں کہہ دی۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ابوسفیان نے بارگاہ رسول میں یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابھی ابھی سعد بن عبادہ یہ کہتے ہوئے گئے ہیں کہ:

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔

تو حضور ﷺ نے خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا۔ بلکہ اے ابوسفیان۔

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃ۔ آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔

(زُرقانی ج ۲ ص ۳۰۶)

پھر فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ بانی کعبہ کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے مکہ کی سرزمین میں نزول اجلال فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جھنڈا مقام ''حجون'' کے پاس گاڑا جائے۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری فرمایا کہ وہ فوجوں کے ساتھ مکہ کے بالائی حصہ یعنی ''کدا'' کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ باب این رکز النبی رایۃ وزُرقانی ج ۲ ص ۳۰۴ تا ص ۳۰۶)

فاتح مکہ کا پہلا فرمان

تاجدار دو عالم ﷺ نے مکہ کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان جاری فرمایا۔ وہ یہ اعلان تھا کہ جس کے لفظ لفظ میں رحمتوں کے دریا موجیں مار رہے ہیں۔

''جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کے لئے امان ہے۔
جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے گا اس کے لئے امان ہے!
جو کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے۔''

اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لئے کوئی ایسی امتیازی بات فرمادیجئے کہ اس کا سر فخر سے اونچا ہو جائے تو آپ نے فرمادیا کہ:

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔''

اس کے بعد ابوسفیان مکہ میں بلند آواز سے پکار پکار کر اعلان کرنے لگا کہ اے قریش! محمد (ﷺ) اتنا بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں کہ اس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی طاقت

نہیں ہے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔ ابوسفیان کی زبان سے یہ کم ہمتی کی بات سن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ جل بھن کر کباب ہو گئی اور طیش میں آ کر ابوسفیان کی مونچھ پکڑ لی اور چلا کر کہنے لگی کہ اے بنی کنانہ اس کم بخت کو قتل کر دو یہ کیسی بزدلی اور کم ہمتی کی بات بک رہا ہے۔ ہند کی اس چیخ و پکار کی آواز سن کر تمام بنو کنانہ کا خاندان ابوسفیان کے مکان میں جمع ہو گیا اور ابوسفیان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس وقت غصہ اور طیش کی باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا۔ میں پورے اسلامی لشکر کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر آیا ہوں۔ اور میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ہم لوگوں سے محمد ﷺ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خیریت ہے کہ انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ جو ابوسفیان کے مکان میں چلا جائے۔ اس کے لئے امان ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ لوگ میرے مکان میں آ کر پناہ لے لیں۔ ابوسفیان کے خاندان والوں نے کہا کہ تیرے مکان میں بھلا کتنے انسان آ سکیں گے؟ ابوسفیان نے بتایا کہ محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو بھی امان دے دی ہے جو اپنے دروازے بند کر لیں۔ یا مسجد حرام میں داخل ہو جائیں۔ یا ہتھیار ڈال دیں۔ ابوسفیان کا یہ بیان سن کر کوئی ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا۔ کوئی مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ کوئی اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۱۳)

حضور ﷺ کے اس اعلان رحمت نشان یعنی مکمل امن و امان کا فرمان جاری کر دینے کے بعد ایک قطرہ خون بہنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لیکن عکرمہ بن ابوجہل و صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو اور جماش بن قیس نے مقام "خندمہ" میں مختلف قبائل کے اوباش کو جمع کیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی فوج میں سے دو آدمیوں حضرت کرز بن جابر فہری اور جیش بن اشعر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا اور اسلامی لشکر پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ بخاری کی روایت میں انہی دو حضرات کی شہادت کا ذکر ہے مگر زُرقانی وغیرہ کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ تین صحابہ کرام کو کفار قریش نے قتل کر۔ دو وہ جو اوپر ذکر کئے گئے اور ایک حضرت سلمہ بن المیلا رضی اللہ عنہ اور بارہ یا تیرہ کفار بھی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۳ و زُرقانی ج ۲ ص ۳۱۰)

حضور ﷺ نے جب دیکھا کہ تلواریں چمک رہی ہیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ میں نے تو خالد بن الولید کو نے سے منع کر دیا تھا۔ پھر یہ تلواریں کیسی چل رہی ہیں؟

دوں نے عرض کیا کہ پہل کفار کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس لئے لڑنے کے سوا حضرت خالد بن الولید کی فوج کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ قضاء الٰہی یہی تھی اور خدا نے جو چاہا وہی بہتر ہے۔ (زرقانی ج۲ ص۳۱۰)

تاجدار دو عالم کا مکہ میں داخلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہونے لگے تو آپ اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار تھے۔ ایک سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور بخاری میں ہے کہ آپ کے سر پر ''مغفر'' تھا۔ آپ کے ایک جانب حضرت ابوبکر صدیق اور دوسری جانب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کے چاروں طرف جوش میں بھرا ہوا اور ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا جس کے درمیان کوکبۂ نبوی تھا۔ اس شان و شوکت کو دیکھ کر ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! تمہارا بھتیجا تو بادشاہ ہوگیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تیرا برا ہو اے ابوسفیان! یہ بادشاہت نہیں ہے بلکہ یہ ''نبوت'' ہے۔ اس شاہانہ جلوس کے جاہ و جلال کے باوجود شہنشاہ رسالت کی شانِ تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے اس طرح سر جھکائے ہوئے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگ لگ جاتا تھا۔ آپ کی یہ کیفیتِ تواضع خداوند قدوس کا شکر ادا کرنے اور اس کی بارگاہ عظمت میں اپنے عجز و نیازمندی کا اظہار کرنے کے لئے تھی۔ (زرقانی ج۲ ص۳۲۰ و ص۳۲۱)

مکہ میں حضور کی قیام گاہ

بخاری کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں غسل فرمایا پھر آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔ یہ نماز بہت ہی مختصر طور پر ادا فرمائی لیکن رکوع و سجدہ مکمل طور پر ادا فرماتے رہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۵ باب منزل النبی یوم الفتح)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے حضرت بی بی ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرم دامن گیر ہوتی ہے کہ اس کو آپ کے سامنے پیش کردوں۔ ارشاد فرمایا کہ ''لاؤ'' پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے ان خشک روٹیوں کو

توڑا اور پانی میں بھگو کر نرم کیا اور حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان روٹیوں کے سالن کے لئے نمک پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی سالن گھر میں نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر میں ''سرکہ'' کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''سرکہ'' لاؤ۔ آپ نے سرکہ کو روٹی پر ڈالا اور تناول فرما کر خدا کا شکر بجالائے۔ پھر فرمایا کہ ''سرکہ بہترین سالن ہے۔'' اور جس گھر میں سرکہ ہوگا اس گھر والے محتاج نہ ہوں گے۔'' پھر حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی) اور زہیر بن اُمیہ کو امان دے دی ہے۔ لیکن میرے بھائی حضرت علی ان دونوں کو اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت خالد بن الولید کی فوج سے جنگ کی ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے اُمِ ہانی! جس کو تم نے امان دے دی اس کے لئے ہماری طرف سے بھی امان ہے۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۳۲۶)

بیت اللہ میں داخلہ

حضور ﷺ کا جھنڈا ''حجون'' میں جس کو آج کل جَنَّۃُ الْمُعَلّٰی کہتے ہیں۔ ''مسجد الفتح'' کے قریب میں گاڑا گیا۔ پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور حضرت اسامہ بن زید کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ حجبی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے مسجد حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور کعبہ کا طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ وغیرہ)

یہ انقلاب زمانہ کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام جن کا لقب ''بت شکن'' ہے۔ ان کی یادگاہ خانہ کعبہ کے اندرون حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی۔ فاتح مکہ ﷺ کا حضرت خلیل کا جانشین جلیل ہونے کی حیثیت سے فرض اولین تھا کہ یادگار خلیل کو بتوں کی نجس اور گندی آلائشوں سے پاک کریں۔ چنانچہ آپ خود بہ نفس نفیس ایک چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو چھڑی کی نوک سے ٹھونکے مار مار کر گراتے جاتے تھے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کی آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۱۴ فتح مکہ وغیرہ)

پھر ان بتوں کو جو عین کعبہ کے اندر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سب نکالے جائیں۔ چنانچہ وہ سب بت نکال باہر کئے گئے۔ انہی بتوں میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مار ڈالے۔ ان کافروں کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال نہیں کھولا۔ جب تک ایک ایک بت کعبہ کے اندر سے نہ نکل گیا۔ آپ نے کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھا جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہو گیا تو آپ اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ حجبی کو لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے۔

(بخاری ج۱ ص۲۱۸ باب من کبر فی نواحی الکعبۃ و بخاری ج۲ ص۶۱۴ فتح مکہ وغیرہ)

کعبہ مقدسہ کے اندر سے جب آپ تشریف لائے تو عثمان بن طلحہ کو بلا کر کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:

خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لو یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم لوگوں میں رہے گی یہ کنجی تم
لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ ۔ سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔ (زُرقانی ج۲ ص۳۳۹)

شہنشاہِ رسالت کا دربارِ عام

اس کے بعد تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ اسلام کی حیثیت سے حرم الٰہی میں سب سے پہلا دربارِ عام منعقد فرمایا جس میں افواج اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے خواص و عوام کا ایک زبردست ازدحام تھا۔ اس شہنشاہی خطبہ میں آپ نے صرف اہل مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم سے خطابِ عام فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ:

> ''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی اور کفار کے تمام لشکروں کو تنہا شکست دے دی۔ تمام فخر کی باتیں۔ تمام پرانے خونوں کا بدلہ۔ تمام پرانے خون بہا اور جاہلیت کی رسمیں سب میرے پیروں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا۔ یہ دو اعزاز اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا

غروراور خاندانوں کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں۔"

اس کے بعد حضور ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے لئے قبیلے اور خاندان بنا دیئے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو لیکن خدا کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

بے شک اللہ نے شراب کی خرید و فروخت کو حرام فرما دیا ہے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۲ مختصراً و بخاری وغیرہ)

کفارِ مکہ سے خطاب

اس کے بعد شہنشاہ کونین ﷺ نے اس ہزاروں کے مجمع میں ایک گہری نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ سر جھکائے، نگاہیں نیچی کئے ہوئے لرزاں و ترساں اشراف قریش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان ظالموں اور جفا کاروں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستوں میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جو بارہا آپ پر پتھروں کی بارش کر چکے تھے۔ وہ خونخوار بھی تھے جنہوں نے بار بار آپ پر قاتلانہ حملے کئے تھے۔ وہ بے رحم و بے درد بھی تھے جنہوں نے آپ کے دندان مبارک کو شہید اور آپ کے چہرۂ انور کو لہولہان کر ڈالا تھا۔ وہ اوباش بھی تھے جو برسہا برس تک اپنی بہتان تراشیوں اور شرمناک گالیوں سے آپ کے قلب مبارک کو زخمی کر چکے تھے۔ وہ سفاک و درندہ صفت بھی تھے جو آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹ چکے تھے۔ وہ ظلم و ستم کے مجسمے اور پاپ کے پتلے بھی تھے جنہوں نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا تھا اور ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے بھی تھے جن کی تشنہ لبی اور پیاس خون نبوت کے سوا کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی تھی۔ وہ جفا کار و خونخوار بھی تھے جن کے جارحانہ حملوں اور ظالمانہ یلغار سے بار بار مدینہ منورہ کے در و دیوار دہل چکے تھے۔ حضور ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کی ناک، کان کاٹنے والے، ان کی آنکھیں پھوڑنے

والے' ان کا جگر چبانے والے بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ ستم گار جنہوں نے شمع نبوت کے جاں نثار پروانوں حضرت بلال' حضرت صہیب' حضرت عمار' حضرت خباب' حضرت خبیب' حضرت زید بن دثنہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کو رسیوں سے باندھ باندھ کر کوڑے مار مار کر جلتی ہوئی ریتوں پر لٹایا تھا۔ کسی کو آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر سلایا تھا۔ کسی کو چٹائیوں میں لپیٹ لپیٹ کر ناکوں میں دھوئیں دیئے تھے' سینکڑوں بار گلا گھونٹا تھا۔ یہ تمام جور و جفا اور ظلم و ستمگاری کے پیکر' جن کے جسم کے رونگٹے رونگٹے اور بدن کے بال بال ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کے وبال سے خوفناک جرموں اور شرمناک مظالم کے پہاڑ بن چکے تھے۔ آج یہ سب کے سب دس بارہ ہزار مہاجرین و انصار کے لشکر کی حراست میں مجرم بنے ہوئے کھڑے کانپ رہے تھے۔ اور اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آج ہماری لاشوں کو کتوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیلوں اور کوؤں کو کھلا دی جائیں گی' اور انصار و مہاجرین کی غضب ناک فوجیں ہمارے بچے بچے کو خاک و خون میں ملا کر ہماری نسلوں کو نیست و نابود کر ڈالیں گی' اور ہماری بستیوں کو تاخت و تاراج کر کے تہس نہس کر ڈالیں گی۔ ان مجرموں کے سینوں میں خوف و ہراس کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ دہشت اور ڈر سے ان کے بدنوں کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی' دل دھڑک رہے تھے' کلیجے منہ میں آ گئے تھے اور عالم یاس میں انہیں زمین سے آسمان تک دھوئیں ہی دھوئیں کے خوفناک بادل نظر آ رہے تھے۔ اسی مایوسی اور نا امیدی کی خطرناک فضا میں ایک دم شہنشاہ رسالت کی نگاہ رحمت ان پاپیوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان مجرموں سے آپ نے پوچھا کہ

"بولو۔ تم کو کچھ معلوم ہے؟ کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔"

اس دہشت انگیز اور خوفناک سوال سے مجرمین حواس باختہ ہو کر کانپ اُٹھے۔ لیکن جبین رحمت کے پیغمبرانہ تیور کو دیکھ کر اُمید و بیم کے محشر میں لرزتے ہوئے سب یک زبان ہو کر بولے کہ:

اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ	آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔

سب کی للچائی ہوئی نظریں جمال نبوت کا منہ تک رہی تھیں اور سب کے کان شہنشاہ نبوت کا فیصلہ کن جواب سننے کے منتظر تھے۔ کہ اک دم دفعۃً فاتح مکہ نے اپنے کریمانہ لہجے

میں ارشاد فرمایا کہ:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد
الطُّلَقَاءُ (زُرقانی ج۲ ص۳۲۸) ہو۔

بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمان رسالت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرط ندامت سے اشکبار ہوگئیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے جذبات شکریہ کے آثار آنسوؤں کی دھار بن کر ان کے رخساروں پر مچلنے لگے اور کفار کی زبانوں پر **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** ۔ کے نعروں سے حرم کعبہ کے در و دیوار پر ہر طرف انوار کی بارش ہونے لگی۔ ناگہاں بالکل ہی اچانک اور دفعۃً ایک عجیب انقلاب برپا ہوگیا کہ سماں ہی بدل گیا۔ فضا ہی پلٹ گئی اور ایک دم ایسا محسوس ہونے لگا کہ

جہاں تاریک تھا' بے نور تھا اور سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

کفار نے مہاجرین کی جائیدادوں' مکانوں' دوکانوں پر غاصبانہ قبضہ جمالیا تھا۔ اب وقت تھا کہ مہاجرین کو ان کے حقوق دلائے جاتے اور ان سب جائدادوں' مکانوں' دوکانوں اور سامانوں کو مکہ کے غاصبوں کے قبضوں سے واگزار کر کے مہاجرین کے سپرد کیا جاتا۔ لیکن شہنشاہ رسالت نے مہاجرین کو حکم دے دیا کہ وہ اپنی کل جائدادیں خوشی خوشی مکہ والوں کو ہبہ کر دیں۔

اللہ اکبر! اے اقوام عالم کی تاریخی داستانو! بتاؤ کیا دنیا کے کسی فاتح کی کتاب زندگی میں کوئی ایسا حسین و زریں ورق ہے؟ اے دھرتی! خدا کے لئے بتا؟ اے آسمان Ë ! بول۔ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا فاتح گزرا ہے؟ جس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا ہو؟ اے چاند اور سورج کی چمکتی اور دوربین نگاہو! کیا تم نے لاکھوں برس کی گردش لیل و نہار میں کوئی ایسا تاجدار دیکھا ہے؟ تم اس کے سوا اور کیا کہو گے؟ کہ یہ نبی جمال و جلال کا وہ بے مثال شاہکار ہے کہ شاہان عالم کے لئے اس کا تصور بھی محال ہے۔

اس لئے ہم تمام دنیا کو چیلنج کے ساتھ دعوت نظارہ دیتے ہیں کہ:

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

دوسرا خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم کعبہ کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ کہ حرم میں کسی کا خون بہانا' جانوروں کا مارنا' شکار کرنا' درخت کاٹنا' اذخر کے سوا کوئی گھاس کاٹنا حرام ہے۔ اور اللہ نے گھڑی بھر کے لئے اپنے رسول کو حرم میں جنگ کرنے کی اجازت دی پھر قیامت تک کے لئے کسی کو حرم میں جنگ کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو حرم بنا دیا ہے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس شہر میں خونریزی حلال کی گئی نہ میرے بعد قیامت تک کسی کے لئے حلال کی جائے گی۔ (بخاری ج۲ ص۶۱۷ فتح مکہ)

انصار کو فراق رسول کا ڈر

انصار نے قریش کے ساتھ جب رسول اللہ ﷺ کے اس کریمانہ حسن سلوک کو دیکھا اور حضور ﷺ کچھ دنوں تک مکہ میں ٹھہر گئے۔ تو انصار کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ پر اپنی قوم اور وطن کی محبت غالب آ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ مکہ میں اقامت فرمالیں اور ہم لوگ آپ سے دور ہو جائیں۔ جب حضور ﷺ کو انصار کے اس خیال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ! اے انصار!

اَلْمَحْيَامَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ اب تو ہماری زندگی اور وفات تمہارے ہی ساتھ ہے۔ (سیرت ابن ہشام ج۲ ص۴۱۶)

یہ سن کر فرط مسرت سے انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور سب نے کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم لوگوں نے جو کچھ دل میں خیال کیا یا زبان سے کہا اس کا سبب آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ ہمارا جذبۂ عشق ہے کیونکہ آپ کی جدائی کا تصور ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ (زرقانی ج۲ ص۳۳۳ و سیرت ابن ہشام ج۲ ص۴۱۶)

کعبہ کی چھت پر اذان

جب نماز کا وقت آیا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ جس وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی ایمان افروز صدا بلند ہوئی تو حرم کے حصار اور کعبہ کے در و دیوار پر ایمانی زندگی کے آثار نمودار ہو گئے مگر مکہ کے وہ نومسلم جو ابھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر ان کے دلوں میں غیرت کی آگ پھر بھڑک

اٹھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عتاب بن اُسید نے کہا کہ خدا نے میرے باپ کی لاج رکھ لی کہ اس آواز کو سننے سے پہلے ہی اس کو دنیا سے اٹھالیا اور ایک دوسرے سردار قریش کے منہ سے نکلا کہ ''اب جینا بے کار ہے۔'' (اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید ج ۲ ص ۴۵۱ و زرقانی ج ۲ ص ۳۴۶)

مگر اس کے بعد حضور ﷺ کے فیض صحبت سے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے دل میں نور ایمان کا سورج چمک اٹھا اور وہ صادق الایمان مسلمان بن گئے۔ چنانچہ مکہ سے روانہ ہوتے وقت حضور ﷺ نے انہی کو مکہ کا حاکم بنا دیا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۳ و ص ۴۴۹)

بیعتِ اسلام

اس کے بعد حضور ﷺ کوہ صفا کی پہاڑی کے نیچے ایک بلند مقام پر بیٹھے اور لوگ جوق در جوق آ کر آپ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ مردوں کی بیعت ختم ہو چکی تو عورتوں کی باری آئی۔ حضور ﷺ ہر بیعت کرنے والی عورت سے جب وہ تمام شرائط کا اقرار کر لیتی تو آپ اس سے فرما دیتے تھے کہ ''قد بایعتك'' میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! آپ کے ہاتھ نے بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ صرف کلام ہی سے بیعت فرما لیتے تھے۔

(بخاری ج ص ۳۷۵ کتاب الشروط)

انہی عورتوں میں نقاب اوڑھ کر ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بھی بیعت کے لئے آئیں جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ وہی ہند ہیں جنہوں نے جنگِ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شکم چاک کر کے ان کے جگر کو نکال کر چبا ڈالا تھا۔ اور ان کے کان ناک کو کاٹ کر اور آنکھ کو نکال کر ایک دھاگہ میں پرو کر گلے کا ہار بنایا تھا۔ جب یہ بیعت کے لئے آئیں تو حضور ﷺ سے نہایت دلیری کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کا مکالمہ حسب ذیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ		تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا
ہند بنت عتبہ	۔	یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ	چوری مت کرنا۔
ہند بنت عتبہ	میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟
رسول اللہ ﷺ	اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔
ہند بنت عتبہ	ہم نے تو بچوں کو پالا تھا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو آپ نے جنگ بدر میں ان کو مار ڈالا۔ اب آپ جانیں اور وہ جانیں۔ (طبری ج۳ ص۱۶۴۳ مختصراً)

بہرحال حضرت ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند بنت عتبہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہما) لہٰذا ان دونوں کے بارے میں بدگمانی یا ان دونوں کی شان میں بدزبانی روافض کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ان دونوں کا شمار صحابہ اور صحابیات کی فہرست میں ہے۔

ابتداء میں گو ان دونوں کے ایمان میں کچھ تذبذب رہا ہو مگر بعد میں یہ دونوں صادق الایمان مسلمان ہو گئے اور ایمان ہی پر ان دونوں کا خاتمہ ہوا۔ (رضی اللہ عنہما)

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ بارگاہ نبوت میں آئیں اور یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا۔ مگر اب میرا یہ حال ہے کہ روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں۔

(بخاری ص۳۹۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ)

اسی طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محدث ابن عساکر کی ایک روایت ہے۔ کہ یہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور ﷺ سامنے سے نکلے تو انہوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ کونسی طاقت ان کے پاس ایسی ہے کہ یہ ہم پر غالب رہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ان کے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا اور قریب آ کر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ہم خدا کی طاقت سے غالب آ جاتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ ”میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ اور محدث حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ ”کاش! میں ایک فوج جمع کر کے

دوبارہ ان سے جنگ کرتا" ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل و خوار کر دے گا" یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ توبہ و استغفار کرنے لگے اور عرض کیا کہ مجھے اس وقت آپ کی نبوت کا یقین حاصل ہو گیا۔ کیونکہ آپ نے میرے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۴۶)

یہ بھی روایت ہے کہ جب سب سے پہلے حضور ﷺ نے ان پر اسلام پیش فرمایا تھا تو انہوں نے کہا کہ "پھر میں اپنے معبود عزیٰ کو کیا کروں گا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برجستہ فرمایا تھا کہ "تم عزیٰ پر پاخانہ پھر دینا" چنانچہ حضور ﷺ نے جب عزیٰ کو توڑنے کے لئے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا تو ساتھ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بھیجا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے معبود عزیٰ کو توڑ ڈالا۔ یہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے۔ اور ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ عزیٰ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توڑا تھا۔ واللہ اعلم۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۴۹)

بت پرستی کا خاتمہ

گزشتہ اوراق میں ہم تحریر کر چکے کہ خانہ کعبہ کے تمام بتوں اور دیواروں کی تصاویر کو توڑ پھوڑ کر اور مٹا کر مکہ کو تو حضور ﷺ نے بت پرستی کی لعنت سے پاک کر ہی دیا تھا۔ لیکن مکہ کے اطراف میں بھی بت پرستی کے چند مراکز تھے یعنی لات۔ مناۃ رسواع۔ عزیٰ یہ چند بڑے بڑے بت تھے جو مختلف قبائل کے معبود تھے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر بت پرستی کے سارے طلسم کو تہس نہس کر دیا اور مکہ نیز اس کے اطراف و جوانب کے تمام بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۴۷ تا ص ۳۴۹)

اس طرح بانی کعبہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے مورث اعلیٰ کے مشن کو مکمل فرما دیا اور درحقیقت فتح مکہ کا سب سے بڑا یہی مقصد تھا کہ شرک و بت پرستی کا خاتمہ اور توحید خداوندی کا بول بالا ہو جائے۔ چنانچہ یہ عظیم مقصد بحمدہ تعالیٰ بدرجہ اتم حاصل ہو گیا کہ

آنجا کہ۔ بود نعرہ کفار و مشرکاں
اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است

چند ناقابلِ معافی مجرمین

جب مکہ فتح ہوگیا تو حضور ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ مگر چند ایسے مجرمین تھے جن کے بارے میں تاجدارِ دو عالم ﷺ نے یہ فرمان جاری فرما دیا کہ یہ لوگ اگر اسلام نہ قبول کریں تو یہ لوگ جہاں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ خواہ وہ غلافِ کعبہ ہی میں کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان مجرموں میں سے بعض نے تو اسلام قبول کرلیا اور بعض قتل ہو گئے۔ ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اس کو حضور ﷺ نے زکوٰۃ کے جانور وصول کرنے کے لئے بھیجا اور ساتھ میں ایک دوسرے مسلمان کو بھی بھیج دیا۔ کسی بات پر دونوں میں تکرار ہوگئی تو اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور قصاص کے ڈر سے تمام جانوروں کو لے کر مکہ بھاگ نکلا اور مرتد ہوگیا۔ فتح مکہ کے دن یہ بھی ایک نیزہ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن مسلم افواج کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھا اور نیزہ پھینک کر بھاگا اور کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا۔ حضرت سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۲۲)

۲- حویرث بن نقید: یہ شاعر تھا اور حضور ﷺ کی ہجو لکھا کرتا تھا اور خونی مجرم بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا!

۳- مقیس بن صبابہ: اس کو نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ یہ بھی خونی تھا۔

۴- حارث بن طلاطلہ: یہ بھی بڑا ہی موذی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

۵- قریبہ: یہ ابن خطل کی لونڈی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھی۔ یہ بھی قتل کی گئی۔

مکہ سے فرار ہو جانے والے

چار اشخاص مکہ سے بھاگ نکلے تھے ان لوگوں کا مختصر تذکرہ یہ ہے۔

۱- عکرمہ بن ابی جہل: یہ ابو جہل کے بیٹے ہیں۔ اس لئے ان کی اسلام دشمنی کا کیا کہنا؟ یہ بھاگ کر یمن چلے گئے لیکن ان کی بیوی ''اُمِ حکیم'' جو ابو جہل کی بھتیجی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اپنے شوہر عکرمہ کے لئے بارگاہِ رسالت میں معافی کی درخواست پیش کی۔ حضور ﷺ نے معاف فرما دیا۔ اُمِ حکیم خود یمن گئیں اور معافی کا حال بیان کیا۔ عکرمہ

حیران رہ گئے اور انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ کیا مجھ کو محمد (ﷺ) نے معاف کر دیا؟ بہر حال اپنی بیوی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم اطہر سے چادر گر پڑی۔ پھر حضرت عکرمہ نے خوشی خوشی حضور ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت اسلام کی۔

(موطا امام مالک کتاب النکاح وغیرہ)

۲-صفوان بن امیہ: یہ امیہ بن خلف کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ امیہ ہی کی طرح یہ بھی اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر جدہ چلے گئے۔ حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں ان کی سفارش پیش کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) قریش کا ایک رئیس صفوان مکہ سے جلا وطن ہوا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کو بھی معافی عطا فرما دی۔ اور امان کے نشان کے طور پر حضرت عمیر کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا۔ چنانچہ وہ مقدس عمامہ لے کر ”جدہ“ گئے اور صفوان کو مکہ لے کر آئے۔ صفوان جنگ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے لیکن اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ (طبری ج ۳ ص ۱۶۴۵)

۳-کعب بن زہیر: یہ ۹ ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور حضور ﷺ کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ پڑھا۔ حضور ﷺ نے خوش ہو کر ان کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ حضور ﷺ کی یہ چادر مبارک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور سلطنت میں ان کو دس ہزار درہم پیش کیا کہ یہ مقدس چادر ہمیں دے دو۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ چادر مبارک ہرگز ہرگز کسی کو نہیں دے سکتا۔ لیکن آخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ان کے وارثوں کو بیس ہزار درہم دے کر وہ چادر لے لی اور عرصہ دراز تک وہ چادر سلاطین اسلام کے پاس ایک مقدس تبرک بن کر باقی رہی۔ (مدارج ج ۲ ص ۳۳۸)

۴-وحشی: یہی وہ وحشی ہیں جنہوں نے جنگ اُحد میں حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ بھی فتح مکہ کے دن بھاگ کر طائف چلے گئے تھے۔ مگر پھر طائف کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی زبان سے اپنے چچا کے قتل کی خونی داستان سنی اور رنج و غم میں ڈوب گئے مگر ان کو بھی آپ نے

معاف فرما دیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ حضرت وحشی کو اس کا بے حد ملال رہتا تھا۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لشکر اسلام نے اس ملعون سے جہاد کیا تو حضرت وحشی بھی اپنا نیزہ لے کر جہاد میں شامل ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب کو قتل کر دیا۔ حضرت وحشی اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ۔ یعنی میں نے دور جاہلیت میں بہترین انسان (حضرت حمزہ) کو قتل کیا اور اپنے دور اسلام میں بدترین آدمی (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا۔ انہوں نے دربار اقدس میں اپنے جرائم کا اعتراف کر کے عرض کیا کہ کیا خدا مجھ جیسے مجرم کو بھی بخش دے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (زُمر)

یعنی اے حبیب! آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر حد سے زیادہ گناہ کر لیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔ اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۰۲)

مکہ کا انتظام

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ کا نظم و نسق اور انتظام چلانے کے لئے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ کا حاکم مقرر فرما دیا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ نومسلموں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم دیتے رہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۲۴)

اس میں اختلاف ہے کہ فتح کے بعد کتنے دنوں تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ سترہ دن تک آپ مکہ میں مقیم رہے۔ اور ترمذی کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ اٹھارہ دن آپ کا قیام رہا۔ لیکن امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انیس دن آپ مکہ میں ٹھہرے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۵)

ان تینوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں مکہ میں داخل ہونے اور مکہ سے روانگی کے دونوں دنوں کو شمار نہیں کیا ہے اس لئے سترہ دن مدت اقامت بتائی ہے۔ اور ترمذی کی روایت میں مکہ میں آنے کے دن کو تو شمار کر لیا کیونکہ

آپ صبح کو مکہ میں داخل ہوئے تھے اور مکہ سے روانگی کے دن کو شمار نہیں کیا کیونکہ آپ صبح سویرے ہی مکہ سے حنین کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ اور امام بخاری کی روایت میں آنے اور جانے کے دونوں دنوں کو بھی شمار کرلیا گیا ہے۔ اس لئے انیس دن آپ مکہ میں مقیم رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح اس میں بڑا اختلاف ہے کہ مکہ کونسی تاریخ میں فتح ہوا؟ اور آپ کس تاریخ کو مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے؟ امام بیہقی ۱۳ رمضان۔ امام مسلم ۱۸ رمضان بتایا۔ اور بعض روایات میں ۱۷ رمضان اور ۱۸ رمضان بھی مروی ہے۔ مگر محمد بن اسحاق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ۲۰ رمضان سن ۸ ھ کو مکہ فتح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زُرقانی ج ۲ ص ۲۹۹)

جنگِ حنین

''حنین'' مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ تاریخ اسلام میں اس جنگ کا دوسرا نام ''غزوہ ہوازن'' بھی ہے۔ اس لئے کہ اس لڑائی میں ''بنی ہوازن'' سے مقابلہ تھا۔

فتح مکہ کے بعد عام طور سے تمام عرب کے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے کیونکہ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین رکھنے کے باوجود قریش کے ڈر سے مسلمان ہونے میں توقف کر رہے تھے۔ اور فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر چونکہ عرب کے دلوں میں کعبہ کا بے حد احترام تھا اور ان کا اعتقاد تھا کہ کعبہ پر کسی باطل پرست کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور ﷺ نے جب مکہ کو فتح کرلیا تو عرب کے بچے بچے کو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ اور وہ سب کے سب جوق در جوق بلکہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ باقی ماندہ عرب کی بھی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھا سکیں۔

لیکن مقام حنین میں ''ہوازن'' اور ''ثقیف'' نام کے دو قبیلے آباد تھے جو بہت ہی جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ ان لوگوں پر فتح مکہ کا اُلٹا اثر پڑا۔ ان لوگوں پر غیرت سوار ہو گئی اور ان لوگوں نے یہ خیال قائم کرلیا کہ فتح مکہ کے بعد ہماری باری ہے اس لئے ان لوگوں نے یہ طے کرلیا کہ مسلمانوں پر جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک زبردست حملہ کردیا

جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے وہاں سے واپس آ کر ان قبائل کی جنگی تیاریوں کا حال بیان کیا' اور بتایا کہ قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے اپنے تمام قبائل کو جمع کر لیا ہے۔ اور قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم مالک بن عوف ان تمام افواج کا سپہ سالار ہے۔ اور سو برس سے زائد عمر کا بوڑھا ''درید بن الصمہ'' جو عرب کا مشہور شاعر اور مانا ہوا بہادر تھا۔ بطور مشیر کے میدانِ جنگ میں لایا گیا ہے۔ اور یہ لوگ اپنی عورتوں' بچوں بلکہ جانوروں تک کو میدانِ جنگ میں لائے ہیں تاکہ کوئی سپاہی میدان سے بھاگنے کا خیال بھی نہ کر سکے۔

حضور ﷺ نے بھی شوال سن ۸ ھ میں بارہ ہزار کا لشکر جمع فرمایا۔ دس ہزار تو مہاجرین وانصار وغیرہ کا وہ لشکر تھا جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آیا تھا اور دو ہزار نو مسلم تھے۔ جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ نے اس لشکر کو ساتھ لے کر اس شان و شوکت کے ساتھ حنین کا رُخ کیا کہ اسلامی افواج کی کثرت اور اس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر بے اختیار بعض صحابہ کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ:

''آج بھلا ہم پر کون غالب آ سکتا ہے۔''

لیکن خداوند عالم کو صحابۂ کرام کا اپنی فوجوں کی کثرت پر ناز کرنا پسند نہیں آیا۔ چنانچہ اس فخر و ناز کا یہ انجام ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں قبیلہ ہوازن و ثقیف کے تیر اندازوں نے جو تیروں کی بارش کی اور ہزاروں کی تعداد میں تلواریں لے کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ تو وہ دو ہزار نو مسلم اور کفار مکہ جو لشکر اسلام میں شامل ہو کر مکہ سے آئے تھے ایک دم سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ ان لوگوں کی بھگدڑ دیکھ کر انصار و مہاجرین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے حضور تاجدارِ دو عالم ﷺ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو گنتی کے چند جاں نثاروں کے سوا سب فرار ہو چکے تھے۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی بارہ ہزار کا لشکر فرار ہو چکا تھا۔ مگر خدا کے رسول کے پائے استقامت میں بال برابر بھی لغزش نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ اکیلے ایک لشکر بلکہ ایک عالم کائنات کا مجموعہ بنے ہوئے نہ صرف پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے بلکہ اپنے سفید خچر پر سوار برابر آگے ہی بڑھتے رہے اور آپ کی زَبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے کہ۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ
میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

اسی حالت میں آپ نے داہنی طرف دیکھ کر بلند آواز سے پکارا کہ یَـا مَـعْشَـرَ الْاَنْـصَـارِ فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں یارسول اللہ" پھر بائیں جانب رخ کر کے فرمایا کہ "یَـا لَـلْـمُهَاجِرِيْـنَ" فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں یارسول اللہ! حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ بہت ہی بلند آواز تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ انصار و مہاجرین کو پکارو۔ انہوں نے جو "یَـا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ" اور یَـا لَـلْمُهَاجِرِيْنَ کا نعرہ مارا تو ایک دم تمام فوجیں پلٹ پڑیں۔ اور لوگ اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ پڑے کہ جن لوگوں کے گھوڑے ازدحام کی وجہ سے نہ مڑ سکے انہوں نے ہلکا ہونے کے لئے اپنی زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود کود کر دوڑے اور کفار کے لشکر پر جھپٹ پڑے اور اس طرح جانبازی کے ساتھ لڑنے لگے کہ دم زدن میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ کفار بھاگ نکلے کچھ قتل ہو گئے جو رہ گئے گرفتار ہو گئے۔ قبیلہ ثقیف کی فوجیں بڑی بہادری کے ساتھ جم کر مسلمانوں سے لڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ستر بہادر کٹ گئے لیکن جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ قتل ہو گیا تو ان کے پاؤں بھی اُکھڑ گئے۔ اور فتح مبین نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کا بوسہ لیا اور کثیر تعداد و مقدار میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۱ غزوۂ طائف)

یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن حکیم نے نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا کہ۔

وَيَـوْمَ حُـنَيْـنٍ لا اِذْ اَعْـجَبَـتْـكُمْ
كَثْـرَتُـكُمْ فَلَـمْ تُـغْنِ عَنْكُمْ شَيْـئًا
وَّضَـاقَـتْ عَـلَيْـكُمُ الْاَرْضُ بِمَـا
رَحُبَتْ ثُـمَّ وَلَّيْتُـمْ مُـدْبِـرِيْنَ ○ ثُمَّ
اَنْـزَلَ اللّٰهُ سَـكِيْـنَـتَـهٗ عَلٰى رَسُوْلِـهٖ
وَعَلَى الْـمُـؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ
تَـرَوْهَـا جَ وَعَـذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ

اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکروں کو اتار دیا جو تمہیں نظر نہیں آئے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔ (سورۃ التوبہ)

حنین میں شکست کھا کر کفار کی فوجیں بھاگ کر کچھ تو "اوطاس" میں جمع ہو گئیں اور کچھ "طائف" کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئیں۔ اس لئے کفار کی فوجوں کو مکمل طور پر شکست دینے کے لئے "اوطاس" اور "طائف" پر بھی حملہ کرنا ضروری ہو گیا۔

جنگ اوطاس

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج ''اوطاس'' کی طرف بھیج دی درید بن الصمہ کئی ہزار کی فوج لے کر نکلا۔ درید بن الصمہ کے بیٹے نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر ایک تیر مارا حضرت ابو عامر اشعری حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے۔ اپنے چچا کو زخمی دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ کر اپنے چچا کے پاس آئے اور پوچھا کہ چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ تو حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اس کافر کو قتل کرنے کے لئے دوڑے تو وہ بھاگ نکلا' مگر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور یہ کہہ کر کہ اے اوُ بھاگنے والے! کیا تجھ کو شرم اور غیرت نہیں آتی؟ جب اس کافر نے یہ گرم گرم طعنہ سنا تو ٹھہر گیا پھر دونوں میں تلوار کے دو دو ہاتھ ہوئے' اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کو قتل کر کے دم لیا۔ پھر اپنے چچا کے پاس آئے اور خوشخبری سنائی کہ چچا جان! خدا نے آپ کے قاتل کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچا کے زانو سے وہ تیر کھینچ کر نکالا تو چونکہ تیر زہر میں بجھایا ہوا تھا اس لئے زخم سے بجائے خون کے پانی بہنے لگا حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جگہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنایا اور یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا اور میرے لئے دعا کی درخواست کرنا۔ یہ وصیت کی اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب اس جنگ سے فارغ ہو کر میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے چچا کا سلام اور پیغام پہنچایا تو اس وقت تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک بان کی چارپائی پر تشریف فرما تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پہلوئے اقدس میں بان کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا اٹھایا کہ میں نے آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ اور اس طرح آپ نے دعا مانگی کہ ''یا اللہ!'' تو ابو عامر کو قیامت کے دن بہت سے انسانوں سے زیادہ بلند مرتبہ بنا دے۔'' یہ کرم دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے لئے بھی دعا فرما دیجئے؟ تو یہ دعا فرمائی کہ ''یا اللہ! تو عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ میں داخل فرما۔ عبداللہ بن قیس حضرت ابو موسیٰ اشعری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۱۹ غزوۂ اوطاس)

بہر کیف حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درید بن الصمہ کے بیٹے کو قتل کر دیا اور اسلامی علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ درید بن الصمہ بڑھاپے کی وجہ سے ایک ہودج پر سوار تھا۔ اس کو حضرت ربیعہ بن رفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اسی کی تلوار سے قتل کر دیا۔ اس کے بعد کفار کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سب گرفتار ہو گئے ان قیدیوں میں جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت ''شیماء'' رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ یہ حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ جب لوگوں نے ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ مسلمان ان کو شناخت کے لئے بارگاہ نبوت میں لائے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا اور جوشِ محبت میں آپ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور کچھ اونٹ کچھ بکریاں ان کو دے کر فرمایا کہ تم آزاد ہو اگر تمہارا جی چاہے تو میرے گھر پر چل کر رہو اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو میں تم کو وہاں پہنچا دوں۔ انہوں نے اپنے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی تو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ وہ ان کے قبیلے میں پہنچا دی گئیں۔ (طبری ج ۳ ص ۶۶۸)

طائف کا محاصرہ

یہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ حنین سے بھاگنے والی کفار کی فوجیں کچھ تو اوطاس میں جا کر ٹھہری تھیں اور کچھ طائف کے قلعہ میں جا کر پناہ گزیں ہو گئی تھیں۔ اوطاس کی فوجیں تو آپ پڑھ چکے کہ وہ شکست کھا کر ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئیں اور سب گرفتار ہو گئیں۔ لیکن طائف میں پناہ لینے والوں سے بھی جنگ ضروری تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حنین اور اوطاس کے اموالِ غنیمت اور قیدیوں کو ''مقام جعرانہ'' میں جمع کر کے طائف کا رخ فرمایا۔

طائف خود ایک بہت ہی محفوظ شہر تھا جس کے چاروں طرف شہر پناہ کی دیوار بنی ہوئی تھی اور یہاں ایک بہت ہی مضبوط قلعہ بھی تھا یہاں کا رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔ جو ابو سفیان کا داماد تھا۔ یہاں ثقیف کا جو خاندان آباد تھا وہ عزت و شرافت میں قریش کا ہم پلہ شمار کیا جاتا تھا۔ کفار کی تمام فوجیں سال بھر کا راشن لے کر طائف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئی تھیں۔ اسلامی افواج نے طائف پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا مگر قلعہ کے اندر سے کفار نے اس زور و شور کے ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی کہ لشکر اسلام اس کی تاب نہ لا سکا اور

مجبوراً اس کو پسپا ہونا پڑا اٹھارہ دن تک شہر کا محاصرہ جاری رہا مگر طائف فتح نہیں ہو سکا۔ حضور ﷺ نے جب جنگ کے ماہروں سے مشورہ فرمایا تو حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم)

> ''لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی۔ لیکن اگر چھوڑ دی جائے تو بھی اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔'' یہ سن کر حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔ (زُرقانی ج ۳ ص ۳۲)

طائف کے محاصرہ میں بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور کل بارہ اصحاب شہید ہوئے سات قریش، چار انصار اور ایک شخص بنی لیث کے، زخمیوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے یہ ایک تیر سے زخمی ہو گئے تھے، پھر اچھے بھی ہو گئے۔ لیکن ایک مدت کے بعد پھر ان کا زخم پھٹ گیا اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اسی زخم سے ان کی وفات ہو گئی۔ (زُرقانی ج ۳ ص ۳۰)

طائف کی مسجد

یہ مسجد جس کو حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر کیا تھا۔ ایک تاریخی مسجد ہے۔ اس جنگ طائف میں ازواجِ مطہرات میں سے دو ساتھ تھیں حضرت اُمِ سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہن ان دونوں کے لئے حضور ﷺ نے دو خیمے گاڑے تھے۔ اور جب تک طائف کا محاصرہ رہا آپ ان دونوں خیموں کے درمیان میں نمازیں پڑھتے رہے۔ جب بعد میں قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان لوگوں نے اسی جگہ پر مسجد بنا لی۔

(زُرقانی ج ۳ ص ۳۱)

جنگ طائف میں بت شکنی

جب حضور ﷺ نے طائف کا ارادہ فرمایا تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا کہ وہ ''ذوالکفین'' کے بت خانہ کو برباد کر دیں۔ یہاں عمرو بن حممہ دوسی کا بت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں جا کر بت خانہ کو منہدم کر دیا اور بت کو جلا دیا۔ بت کو جلاتے وقت وہ ان اشعار کو پڑھتے جاتے تھے۔

يَا ذَا الْكَفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ
اے ذالکفین! میں تیرا بندہ نہیں ہوں

مِيْلَادُنَــــا اَكْبَــرُ مِــنْ مِيْلَادِكَ
میری پیدائش تیری پیدائش سے بڑی ہے
اِنِّــیْ حَشَــوْتُ النَّــارَ فِــیْ فُــوَادِكَ
میں نے تیرے دل میں آگ لگا دی ہے

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار دن میں اس مہم سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طائف میں پہنچ گئے۔ یہ "ذوالکفین" سے قلعہ توڑنے کے آلات منجنیق وغیرہ بھی لائے تھے۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلی یہی منجنیق ہے جو طائف کا قلعہ توڑنے کے لئے لگائی گئی۔ مگر کفار کی فوجوں نے تیراندازی کے ساتھ ساتھ گرم گرم لوہے کی سلاخیں پھینکنی شروع کر دیں اس وجہ سے قلعہ توڑنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ (زُرقانی ج ۳ ص ۳۱)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ طائف کے اطراف میں جو جابجا ثقیف کے بت خانے ہیں ان سب کو منہدم کر دیں چنانچہ آپ نے ان سب بتوں اور بت خانوں کو توڑ پھوڑ کر مسمار و برباد کر دیا۔ اور جب لوٹ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور بہت دیر تک ان سے تنہائی میں گفتگو فرماتے رہے۔ جس سے لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۱۸)

طائف سے روانگی کے وقت صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ قبیلہ ثقیف کے کفار کے لئے ہلاکت کی دعا فرما دیجئے۔ تو آپ نے دعا مانگی کہ۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا وَّاْتِ بِهِمْ یااللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انکو میرے پاس پہنچا دے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۰۷)

چنانچہ آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی کہ قبیلہ ثقیف کا وفد مدینہ پہنچا اور پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

طائف سے محاصرہ اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم "جعرانہ" تشریف لائے یہاں اموال غنیمت کا بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، کئی من چاندی، اور چھ ہزار قیدی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۸ و زُرقانی)

اسیرانِ جنگ کے بارے میں آپ نے ان کے رشتہ داروں کے آنے کا انتظار فرمایا۔ لیکن کئی دن گزرنے کے باوجود جب کوئی نہ آیا تو آپ نے مالِ غنیمت کو تقسیم فرما دینے کا حکم دے دیا۔ مکہ اور اس کے اطراف کے نومسلم رئیسوں کو آپ نے بڑے بڑے انعاموں سے نوازا۔ یہاں تک کہ کسی کو تین سو اونٹ، کسی کو دو سو اونٹ، کسی کو سو اونٹ انعام کے طور پر عطا فرما دیا۔ اسی طرح بکریوں کو بھی نہایت فیاضی کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۹)

انصاریوں سے خطاب

جن لوگوں کو آپ نے بڑے بڑے انعامات سے نوازا وہ عموماً مکہ والے نومسلم تھے۔ اس پر بعض نوجوان انصاریوں نے کہا۔

''رسول اللہ ﷺ قریش کو اس قدر عطا فرما رہے ہیں اور ہم لوگوں کا کچھ بھی خیال نہیں فرما رہے حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۲۰ غزوۂ طائف)

اور انصار کے کچھ نوجوانوں نے آپس میں یہ بھی کہا اور اپنی دل شکنی کا اظہار کیا کہ جب شدید جنگ کا موقع ہوتا ہے تو ہم انصاریوں کو پکارا جاتا ہے اور غنیمت دوسرے لوگوں کو دی جا رہی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۱ غزوۂ طائف)

آپ نے جب یہ چرچا سنا تو تمام انصاریوں کو ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے سرداروں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا ہے۔ ہاں چند نئی عمر کے لڑکوں نے ضرور کچھ کہہ دیا ہے۔ حضور ﷺ نے انصار کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میرے ذریعہ سے خدا نے تم کو ہدایت دی۔ تم متفرق اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق و اتحاد پیدا فرمایا تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو غنی بنا دیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۰ غزوۂ طائف)

حضور ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار آپ کے ہر جملہ کو سن کر یہ کہتے جاتے تھے کہ

''اللہ اور رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔'' (عزوجل وﷺ)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! تم لوگ یوں مت کہو بلکہ مجھ کو یہ جواب دو کہ۔

> یارسول اللہ! جب لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم لوگوں نے آپ کی تصدیق کی جب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تو ہم لوگوں نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ جب آپ بے سروسامانی کی حالت میں آئے تو ہم نے ہر طرح سے آپ کی خدمت کی۔ لیکن اے انصاریو! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں تم مجھے اس کا جواب دو۔

سوال یہ ہے کہ:

> کیا تم لوگوں کو یہ پسند نہیں کہ سب لوگ یہاں سے مال و دولت لے کر اپنے گھر جائیں۔ اور تم لوگ اللہ کے نبی کو لے کر اپنے گھر جاؤ خدا کی قسم! تم لوگ جس چیز کو لے کر اپنے گھر جاؤ گے وہ اس مال و دولت سے بہت بڑھ کر ہے جس کو وہ لوگ لے کر اپنے گھر جائیں گے۔

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ پڑے کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم اس پر راضی ہیں ہم کو صرف اللہ کا رسول چاہیے! اور اکثر انصار کا تو یہ حال ہو گیا کہ وہ روتے روتے بے قرار ہو گئے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ بالکل ہی نومسلم ہیں میں نے ان لوگوں کو جو کچھ دیا ہے یہ ان کے استحقاق کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف ان کے دلوں میں اسلام کی اُلفت پیدا کرنے کی غرض سے دیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ۔

> اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا اور اگر تمام لوگ کسی وادی اور گھاٹی میں چلیں اور انصار کسی دوسری وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۰ و ص ۶۲۱ غزوۂ طائف)

قیدیوں کی رہائی

آپ جب اموالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو قبیلہ بنی سعد کے رئیس زہیر ابوصرد چند معززین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیران جنگ کی رہائی کے بارے میں درخواست پیش کی۔ اس موقع پر زہیر ابوصرد نے ایک بہت مؤثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> اے محمد! (ﷺ) آپ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت حلیمہ کا دودھ پیا ہے۔ آپ نے جن عورتوں کو ان چھپروں میں قید کر رکھا ہے۔ ان میں سے بہت سی آپ کی (رضاعی) پھوپھیاں اور بہت سی آپ کی خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر عرب کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ہمارے خاندان کی کسی عورت کا دودھ پیا ہوتا تو ہم کو اس سے بہت زیادہ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ ہماری توقعات وابستہ ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب قیدیوں کو رہا کر دیجئے۔

زہیر کی تقریر سن کر حضور ﷺ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ نے فرمایا: کہ میں نے آپ لوگوں کا بہت زیادہ انتظار کیا مگر آپ لوگوں نے آنے میں بہت زیادہ دیر لگا دی۔ بہر کیف میرے خاندان والوں کے حصہ میں جس قدر لونڈی غلام آئے ہیں میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ لیکن اب عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے وقت جب مجمع ہو تو آپ لوگ اپنی درخواست سب کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ نماز ظہر کے وقت ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی اور حضور ﷺ نے مجمع کے سامنے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو صرف اپنے خاندان والوں پر اختیار ہے۔ لیکن میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں کہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے یہ سن کر تمام انصار و مہاجرین اور دوسرے تمام مجاہدین نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارا حصہ بھی حاضر ہے آپ ان لوگوں کو بھی آزاد فرما دیں۔ اس طرح دفعۃً چھ ہزار اسیران جنگ کی رہائی ہو گئی۔

(سیرتِ ابن ہشام ج ۴ ص ۴۸۸ و ص ۴۸۹)

بخاری شریف کی روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دس دنوں تک ''ہوازن'' کے وفد کا انتظار فرماتے رہے۔ جب وہ لوگ نہ آئے تو آپ نے مالِ غنیمت اور قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیا اس کے بعد جب ''ہوازن'' کا وفد آیا اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر کے یہ درخواست پیش کی کہ ہمارے مال اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سچی بات ہی پسند ہے۔ لہٰذا سن لو! کہ مال اور قیدی دونوں کو تو میں واپس نہیں کر سکتا ہاں ان دونوں میں سے ایک کو تم اختیار کر لو۔ یا مال لے لو یا قیدی' یہ سن کر وفد نے قیدیوں کو واپس لینا منظور کیا اس کے بعد آپ نے فوج کے سامنے ایک خطبہ پڑھا اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا کہ

اے مسلمانو! یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں اور میری یہ رائے ہے کہ میں ان کے قیدیوں کو واپس کر دوں تو تم میں سے جو خوشی خوشی اس کو منظور کرے وہ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دے اور جو یہ چاہے کہ ان قیدیوں کے بدلے میں دوسرے قیدیوں کو لے کر ان کو واپس کرے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھے جو غنیمت عطا فرمائے گا میں اس میں سے اس کا حصہ دوں گا۔ یہ سن کر ساری فوج نے کہہ دیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم سب نے خوشی خوشی سب قیدیوں کو واپس کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح پتا نہیں چلتا کہ کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی؟ لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے چودھریوں کے ذریعہ مجھے خبر دو۔ چنانچہ ہر قبیلہ کے چودھریوں نے دربارِ رسالت میں آ کر عرض کر دیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے خوش دلی کے ساتھ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دیا ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۴۵ باب من ملک من العرب و بخاری ج ۲ ص ۳۰۹ باب الوکالۃ فی قضاء الدیون و بخاری ج ۲ ص ۶۱۸)

غیب داں رسول

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے وفد سے دریافت فرمایا کہ مالک بن عوف کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ ''ثقیف'' کے ساتھ طائف میں ہے! آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مالک بن عوف کو خبر کر دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آ جائے تو میں اس کا سارا مال اس کو واپس دے دوں گا۔ اس کے علاوہ اس کو ایک سو اونٹ اور بھی دوں گا۔ مالک بن عوف کو جب یہ خبر ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہو گئے اور حضور ﷺ نے ان کا کل مال ان کے سپرد فرما دیا اور وعدہ کے مطابق ایک سو اونٹ اس کے علاوہ بھی عنایت فرمائے۔ مالک بن عوف آپ کے اس خلقِ عظیم سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ لِوَاحِدٍ
فِیْ النَّاسِ کُلِّهِمْ کَمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی فَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ
وَمَتٰی تَشَا یُخْبِرْكَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

یعنی تمام انسانوں میں حضرت محمد ﷺ کا مثل نہ میں نے دیکھا نہ سنا۔ جو سب سے زیادہ وعدہ کو پورا کرنے والے اور سب سے زیادہ مال کثیر عطا فرمانے والے ہیں۔ اور جب تم چاہو ان سے پوچھ لو وہ کل آئندہ کی خبر تم کو بتا دیں گے۔

روایت ہے کہ نعت کے یہ اشعار سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوش ہو گئے اور ان کے لئے کلمات خیر فرماتے ہوئے انہیں بطور انعام ایک حلہ بھی عنایت فرمایا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۴۹۱ و مدارج ج ۲ ص ۳۲۴)

عمرۂ جعرانہ

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے جعرانہ ہی سے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور احرام باندھ کر مکہ تشریف لے گئے۔ اور عمرہ ادا کرنے کے بعد پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے اور ذوالقعدہ سن ۸ ھ کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

سن ۸ ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کی وفات ہو گئی۔

اتفاق سے جس دن ان کی وفات ہوئی سورج گرہن ہوا۔ چونکہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ کسی عظیم الشان انسان کی موت پر سورج گرہن لگتا ہے اس لئے لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا نتیجہ ہے۔ جاہلیت کے اس عقیدہ کو دور فرمانے کے لئے حضور ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

> چاند اور سورج میں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالٰی اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے نماز کسوف جماعت کے ساتھ پڑھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۲ ابواب الکسوف)

۲- اسی سال حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ یہ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں۔ انہوں نے ایک فرزند جس کا نام ''علی'' تھا۔ اور ایک لڑکی جن کا نام ''امامہ'' تھا اپنے بعد چھوڑا حضرت

بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد آپ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پر عمل کیا۔ (مدارج النبوۃ ج۲ص۳۲۵)

۳- اسی سال مدینہ میں غلہ کی گرانی بہت زیادہ بڑھ گئی تو صحابہ کرام نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ غلہ کا بھاؤ مقرر فرما دیں تو حضور ﷺ نے غلہ کی قیمت پر کنٹرول فرمانے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ۔

إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ۔	اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے وہی روزی کو تنگ کرنے والا' کشادہ کرنے والا' روزی رساں ہے۔

(مدارج النبوۃ ج۲ص۳۲۵)

۴- بعض مورخین کے بقول اسی سال مسجد نبوی میں منبر شریف رکھا گیا اس سے قبل حضور ﷺ ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ اور بعض مورخین کا قول ہے کہ منبر سن ۷ھ میں رکھا گیا۔ یہ منبر لکڑی کا بنا ہوا تھا جو ایک انصاری عورت نے بنوا کر مسجد میں رکھوایا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ میں اس منبر کو تبرکاً ملک شام لے جاؤں گا مگر انہوں نے جب اس کو اس کی جگہ سے ہٹایا تو اچانک سارے شہر میں ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور صحابہ کرام سے معذرت خواہ ہوئے اور انہوں نے اس منبر کے نیچے تین سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا۔ جس سے منبر نبوی کی تینوں پرانی سیڑھیاں اوپر ہو گئیں تاکہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین جن سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے اب دوسرا کوئی خطیب ان پر قدم نہ رکھے۔ جب یہ منبر بہت زیادہ پرانا ہو کر انتہائی کمزور ہو گیا تو خلفاء عباسیہ نے بھی اس کی مرمت کرائی۔ (مدارج النبوۃ ج۲ص۳۲۷)

۵- اسی سال قبیلہ عبدالقیس کا وفد حاضر خدمت ہوا حضور ﷺ نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا اور ان لوگوں کے حق میں یوں دعا فرمائی کہ "اے اللہ تو عبدالقیس کو بخش دے" جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو اپنی سواریوں سے کود کر دوڑ پڑے اور حضور ﷺ کے مقدس قدم کو چومنے لگے اور آپ نے ان لوگوں کو منع نہیں فرمایا۔

(مدارج النبوۃ ج۲ص۳۳۰)

چودھواں باب

ہجرت کا نواں سال

(سن ۹ ہجری)

سن ۹ ھ بہت سے واقعاتِ عجیبہ سے لبریز ہے۔ لیکن چند واقعات بہت ہی اہم ہیں جن کو مورخین نے بہت ہی بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہم ان واقعات کو اپنی مختصر کتاب میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ الگ الگ عنوانوں کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں۔

آیت تخییر وایلاء

''تخییر'' اور ''ایلاء'' یہ شریعت کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں شوہر اپنی بیوی کو اپنی طرف سے یہ اختیار دے دے کہ وہ چاہے تو طلاق لے لے اور چاہے تو اپنے شوہر ہی کے نکاح میں رہ جائے اس کو ''تخییر کہتے ہیں۔ اور ''ایلا'' یہ ہے کہ شوہر یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی ازواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کا ''ایلا'' فرمایا یعنی آپ نے یہ قسم کھالی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج مقدسہ سے صحبت نہیں کروں گا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق حاصل کرنے کا اختیار بھی سونپ دیا مگر کسی نے بھی طلاق لینا پسند نہیں کیا۔

حضور ﷺ کی ناراضگی اور عتاب کا سبب کیا تھا اور آپ نے ''تخییر وایلاء'' کیوں فرمایا؟ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی مقدس بیویاں تقریباً سب مالدار اور بڑے گھرانوں کی لڑکیاں تھیں۔ '' حضرت ام حبیبہ'' رضی اللہ عنہا رئیس مکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ''حضرت جویریہ'' رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی المصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ''حضرت صفیہ'' رضی اللہ عنہا بنو نضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی نور نظر تھیں۔ ''حضرت عائشہ'' رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیا بیٹی تھیں۔ ''حضرت حفصہ'' رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی چہیتی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت ''اُمِ سلمہ'' رضی اللہ عنہن بھی خاندانِ قریش کے اونچے اونچے گھروں کی ناز و نعمت

میں پلی ہوئی لڑکیاں تھیں ظاہر ہے کہ یہ امیر زادیاں بچپن سے امیرانہ زندگی اور رئیسانہ ماحول کی عادی تھیں اور ان کا رہن سہن، خورد ونوش، لباس و پوشاک سب کچھ امیر زادیوں کی رئیسانہ زندگی کا آئینہ دار تھا۔ اور تاجدارِ دو عالم ﷺ کی مقدس زندگی بالکل ہی زاہدانہ اور دنیوی تکلفات سے یکسر بیگانہ تھی۔ دو دو مہینے کاشانہ نبوت میں چولھا نہیں جلتا تھا صرف کھجور اور پانی پر پورے گھرانے کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ لباس و پوشاک میں بھی پیغمبرانہ زندگی کی جھلک تھی۔ مکان اور گھر کے ساز و سامان میں بھی نبوت کی سادگی نمایاں تھی۔ حضور ﷺ اپنے سرمایہ کا اکثر و بیشتر حصہ اپنی امت کے غرباء و فقراء پر صرف فرما دیتے تھے اور اپنی ازواجِ مطہرات کو بقدرِ ضرورت ہی خرچ عطا فرماتے تھے جو ان رئیس زادیوں کے حسب خواہ زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے لئے کافی نہیں ہوتا تھا اس لئے کبھی کبھی ان امت کی ماؤں کا پیمانہ صبر و قناعت لبریز ہو کر چھلک جاتا تھا۔ اور وہ حضور ﷺ سے مزید رقموں کا مطالبہ اور تقاضا کرنے لگتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات نے متفقہ طور پر آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے اخراجات میں اضافہ فرمائیں۔ ازواجِ مطہرات کی یہ ادائیں نبوت کے قلب نازک پر بار گزریں اور آپ کے سکونِ خاطر میں اس قدر خلل انداز ہوئیں کہ آپ نے برہم ہو کر یہ قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہرات سے نہ ملیں گے اس طرح ایک ماہ کا آپ نے "ایلا" فرمالیا۔

عجیب اتفاق کہ انہی ایام میں آپ گھوڑے سے اس طرح زمین پر تشریف لائے کہ جس سے آپ کی مبارک پنڈلی میں موچ آ گئی اس تکلیف کی وجہ سے آپ نے بالا خانہ پر گوشہ نشینی اختیار فرمالی اور سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔

صحابۂ کرام نے واقعات کے قرینوں سے یہ قیاس آرائی کر لی کہ آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق دے دی۔ اور یہ خبر جو بالکل ہی غلط تھی بجلی کی طرح پھیل گئی اور تمام صحابہ کرام رنج و غم سے پریشان حال اور اس صدمہ جانکاہ سے نڈھال ہونے لگے۔

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ بخاری شریف کی متعدد روایات میں مفصل طور پر مذکور ہیں۔ ان واقعات کا بیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرا ایک پڑوسی جو انصاری تھا ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ ہم دونوں ایک ایک دن باری باری بارگاہ رسالت میں حاضری

دیا کریں گے۔ اور دن بھر کے واقعات سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں گے۔ ایک دن کچھ رات گزرنے کے بعد میرا پڑوسی انصاری آیا اور زور سے میرا دروازہ پیٹنے اور چلا چلا کر مجھے پکارنے لگا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھولا تو اس نے کہا کہ آج غضب ہو گیا! میں نے اس سے پوچھا کہ کیا غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کر دیا؟ ان دنوں شام کے غسانی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انصاری نے جواب دیا کہ اجی اس سے بھی بڑھ کر حادثہ رونما ہو گیا وہ یہ کہ حضور ﷺ نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس خبر سے بے حد متوحش ہو گیا اور علی الصباح میں نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں نمازِ فجر ادا کی۔ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوتے ہی بالا خانہ پر جا کر تنہا تشریف فرما ہو گئے اور کسی سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ میں مسجد سے نکل کر اپنی بیٹی حفصہ کے گھر گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے پہلے ہی تم کو سمجھا دیا تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تنگ مت کیا کرو اور تمہارے اخراجات میں جو کمی ہوا کرے وہ مجھ سے مانگ لیا کرو مگر تم نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے سبھوں کو طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا میں کچھ نہیں جانتی۔ رسول اللہ ﷺ بالا خانہ پر ہیں آپ ان سے دریافت کریں۔ میں وہاں سے اُٹھ کر مسجد میں آیا تو صحابہ کرام کو بھی دیکھا کہ وہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ وہیں ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا لیکن میری طبیعت میں سکون وقرار نہیں تھا۔ اس لئے میں اُٹھ کر بالا خانہ کے پاس آیا اور پہرہ دار غلام ''رباح'' سے کہا کہ تم میرے لئے اندر آنے کی اجازت طلب کرو۔ رباح نے لوٹ کر جواب دیا کہ میں نے عرض کر دیا لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری اُلجھن اور بے تابی اور زیادہ بڑھ گئی اور میں نے دربان سے دوبارہ اجازت طلب کرنے کی درخواست کی' پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ تو میں نے بلند آواز سے کہا کہ اے رباح! تم میرا نام لے کر اجازت طلب کرو۔ شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہو کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کے لئے کوئی سفارش لے کر آیا ہوں۔ تم عرض کر دو کہ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ مجھے حکم فرمائیں تو میں ابھی ابھی اپنی تلوار سے اپنی بیٹی حفصہ کی گردن اڑا دوں۔ اس کے بعد مجھ کو اجازت مل گئی جب میں بارگاہِ رسالت میں باریاب ہوا تو میری آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ ایک کھردری بان کی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے جسم نازک پر بان کے نشان پڑے ہوئے ہیں'

پھر میں نے نظر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک طرف تھوڑے سے ''جو'' رکھے ہوئے تھے اور ایک طرف ایک کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ تاجدارِ دو عالم ﷺ کے خزانہ کی یہ کائنات دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضور ﷺ نے میرے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) اس سے بڑھ کر رونے کا اور کونسا موقع ہوگا؟ کہ قیصر و کسریٰ خدا کے دشمن تو نعمتوں میں ڈوبے ہوئے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور آپ خدا کے رسولِ معظم ہوتے ہوئے اس حالت میں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت!

اس کے بعد میں نے حضور ﷺ کو مانوس کرنے کے لئے کچھ اور بھی گفتگو کی۔ یہاں تک کہ میری بات سن کر حضور ﷺ کے لب انور پر تبسم کے آثار نمایاں ہو گئے اس وقت میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''نہیں'' مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے میں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ پھر میں نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم) صحابہ کرام مسجد میں غم کے مارے بیٹھے رو رہے ہیں اگر اجازت ہو تو میں جا کر ان لوگوں کو مطلع کر دوں کہ طلاق کی خبر سراسر غلط ہے چنانچہ مجھے اس کی اجازت مل گئی اور میں نے جب آ کر صحابہ کرام کو اس کی خبر دی تو سب لوگ خوش ہو کر ہشاش بشاش ہو گئے اور سب کو سکون و اطمینان حاصل ہو گیا۔

جب ایک مہینہ گزر گیا اور حضور ﷺ کی قسم پوری ہو گئی تو آپ بالا خانہ سے اتر آئے اس کے بعد ہی آیت تخییر نازل ہوئی جو یہ ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (احزاب)

اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی آرائش چاہتی ہو تو میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

ان آیاتِ بینات کا ماحصل اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کو خداوند قدوس نے یہ حکم دیا کہ آپ اپنی مقدس بیویوں کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔ ایک دنیا کی زینت و آرائش دوسری آخرت کی نعمت۔ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو پیغمبر کی زندگی چونکہ بالکل ہی زاہدانہ زندگی ہے اس لئے پیغمبر کے گھر میں تمہیں یہ دنیوی زینت و آرائش تمہاری مرضی کے مطابق نہیں مل سکتی۔ لہٰذا تم سب مجھ سے جدائی حاصل کرلو۔ میں تمہیں رخصتی کا جوڑا پہنا کر اور کچھ مال دے کر رخصت کر دوں گا۔ اور اگر تم خدا اور رسول اور آخرت کی نعمتوں کی طلب گار ہو تو پھر رسول خدا کے دامن رحمت سے چمٹی رہو۔ خدا نے تم نیکو کاروں کے لئے بہت ہی بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے جو تم کو آخرت میں ملے گا۔ (بخاری کتاب الطلاق کتاب العلم کتاب اللباس باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا)

اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضور ﷺ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات رکھتا ہوں مگر تم اس کے جواب میں جلدی مت کرنا اور اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا تخییر کی آیت تلاوت فرما کر ان کو سنائی تو انہوں نے برجستہ عرض کیا کہ یارسول اللہ!

فَفِیْ اَیِّ هٰذَا اَسْتَامِرُ اَبَوَیَّ فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ (بخاری ج۲ ص۷۹۲ باب من خیر نساءہ)	اس معاملہ میں بھلا میں کیا اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اسکے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔

پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام ازواجِ مطہرات سے الگ الگ آیت تخییر سنا سنا کر سب کو اختیار دیا اور سب نے وہی عرض کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا۔

اللہ اکبر! یہ واقعہ اس بات کی آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ ازواجِ مطہرات کو حضور ﷺ کی ذات سے کس قدر عاشقانہ شیفتگی اور والہانہ محبت تھی کہ کئی کئی سوکنوں کی موجودگی اور خانہ نبوت کی سادہ اور زاہدانہ معاشرت اور تنگی ترشی کی زندگی کے باوجود یہ رئیس زادیاں ایک لمحہ کے لئے بھی رسول کے دامن رحمت سے جدائی گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

احادیث کی روایتوں اور تفسیروں میں "ایلاء" آیت "تخییر" اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کا "مظاہرہ" ان واقعات کو عام طور پر الگ الگ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ مختلف زمانوں کے مختلف واقعات ہیں۔ اس سے ایک کم علم و کم فہم اور ظاہر بین انسان کو یہ دھوکہ ہو سکتا ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کے تعلقات خوشگوار نہ تھے اور کبھی "ایلا" کبھی "تخییر" کبھی "مظاہرہ" ہمیشہ ایک نہ ایک جھگڑا ہی رہتا تھا۔ لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ تینوں واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی چند روایات خصوصاً بخاری کتاب النکاح باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جو مفصل روایت ہے اس میں صاف طور پر یہ تصریح ہے کہ حضور ﷺ کا ایلاء کرنا اور ازواجِ مطہرات سے الگ ہو کر بالاخانہ پر تنہا نشینی کر لینا، حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کا مظاہرہ کرنا، آیت تخییر کا نازل ہونا، یہ سب واقعات ایک دوسرے سے منسلک اور جڑے ہوئے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں یہ سب واقع ہوئے ہیں۔

ورنہ حضور ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے خوشگوار تعلقات جس قدر عاشقانہ اُلفت و محبت کے آئینہ دار رہے ہیں قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اور نبوت کی مقدس زندگی کے بے شمار واقعات اس اُلفت و محبت کے تعلقات پر گواہ ہیں۔ جو احادیث و سیرت کی کتابوں میں آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے، اور داستانِ عشق و محبت کے چمنستانوں میں موسم بہار کے پھولوں کی طرح مہکتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ
اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبَدًا الْاٰبِدِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ـ

عاملوں کا تقرر

حضور ﷺ نے سن ۹ ھ محرم کے مہینے میں زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لئے عاملوں اور محصلوں کو مختلف قبائل میں روانہ فرمایا ان امراء و عاملین کی فہرست میں مندرج ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ جن کو ابن سعد نے ذکر فرمایا ہے۔

(۱)	حضرت عیینہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی تمیم	کی طرف
(۲)	حضرت یزید بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	اسلم و غفار	"
(۳)	حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	سلیم و مزینہ	"
(۴)	حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	جہینہ	"
(۵)	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی فزارہ	"
(۶)	حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی کلاب	"
(۷)	حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی کعب	"
(۸)	حضرت ابن اللتبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی ذبیان	"
(۹)	حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	صنعاء	"
(۱۰)	حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	حضرموت	"
(۱۱)	حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	قبیلہ طی و بنی اسعد	"
(۱۲)	حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی حنظلہ	"
(۱۳)	حضرت زبرقان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بنی سعد کے نصف حصہ	"
(۱۴)	حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	"	"
(۱۵)	حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	بحرین	"
(۱۶)	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو	نجران	"

یہ حضور شہنشاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امراء اور عاملین ہیں۔ جن کو آپ نے زکوٰۃ و صدقات و جزیہ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ (اصح السیر ص ۳۳۵)

بنی تمیم کا وفد

محرم سن ۹ ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنی خزاعہ کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے صدقات وصول کر کے جمع کیا کہ ناگہاں ان پر بنی تمیم نے حملہ کر دیا وہ اپنی جان بچا کر کسی طرح مدینہ آ گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی تمیم کی سرکوبی کے لئے حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے بنی تمیم پر ان کے صحرا میں حملہ کر کے ان کے گیارہ مردوں، اکیس عورتوں، اور تیس

لڑکوں کو گرفتار کرلیا اور ان سب قیدیوں کو مدینہ لائے۔ (زرقانی ج۳ ص۴۳)

اس کے بعد بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ آیا۔ جس میں اس قبیلے کے بڑے بڑے سردار تھے۔ اور ان کا رئیس اعظم اقرع بن حابس اور ان کا خطیب ''عطارد'' اور شاعر ''زبرقان بن بدر'' بھی اس وفد میں ساتھ آئے تھے۔ یہ لوگ دندناتے ہوئے کاشانہ نبوت کے پاس پہنچ گئے۔ اور چلانے لگے۔ کہ آپ نے ہماری عورتوں اور بچوں کو کس جرم میں گرفتار کر رکھا ہے اس وقت میں حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں قیلولہ فرما رہے تھے ہر چند حضرت بلال اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو منع کیا کہ تم لوگ کاشانۂ نبوی کے پاس شور نہ مچاؤ نماز ظہر کے لئے خود حضور ﷺ مسجد میں تشریف لانے والے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایک نہ مانے شور مچاتے ہی رہے۔ جب آپ باہر تشریف لاکر مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تو بنی تمیم کا رئیس اعظم اقرع بن حابس بولا کہ۔

> اے محمد! ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم گفتگو کریں کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جس کی مدح کر دیں وہ مزین ہو جاتا ہے اور ہم لوگ جس کی مذمت کر دیں وہ عیب سے داغدار ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو یہ خداوند تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس کی مدح زینت اور اس کی مذمت داغ ہے تم لوگ یہ کہو کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ یہ سن کر بنی تمیم کہنے لگے کہ ہم اپنے خطیب اور اپنے شاعر کو لے کر یہاں آئے ہیں تاکہ ہم اپنے قابل فخر کارناموں کو بیان کریں اور آپ اپنے مفاخر کو پیش کریں۔ آپ نے فرمایا کہ نہ میں شعر و شاعری کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ نہ اس طرح کی مفاخرت کا مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے۔ میں تو خدا کا رسول ہوں اس کے باوجود اگر تم یہی کرنا چاہتے ہو تو میں تیار ہوں یہ سنتے ہی اقرع بن حابس نے اپنے خطیب عطارد کی طرف اشارہ کیا اس نے کھڑے ہو کر اپنے مفاخر اور اپنے آباواجداد کے مناقب پر بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک دھواں دھار خطبہ پڑھا۔ آپ نے انصار کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم فرمایا انہوں نے اٹھ کر برجستہ ایسا فصیح و بلیغ اور مؤثر خطبہ دیا کہ بنی تمیم ان کے زورِ کلام اور مفاخر کی عظمت سن کر دنگ رہ گئے۔ اور ان کا خطیب عطارد بھی ہکا بکا ہو کر شرمندہ ہو گیا۔ پھر بنی تمیم کا شاعر ''زبرقان بن بدر'' اٹھا اور اس نے ایک قصیدہ پڑھا آپ

نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشارہ فرمایا تو انہوں نے فی البدیہہ ایک ایسا مرصع اور فصاحت و بلاغت سے معمور قصیدہ پڑھ دیا کہ بنی تمیم کا شاعر اُلو بن گیا۔ بالآخر اقرع بن حابس کہنے لگا کہ خدا کی قسم! محمد (ﷺ) کو غیب سے ایسی تائید و نصرت حاصل ہوگئی ہے کہ ہر فضل و کمال ان پر ختم ہے بلاشبہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے مطیع و فرمانبردار ہوگئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ پھر ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے ان کے قیدیوں کو رہا فرما دیا اور یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ
الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ
اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ
لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ .(حجرات)

بے شک وہ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۳۲ و زرقانی ج ۳ ص ۴۴)

حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان

ربیع الآخر سن ۹ ھ میں حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک سو پچاس سواروں کو اس لئے بھیجا کہ وہ قبیلہ ''طی'' کے بت خانہ کو گرا دیں ان لوگوں نے شہر قلس میں پہنچ کر بت خانہ کو منہدم کر ڈالا۔ اور کچھ اونٹوں اور بکریوں کو پکڑ کر اور چند عورتوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ لائے۔ ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم بھاگ کر ملک شام چلا گیا۔ حاتم طائی کی لڑکی جب بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی تو اس نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں ''حاتم طائی'' کی لڑکی ہوں میرے باپ کا انتقال ہوگیا اور میرا بھائی ''عدی بن حاتم'' مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا میں ضعیفہ ہوں آپ مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضور ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور سفر کے لئے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس

پہنچی اور اس کو حضور ﷺ کے اخلاقِ نبوت سے آگاہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی بہت زیادہ تعریف کی۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کی زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق عظیم اور عاداتِ کریمہ کے حالات سن کر بے حد متاثر ہوئے اور بغیر کوئی امان طلب کئے ہوئے مدینہ حاضر ہوگئے۔ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں یہ خبر دی کہ عدی بن حاتم آ گیا ہے حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے انتہائی کریمانہ انداز سے عدی بن حاتم کے ہاتھ کو اپنے دستِ رحمت میں لے لیا اور فرمایا کہ اے عدی! تم کس چیز سے بھاگے؟ کیا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے تم بھاگے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ عدی بن حاتم نے کہا کہ نہیں'' پھر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہوگئے ان کے اسلام قبول کرنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے آپ کا چہرۂ انور چمکنے لگا اور آپ نے ان کو خصوصی عنایات سے نوازا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی اپنے باپ حاتم کی طرح بہت ہی سخی تھے۔ حضرت امام احمد ناقل ہیں کہ کسی نے ان سے ایک سو درہم کا سوال کیا تو یہ خفا ہوگئے اور کہا کہ تم نے فقط ایک سو درہم ہی مجھ سے مانگا۔ تم نہیں جانتے کہ میں حاتم کا بیٹا ہوں خدا کی قسم میں تم کو اتنی حقیر رقم نہیں دوں گا۔ یہ بہت ہی شاندار صحابی ہیں خلافت صدیق اکبر میں جب بہت سے قبائل نے اپنی زکوٰۃ روک دی اور بہت سے مرتد ہوگئے۔ یہ اس دور میں بھی پہاڑ کی طرح اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کی زکوٰۃ لا کر بارگاہ خلافت میں پیش کی۔ اور عراق کی فتوحات اور دوسرے اسلامی جہادوں میں مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور ۶۸ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر پا کر وصال فرمایا۔ اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں آپ کی روایت کردہ حدیثیں مذکور ہیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۵۳ و مدارج ج ۲ ص ۳۴۷)

غزوۂ تبوک

''تبوک'' مدینہ اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے چودہ منزل دور ہے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ ''تبوک'' ایک قلعہ کا نام ہے اور بعض کا قول ہے کہ ''تبوک'' ایک چشمہ کا نام ہے۔ ممکن ہے یہ سب باتیں موجود ہوں! یہ غزوہ سخت قحط کے دنوں میں ہوا۔ طویل سفر، ہوا گرم، سواری کم، کھانے پینے کی تکلیف، لشکر کی تعداد بہت زیادہ اس لیے اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی تنگی اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی تنگی اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کو جیش

العسرۃ'' (تنگ دستی کا لشکر) بھی کہتے ہیں۔ اور چونکہ منافقوں کو اس غزوہ میں بڑی شرمندگی اور شرمساری اٹھانی پڑی تھی۔ اس وجہ سے اس کا ایک نام ''غزوہ فاضحہ'' (رسوا کرنے والا غزوہ) بھی ہے۔ اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ اس غزوہ کے لئے حضور ﷺ ماہ رجب ۹ھ جمعرات کے دن روانہ ہوئے۔ (زرقانی ج۳ ص۶۳)

غزوۂ تبوک کا سبب

عرب کا غسانی خاندان جو قیصر روم کے زیر اثر ملک شام پر حکومت کرتا تھا۔ چونکہ وہ عیسائی تھا اس لیے قیصر روم نے اس کو اپنا آلہ کار بنا کر مدینہ پر فوج کشی کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ملک شام کے جو سوداگر روغن زیتون بیچنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ قیصر روم کی حکومت نے ملکِ شام میں بہت بڑی فوج جمع کر دی ہے۔ اور اس فوج میں رومیوں کے علاوہ قبائل لخم و جذام اور غسان کے تمام عرب بھی شامل ہیں۔ ان خبروں کا تمام عرب میں ہر طرف چرچا تھا اور رومیوں کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی اس لیے ان خبروں کو غلط سمجھ کر نظر انداز کر دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔

لیکن جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ اس وقت حجازِ مقدس میں شدید قحط تھا اور بے پناہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی ان وجوہات سے لوگوں کو گھر سے نکلنا شاق گزر رہا تھا۔ مدینہ کے منافقین جن کے نفاق کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ وہ خود بھی فوج میں شامل ہونے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

مگر ان تمام مجاہدین کے لیے سواریوں اور سامان جنگ کا انتظام کرنا ایک بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا۔ کیونکہ لوگ قحط کی وجہ سے انتہائی مفلوک الحال اور پریشان تھے۔ اس لیے حضور ﷺ نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی امداد طلب فرمائی۔ اس طرح اسلام میں کسی کارخیر کے لیے چندہ کرنے کی سنت قائم ہوئی۔

فہرست چندہ دہندگان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال اور گھر کا تمام اثاثہ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی لا کر بارگاہ نبوت میں پیش کر دیئے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا آدھا مال

اس چندہ میں دے دیا۔ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنا نصف مال لے کر بارگاہ اقدس میں چلے تو اپنے دل میں یہ خیال کر کے چلے تھے کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق سے سبقت لے جاؤں گا۔ کیونکہ اس دن کاشانۂ فاروق میں اتفاق سے بہت زیادہ مال تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر! کتنا مال یہاں لائے؟ اور کس قدر گھر پر چھوڑا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آدھا مال حاضر خدمت ہے اور آدھا مال اہل وعیال کے لئے گھر میں چھوڑ دیا ہے۔ اور جب یہی سوال اپنے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ’’اِدَّ اَخَرْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اپنے گھر کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مَا بَيْنَكُمَا مَا بَيْنَ كَلِمَتَيْكُمَا تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلاموں میں فرق ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مجاہدین کی سواری کے لئے اور ایک ہزار اشرفی فوج کے اخراجات کی مد میں اپنی آستین میں بھر کر لائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوش مبارک میں بکھیر دیا۔ آپ نے ان کو قبول فرما کر یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّيْ عَنْهُ رَاضٍ اے اللہ تو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے خوش ہو گیا ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میرے گھر میں اس وقت اسی ہزار درہم تھے آدھا بارگاہ اقدس میں لایا ہوں اور آدھا گھر پر بال بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت دے جو تم لائے اور اس میں بھی برکت عطا فرمائے جو تم نے گھر پر رکھا۔ اس دعا نبوی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مالدار ہو گئے۔

اسی طرح تمام انصار ومہاجرین نے حسب توفیق اس چندہ میں حصہ لیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار اتار کر بارگاہ نبوت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے کئی من کھجوریں دیں اور حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ جو بہت ہی مفلس تھے فقط ایک صاع کھجور لے کر حاضر خدمت ہوئے اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں نے دن بھر پانی بھر بھر کر مزدوری کی تو دو صاع کھجوریں مجھے مزدوری میں ملی ہیں۔ ایک صاع اہل وعیال کو دے دی ہے اور یہ

ایک صاع حاضر خدمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا قلب نازک اپنے ایک مفلس جانثار کے اس نذرانہ خلوص سے بے حد متاثر ہوا اور آپ نے اس کھجور کو تمام مالوں کے اوپر رکھ دیا۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۳۴۵ تا ص۳۴۶)

فوج کی تیاری

رسول اللہ ﷺ کا اب تک یہ طریقہ تھا کہ غزوات کے معاملہ میں بہت زیادہ رازداری کے ساتھ تیاری فرماتے تھے یہاں تک کہ عساکر اسلامیہ کو عین وقت تک یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں اور کس طرف جانا ہے؟ مگر جنگ تبوک کے موقع پر سب کچھ انتظام علانیہ طور پر کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ تبوک چلنا ہے اور قیصر روم کی فوجوں سے جہاد کرنا ہے۔ تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ تیاری کرلیں حضرات صحابہ کرام نے جیسا کہ لکھا جا چکا دل کھول کر چندہ دیا مگر پھر بھی پوری فوج کے لئے سواریوں کا انتظام نہ ہو سکا چنانچہ بہت سے جانباز مسلمان اسی بنا پر اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے کہ ان کے پاس سفر کا سامان نہیں تھا۔ یہ لوگ دربار رسالت میں سواری طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے مگر جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے تو یہ لوگ اپنی بے سروسامانی پر اس طرح بلبلا کر روئے کہ حضور ﷺ کو ان کی آہ وزاری اور بے قراری پر رحم آ گیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ مَا اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ

(سورۃ التوبۃ)

اور نہ ان لوگوں پر کچھ حرج ہے کہ وہ جب (اے رسول) آپ کے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ واپس آ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے۔

تبوک کو روانگی

بہر حال حضور ﷺ تیس ہزار کا لشکر ساتھ لے کر تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ مجھے

عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر خود جہاد کے لئے تشریف لئے جا رہے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ

اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیَّ بَعْدِیْ (بخاری ج۲ ص۶۳۳ غزوۂ تبوک)	کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے

یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی امت بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لئے اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اسی طرح میں تم کو اپنی امت سونپ کر جہاد کے لئے جا رہا ہوں۔

مدینہ سے چل کر مقام "ثنیۃ الوداع" میں آپ نے قیام فرمایا پھر فوج کا جائزہ لیا اور فوج کا مقدمہ، میمنہ، میسرہ وغیرہ مرتب فرمایا پھر وہاں سے کوچ کیا۔ منافقین قسم قسم کے جھوٹے عذر اور بہانے بنا کر رہ گئے اور مخلص مسلمانوں میں سے بھی چند حضرات رہ گئے ان میں یہ حضرات تھے کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع، ابوخیثمہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے ابوخیثمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما تو بعد میں جا کر شریک جہاد ہو گئے لیکن تین اول الذکر نہیں گئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے رہ جانے کا سبب یہ ہوا کہ ان کا گھوڑا بہت ہی کمزور اور تھکا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کو چند دن چارہ کھلایا تا کہ وہ چنگا ہو جائے جب روانہ ہوئے تو وہ پھر راستہ میں تھک گیا۔ مجبوراً وہ اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر چل پڑے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ (زرقانی ج۳ ص۷۱)

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر وہ ایک دن شدید گرمی میں کہیں باہر سے آئے تو ان کی بیوی نے چھپر میں چھڑکاؤ کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر اس سایہ دار اور ٹھنڈی جگہ میں بیٹھے پھر ناگہاں ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آ گیا۔ اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو اپنی چھپر میں ٹھنڈک اور سایہ میں آرام و چین سے بیٹھا رہوں اور خدا کے مقدس رسول اس دھوپ کی تمازت اور شدید لو کے تھپیڑوں میں سفر کرتے ہوئے جہاد کے لئے تشریف لے جا رہے ہوں۔ ایک دم ان پر ایسی ایمانی غیرت سوار ہو گئی کہ توشہ کے لئے کھجور لے کر ایک اونٹ پر سوار ہو گئے اور تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے

روانہ ہو گئے۔ لشکر والوں نے دور سے ایک شتر سوار کو دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوخیثمہ ہوں گے اسی طرح یہ بھی لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔ (زرقانی ج۳ ص۷۱)

راستے میں قوم عاد و ثمود کی وہ بستیاں ملیں جو قہر الٰہی کے عذابوں سے الٹ پلٹ کر دی گئی تھیں۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے اس لئے کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے بلکہ نہایت تیزی کے ساتھ سب لوگ یہاں سے سفر کر کے ان عذاب کی وادیوں سے جلد باہر نکل جائیں اور کوئی یہاں کا پانی نہ پئے اور نہ کسی کام میں لائے۔

اس غزوہ میں پانی کی قلت، شدید گرمی، سواریوں کی کمی سے مجاہدین نے بے حد تکلیف اٹھائی مگر منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

راستے کے چند معجزات

حضور ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سب سے الگ الگ چل رہے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ سب سے الگ ہی چلیں گے اور الگ ہی زندگی گزاریں گے، اور الگ ہی وفات پائیں گے۔ چنانچہ ٹھیک ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو حکم دے دیا کہ آپ ''ربذہ'' میں رہیں آپ ربذہ میں اپنی بیوی اور غلام کے ساتھ رہنے لگے۔ جب وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستہ میں رکھ دینا۔ جب شتر سواروں کا پہلا گروہ میرے جنازہ کے پاس سے گزرے تو تم لوگ اس سے کہنا کہ یہ ابوذر غفاری کا جنازہ ہے ان پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ خدا کی شان کہ سب سے پہلا جو قافلہ گزرا اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے جب یہ سنا کہ یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے۔ تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا اور قافلہ کو روک کر اتر پڑے اور کہا کہ بالکل سچ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے کہ۔

''اے ابوذر! تو تنہا چلے گا، تنہا مرے گا، تنہا قبر سے اُٹھے گا۔''

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قافلہ والوں نے ان کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ (سیرت ابن ہشام ج۴ ص۵۲۴ و زرقانی ج۳ ص۷۴)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی بیوی کے پاس کفن کے لئے کپڑا نہیں تھا تو آنے والے لوگوں میں سے ایک انصاری نے کفن کے لئے کپڑا دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہوا اڑا لے گئی

جب اسلامی لشکر مقام ''حجر'' میں پہنچا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اکیلا لشکر سے باہر کہیں دور نہ چلا جائے۔ پورے لشکر نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی مگر قبیلہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے آپ کے حکم کو نہیں مانا۔ ایک شخص اکیلا ہی رفع حاجت کے لئے لشکر سے دور چلا گیا وہ بیٹھا ہی تھا کہ دفعۃً کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ اسی جگہ مر گیا۔ اور دوسرا شخص اپنا اونٹ پکڑنے کے لئے اکیلا ہی لشکر سے کچھ دور چلا گیا تو ناگہاں ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس کو اڑا کر قبیلہ ''طی'' کے دونوں پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا اور وہ ہلاک ہو گیا آپ نے ان دونوں کا انجام سن کر فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کر دیا تھا؟

(زُرقانی ج۳ ص۷۳)

گمشدہ اونٹنی کہاں ہے؟

ایک منزل پر حضور ﷺ کی اونٹنی کہیں چلی گئی۔ اور لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے۔ تو ایک منافق جس کا نام ''زید بن لصیت'' تھا کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں، اور میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ مگر ان کو یہ پتا ہی نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بتا دینے سے میں خوب جانتا ہوں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں اس کی مہار کی رسی اُلجھ گئی ہے۔ تم لوگ جاؤ اور اس اونٹنی کو میرے پاس لے کر آ جاؤ۔ جب لوگ اس جگہ گئے تو ٹھیک ایسا ہی دیکھا کہ اسی گھاٹی میں وہ اونٹنی کھڑی ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں الجھی ہوئی ہے۔ (زُرقانی ج۳ ص۷۵)

تبوک کا چشمہ

جب حضور ﷺ تبوک کے قریب میں پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ کل تم

لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے۔ اور سورج بلند ہونے کے بعد پہنچو گے لیکن کوئی شخص وہاں پہنچے تو پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ رسول اللہ ﷺ جب وہاں پہنچے تو جوتے کے تسمے کے برابر اس میں ایک پانی کی دھار بہہ رہی تھی۔ آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی منگا کر ہاتھ منہ دھویا اور اس پانی میں کلی فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اس پانی کو چشمہ میں انڈیل دو۔ لوگوں نے جب اس پانی کو چشمہ میں ڈالا تو چشمہ سے زوردار پانی کی موٹی دھار بہنے لگی اور تیس ہزار کا لشکر اور تمام جانور اس چشمہ کے پانی سے سیراب ہو گئے۔ (زرقانی ج۳ ص۷۶)

رومی لشکر ڈر گیا

حضورِ اقدس ﷺ نے تبوک میں پہنچ کر لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا مگر دور دور تک رومی لشکروں کا کوئی پتا نہیں چلا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب رومیوں کے جاسوسوں نے قیصر کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک میں آ رہے ہیں۔ تو رومیوں کے دلوں پر اس قدر ہیبت چھا گئی کہ وہ جنگ سے ہمت ہار گئے اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکل سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں افواج الٰہی کا جلال دکھا کر، اور کفار کے دلوں پر اسلام کا رعب بٹھا کر، مدینہ واپس تشریف لائے اور تبوک میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

اسی سفر میں ''ایلہ'' کا سردار جس کا نام ''یوحنا'' تھا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اور ایک سفید خچر بھی دربار رسالت میں نذر کیا جس کے صلہ میں تاجدارِ دو عالم ﷺ نے اس کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی اور اس کو ایک دستاویز تحریر فرما کر عطا فرمائی کہ وہ اپنے گرد و پیش کے سمندر سے ہر قسم کے فوائد حاصل کرتا رہے۔

(بخاری ج۱ ص۴۴۸)

اسی طرح ''جرباء'' اور ''اذرح'' کے عیسائیوں نے بھی حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک سو بیس سواروں کے ساتھ ''دومۃ الجندل'' کے بادشاہ ''اکیدر بن عبدالملک'' کی طرف روانہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ رات میں نیل گائے کا شکار کر رہا ہو گا تم اس کے پاس پہنچو تو اس کو قتل مت کرنا بلکہ اس کو زندہ گرفتار کر کے میرے پاس لانا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چاندنی

رات میں اکیدر اور اس کے بھائی حسان کو شکار کرتے ہوئے پالیا۔ حسان نے چونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ شروع کر دی۔ اس لئے آپ نے اس کو قتل کر دیا مگر اکیدر کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر اس کو رہا کیا کہ وہ مدینہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر صلح کرے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا اور حضور ﷺ نے اس کو امان دی۔ (زرقانی ج ۳ ص ۷۷ و ص ۷۸)

اس غزوہ میں جو لوگ غیر حاضر رہے ان میں اکثر منافقین تھے۔ جب حضور ﷺ تبوک سے مدینہ واپس آئے اور مسجد نبوی میں نزولِ اجلال فرمایا تو منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنا اپنا عذر بیان کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے کسی سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن تین مخلص صحابیوں حضرت کعب بن مالک و ہلال بن امیہ و مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پچاس دنوں تک آپ نے بائیکاٹ فرما دیا۔ پھر ان تینوں کی توبہ قبول ہوئی۔ اور ان لوگوں کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی (اس کا مفصل ایک وعظ ہم نے اپنی کتاب ”عرفانی تقریریں“ میں لکھ دیا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ تا ص ۶۳۷ حدیث کعب بن مالک)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کے قریب پہنچے اور اُحد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا کہ۔

هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ
یہ اُحد ہے یہ ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں

جب آپ نے مدینہ کی سرزمین میں قدم رکھا تو عورتیں، بچے اور لونڈی غلام سب استقبال کے لئے نکل پڑے اور استقبالیہ نظمیں پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ مسجد نبوی تک آئے۔ جب آپ مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر تشریف فرما ہو گئے۔ تو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اور اہل مدینہ نے بخیر و عافیت اس دشوار گزار سفر سے آپ کی تشریف آوری پر انتہائی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ اور ان منافقین کے بارے میں جو جھوٹے بہانے بنا کر اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور بارگاہ نبوت میں قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کر رہے تھے قہر و غضب میں بھری ہوئی قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔

ذوالبجادین کی قبر

غزوۂ تبوک میں بجز ایک حضرت ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہ کسی صحابی کی شہادت ہوئی نہ وفات، حضرت ذوالبجادین کون تھے؟ اور ان کی وفات اور دفن کا کیسا منظر تھا؟ یہ ایک بہت

ہی ذوق آفریں اور لذیذ حکایت ہے یہ قبیلہ مزینہ کے ایک یتیم تھے اور اپنے چچا کی پرورش میں تھے۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے اور اسلام کا چرچا سنا تو ان کے دل میں بت پرستی سے نفرت اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ مگر ان کا چچا بہت ہی کٹر کافر تھا۔ اس کے خوف سے یہ اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے اپنے چچا کو ترغیب دی کہ تم بھی دامن اسلام میں آ جاؤ۔ کیونکہ میں قبول اسلام کے لئے بہت ہی بے قرار ہو۔ یہ سن کر ان کے چچا نے ان کو برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا یہ اپنی والدہ سے ایک کمبل مانگ کر اس کو دو ٹکڑے کر کے آدھے کو تہبند اور آدھے کو چادر بنا لیا اور اسی لباس میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ رات بھر مسجد نبوی میں ٹھہرے رہے۔ نماز فجر کے وقت جب جمال محمدی کے انوار سے ان کی آنکھیں منور ہوئیں تو کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنا نام عبدالعزیٰ بتا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ حضور ﷺ ان پر بہت کرم فرماتے تھے اور یہ مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کی جماعت کے ساتھ رہنے لگے اور نہایت بلند آواز سے ذوق و شوق کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو یہ بھی مجاہدین میں شامل ہو کر چل پڑے اور بڑے ہی ذوق و شوق اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ درخواست کی کہ یارسول اللہ! صلی علیک وسلم دعا فرمایئے کہ مجھے خدا کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے آپ نے فرمایا کہ تم کسی درخت کی چھال لاؤ۔ وہ تھوڑی سی ببول کی چھال لائے آپ نے ان کے بازو پر وہ چھال باندھ دی اور دعا کی کہ اے اللہ! (میں نے اس کے خون کو کفار پر حرام کر دیا انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا مقصد تو شہادت ہی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب تم جہاد کے لئے نکلے ہو تو اگر بخار میں بھی مرو گے جب بھی تم شہید ہی ہو گے۔ خدا کی شان کہ جب حضرت ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبوک میں پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو گئے اور اسی بخار میں ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے دفن کا عجیب منظر تھا۔ کہ حضرت بلال مؤذن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ میں چراغ لئے ان کی قبر کے پاس کھڑے تھے اور خود بہ نفس نفیس حضور اکرم ﷺ ان کی قبر میں اترے اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کو حکم دیا کہ تم دونوں اپنے اسلامی بھائی کی لاش کو اٹھاؤ۔ پھر آپ نے ان کو اپنے دست مبارک سے لحد میں سلایا اور خود ہی قبر کی کچی اینٹوں سے بند فرمایا اور پھر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! میں ذوالبجادین سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ذوالبجادین کے دفن کا یہ منظر دیکھا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا کہ کاش ذوالبجادین کی جگہ یہ میری میت ہوتی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۰ و ص ۳۵۱)

مسجد ضرار

منافقوں نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے مسجد قباء کے مقابلہ میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ جو درحقیقت منافقین کی سازشوں اور ان کی دسیسہ کاریوں کا ایک زبردست اڈہ تھا۔ ابوعامر راہب جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا جس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعامر فاسق رکھا تھا اس نے منافقین سے کہا کہ تم لوگ خفیہ طریقے پر جنگ کی تیاریاں کرتے رہو۔ میں قیصر روم کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں تاکہ اس ملک سے اسلام کا نام ونشان مٹا دوں۔ چنانچہ اسی مسجد میں بیٹھ بیٹھ کر اسلام کے خلاف منافقین کمیٹیاں کرتے تھے اور اسلام و بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دینے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو مکار منافقوں کا ایک گروہ آیا اور محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے بارگاہ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے آپ چل کر ایک مرتبہ اس مسجد میں نماز پڑھا دیں تاکہ ہماری یہ مسجد خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس وقت تو میں جہاد کے لئے گھر سے نکل چکا ہوں لہٰذا اس وقت تو مجھے اتنا موقع نہیں ہے۔ منافقین نے کافی اصرار کیا مگر آپ نے ان کی اس مسجد میں قدم نہیں رکھا۔ جب آپ جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین کی چالبازیوں اور ان کی مکاریوں، دغابازیوں کے بارے میں "سورۃ توبہ" کی بہت سی آیات نازل ہو گئیں اور منافقین کے نفاق اور ان کی اسلام دشمنی کے تمام رموز واسرار بے نقاب ہو کر نظروں کے سامنے آ گئے۔ اور ان کی اس مسجد کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا ۢ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی ط وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ O لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (توبہ ۱۰۸)

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے اور اس مقصد سے کہ جو لوگ پہلے ہی سے خدا اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں ان کیلئے ایک کمین گاہ ہاتھ آ جائے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے اور خدا گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں آپ کبھی بھی اس مسجد میں نہ کھڑے ہوں۔ وہ مسجد (مسجد قبا) جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیز گاری پر رکھی ہوئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاکی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (الایہ)

اس آیت کے نازل ہو جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حضرت مالک بن دخشم و حضرت معن بن عدی رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حکم دیا کہ اس مسجد کو منہدم کر کے اس میں آگ لگا دیں۔

(زرقانی ج۳ ص۸۰)

صدیق اکبر امیر الحج

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالقعدہ سن ۹ ھ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ’’امیر الحج‘‘ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ’’نقیب اسلام‘‘ اور حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت جابر بن عبداللہ و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو معلم بنا دیا۔ اور اپنی طرف سے قربانی کے لئے بیس اونٹ بھی بھیجے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حرم کعبہ اور عرفات و منیٰ میں خطبہ پڑھا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کھڑے ہوئے اور ’’سورۂ براۃ‘‘ کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا نہ کوئی برہنہ بدن اور ننگا ہو کر

طواف کر سکے گا اور چار مہینے کے بعد کفار و مشرکین کے لئے امان ختم کر دی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس اعلان کی اس قدر زور زور سے منادی کی کہ ان لوگوں کا گلا بیٹھ گیا۔ اس اعلان کے بعد کفار و مشرکین فوج کی فوج آ کر مسلمان ہونے لگے۔ (طبری ج ۲ ص ۱۷۲۱/ زرقانی ج ۳ ص ۹۰ تا ۹۳)

سن ۹ ھ کے واقعات متفرقہ

۱- اس سال پورے ملک میں ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا ہو گئی اور زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عاملین اور محصلوں کا تقرر ہوا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۱۰۰)

۲- جو غیر مسلم قومیں اسلامی سلطنت کے زیر سایہ رہیں ان کے لئے جزیہ کا حکم نازل ہوا اور قرآن کی یہ آیت اتری کہ۔

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ۔	وہ چھوٹے بن کر ''جزیہ'' ادا کریں۔ (توبہ)

۳- سود کی حرمت نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۱۰ ھ میں ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر اپنے خطبوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا خوب خوب اعلان فرمایا۔

(بخاری و مسلم باب تحریم الخمر)

۴- حبشہ کا بادشاہ جن کا نام حضرت اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ جن کے زیر سایہ مسلمان مہاجرین نے چند سال حبشہ میں پناہ لی تھی، ان کی وفات ہو گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔

۵- اسی سال منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی مر گیا اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر ان کی دلجوئی کے واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس منافق کے کفن کے لئے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ اور اس کی لاش کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھ کر اس کے کفن میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار منع کرنے کے باوجود چونکہ ابھی تک ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہو گئی کہ۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی	(اے رسول) ان (منافقوں) میں سے جو مریں کبھی آپ ان پر نماز جنازہ نہ پڑھیے اور ان کی قبر کے پاس

قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ   آپ کھڑے بھی نہ ہوں یقیناً ان لوگوں نے اللہ
وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ   اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کفر کی حالت
فٰسِقُوْنَ ۔ (توبہ)   میں یہ لوگ مرے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد پھر کبھی آپ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی نہ اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے۔ (بخاری ج۱ ص۱۶۹ و ص۱۸۰ و زرقانی ج۳ ص۹۵ و ص۹۶)

وفود العرب

حضور اقدس ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے تمام اطراف و اکناف میں مبلغین اسلام اور عالمین و مجاہدین کو بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل تو مبلغین کے سامنے ہی دعوتِ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے تھے مگر بعض قبائل اس بات کے خواہش مند ہوتے تھے کہ براہِ راست خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندہ بن کر مدینہ منورہ آتے تھے اور خود بانی اسلام ﷺ کی زبانِ فیض ترجمان سے دعوتِ اسلام کا پیغام سن کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور پھر اپنے قبیلوں میں واپس جا کر پورے قبیلہ والوں کو مشرف بہ اسلام کرتے تھے۔ انہی قبائل کے نمائندوں کو ہم ''وفود العرب'' کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

اس قسم کے وفود اور نمائندگانِ قبائل مختلف زمانوں میں مدینہ منورہ آتے رہے مگر فتح مکہ کے بعد ناگہاں سارے عرب کے خیالات میں ایک عظیم تغیر واقع ہو گیا اور سب لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ اسلام کی حقانیت واضح اور ظاہر ہو جانے کے باوجود بہت سے قبائل محض قریش کے دباؤ اور اہل مکہ کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ فتح مکہ نے اس رکاوٹ کو بھی دور کر دیا اور اب دعوتِ اسلام اور قرآن کے مقدس پیغام نے گھر گھر پہنچ کر اپنی حقانیت اور اعجازی تصرفات سے سب کے قبول پر سکہ بٹھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو ایک لحہ کے لئے اسلام کا نام سننا اور مسلمانوں کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے آج پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور جوق در جوق بلکہ فوج در فوج حضور ﷺ کی خدمت میں دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے وفود کی شکل میں آنے لگے اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بننے لگے۔ چونکہ اس قسم کے وفود اکثر و بیشتر فتح مکہ کے بعد سن ۹ ہجری میں مدینہ منورہ آئے اس لئے سن ۹ ہجری کو لوگ ''سنۃ الوفود''

(نمائندہ کا سال) کہنے لگے۔

اس قسم کے وفود کی تعداد میں مصنفین سیرت کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ان وفود کی تعداد ساٹھ سے زیادہ بتائی ہے۔

(مدارج ج ۲ ص ۳۵۸)

اور علامہ قسطلانی و حافظ ابن قیم نے اس قسم کے چودہ وفدوں کا تذکرہ کیا ہے ہم بھی اپنی اس مختصر کتاب میں چند وفود کا تذکرہ کرتے ہیں۔

استقبالِ وفود

حضور سید عالم ﷺ قبائل سے آنے والے وفدوں کے استقبال اور ان کی ملاقات کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ہر وفد کے آنے پر آپ نہایت ہی عمدہ پوشاک زیب تن فرما کر کاشانہ اقدس سے نکلتے اور اپنے خصوصی اصحاب کو بھی حکم دیتے تھے کہ بہترین لباس پہن کر آئیں۔ پھر ان مہمانوں کو اچھے سے اچھے مکانوں میں ٹھہراتے اور ان لوگوں کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات کا خاص خیال فرماتے تھے اور ان مہمانوں سے ملاقات کے لئے مسجد نبوی میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر نشست فرماتے پھر ہر ایک وفد سے نہایت ہی خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ اور ان کی حاجتوں اور حالتوں کو پوری توجہ کے ساتھ سنتے اور پھر ان کو ضروری عقائد و احکامِ اسلام کی تعلیم و تلقین بھی فرماتے۔ اور ہر وفد کو ان کے درجات و مراتب کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ نقد یا سامان بھی تحائف اور انعامات کے طور پر عطا فرماتے۔

وفد ثقیف

جب حضور ﷺ جنگِ حنین کے بعد طائف سے واپس تشریف لائے اور ''جعرانہ'' سے عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستے ہی میں قبیلہ ثقیف کے سردار اعظم ''عروہ بن مسعود ثقفی'' بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر برضا و رغبت دامن اسلام میں آ گئے۔ یہ بہت ہی شاندار اور باوفا آدمی تھے اور ان کا کچھ تذکرہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم تحریر کر چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں اب اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپ نے اجازت دے دی اور یہ وہیں سے لوٹ کر اپنے قبیلہ میں گئے اور اپنے

مکان کی چھت پر چڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس اعلانیہ دعوت اسلام کو سن کر قبیلہ ثقیف کے لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اس قدر طیش میں آ گئے کہ چاروں طرف سے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے۔ قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ان کو قتل تو کر دیا لیکن پھر یہ سوچا کہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کر چکے ہیں اب ہم بھلا اسلام کے خلاف کب تک؟ اور کتنے لوگوں سے لڑتے رہیں گے؟ پھر مسلمانوں کے انتقام اور ایک لمبی جنگ کے انجام کو سوچ کر دن میں تارے نظر آنے لگے۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنے ایک معزز رئیس عبدیالیل بن عمرو کو چند ممتاز سرداروں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد نے مدینہ پہنچ کر بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ ہم اس شرط پر اسلام قبول کرتے ہیں کہ تین سال تک ہمارے بت ''لات'' کو توڑا نہ جائے آپ نے اس شرط کو قبول فرمانے سے صاف انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اسلام کسی حال میں بھی بت پرستی کو ایک لحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا بت تو ضرور توڑا جائے گا یہ اور بات ہے کہ تم لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑو بلکہ میں حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو بھیج دوں گا، وہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس قوم کے ایک معزز اور ممتاز فرد تھے اس قبیلے کا امیر مقرر فرما دیا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو طائف بھیجا اور ان دونوں حضرات نے ان کے بت ''لات'' کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۶)

وفد کندہ

یہ لوگ یمن کے اطراف میں رہتے تھے اس قبیلے کے ساٹھ یا اسی سوار بڑے ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ مدینہ آئے۔ خوب بالوں میں کنگھی کئے ہوئے اور ریشمی گونٹ کے جبے پہنے ہوئے ہتھیاروں سے سجے ہوئے مدینہ کی آبادی میں داخل ہوئے۔ جب یہ لوگ دربار رسالت میں باریاب ہوئے تو آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے یہ ریشمی لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ یہ سنتے ہی ان لوگوں نے اپنے جبوں کو بدن سے اتار دیا اور ریشمی گونٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر جبوں سے الگ کر دیا۔ (مدارج ج ۲ ص ۳۶۶)

وفد بنی اشعر

یہ لوگ یمن کے باشندے اور ''قبیلہ اشعر'' کے معزز اور نامور حضرات تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے تو جوشِ محبت اور فرطِ عقیدت سے رجز کا یہ شعر آواز ملا کر پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے کہ

غَدًا نَلْقَی الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَّ صَحْبَهْ

کل ہم لوگ اپنے محبوبوں سے یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یمن والے آ گئے۔ یہ لوگ بہت ہی نرم دل ہیں ایمان تو یمنیوں کا ایمان ہے اور حکمت بھی یمنیوں میں ہے۔ بکری پالنے والوں میں سکون و وقار ہے اور اونٹ پالنے والوں میں فخر اور گھمنڈ ہے۔ چنانچہ اس ارشاد نبوی کی برکت سے اہل یمن علم و صفائی قلب اور حکمت و معرفت الٰہی کی دولتوں سے ہمیشہ مالا مال رہے۔ خاص کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ یہ نہایت ہی خوش آواز تھے اور قرآن شریف ایسی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ صحابہ کرام میں ان کا کوئی ہم مثل نہ تھا۔ عقائد میں اہل سنت کے امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ انہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۷)

وفد بنی اسد

اس قبیلے کے چند اشخاص بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور نہایت ہی خوش دلی کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ لیکن پھر احسان جتانے کے طور پر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اتنے سخت قحط کے زمانے میں ہم لوگ بہت ہی دور دراز مسافت طے کر کے یہاں آئے ہیں۔ راستے میں ہم لوگوں کو کہیں شکم سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوا اور بغیر اس کے کہ آپ کا لشکر ہم پر حملہ آور ہوا ہو ہم لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا ہے ان لوگوں کے اس احسان جتانے پر خداوند قدوس نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا	اے محبوب! یہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم
تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ	مسلمان ہوئے آپ فرما دیجئے کہ اپنے
عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ	اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر

صٰدِقِیْنَ   احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی
(حجرات)   ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

وفد فزارہ

یہ لوگ عینیہ بن حصن فزاری کی قوم کے لوگ تھے۔ بیس آدمی دربار اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا' اور بتایا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے دیار میں اتنا سخت قحط اور کال پڑ گیا ہے کہ اب فقر و فاقہ کی مصیبت ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو چکی ہے لہٰذا اب بارش کے لئے دعا فرمائیے۔ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن منبر پر دعا فرما دی اور فوراً ہی بارش ہونے لگی اور لگاتار ایک ہفتہ تک موسلا دھار بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دوسرے جمعہ کو جب کہ آپ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم چوپائے ہلاک ہونے لگے اور بال بچے بھوک سے بلکنے لگے اور تمام راستے منقطع ہو گئے لہٰذا دعا فرما دیجئے کہ یہ بارش پہاڑوں پر برسے اور کھیتوں بستیوں پر نہ برسے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرما دی تو بادل شہر مدینہ اور اس کے اطراف سے کٹ گیا اور آٹھ دن کے بعد مدینہ میں سورج نظر آیا۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۳۵۹)

وفد بنی مرہ

اس وفد میں بنی مرہ کے تیرہ آدمی مدینہ آئے تھے۔ انکا سردار حارث بن عوف بھی اس وفد میں شامل تھا۔ ان سب لوگوں نے بارگاہ اقدس میں اسلام قبول کیا اور قحط کی شکایت اور باران رحمت کی دعا کے لئے درخواست پیش کی۔ حضور ﷺ نے ان لفظوں کے ساتھ دعا مانگی کہ ''اَللّٰھُمَّ اسْقِھِمُ الْغَیْثَ (اے اللہ! ان لوگوں کو بارش سے سیراب فرما دے۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص کو ایک ایک اوقیہ چاندی اور چار چار سو درہم انعام اور تحفہ کے طور پر عطا کریں۔ اور آپ نے ان کے سردار حضرت حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی کا شاہانہ عطیہ مرحمت فرمایا۔

جب یہ لوگ مدینہ سے اپنے وطن پہنچے تو پتا چلا کہ ٹھیک اسی وقت ان کے شہروں میں بارش ہوئی تھی جس وقت سرکار دو عالم ﷺ نے ان لوگوں کی درخواست پر مدینہ میں بارش کے لئے دعا مانگی تھی۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۳۶۰)

وفد بنی البکاء

اس وفد کے ساتھ حضرت معاویہ بن ثور بن عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آئے تھے جو ایک سو برس کی عمر کے بوڑھے تھے۔ ان سب حضرات نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا پھر حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا اور یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ میرے اس بچے کے سر پر اپنا دست مبارک پھرا دیں۔ ان کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے فرزند کے سر پر اپنا مقدس ہاتھ پھرا دیا اور ان کو چند بکریاں بھی عطا فرمائیں اور وفد والوں کے لئے خیر و برکت کی دعا فرما دی۔ اس دعا نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ان لوگوں کے دیار میں جب بھی قحط اور فقر و فاقہ کی بلا آئی تو اس قوم کے گھر ہمیشہ قحط اور بھکری کی مصیبتوں سے محفوظ رہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۰)

وفد بنی کنانہ

اس وفد کے امیر کارواں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ سب لوگ دربار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نہایت ہی عقیدت مندی کے ساتھ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت اسلام کر کے جب اپنے وطن میں پہنچے تو ان کے باپ نے ان سے ناراض و بیزار ہو کر کہہ دیا کہ میں خدا کی قسم! تجھ سے کبھی کوئی بات نہ کروں گا۔ لیکن ان کی بہن نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا یہ اپنے باپ کی حرکت سے رنجیدہ اور دل شکستہ ہو کر پھر مدینہ منورہ چلے آئے اور جنگ تبوک میں شریک ہوئے۔ اور پھر اصحاب صفہ کی جماعت میں شامل ہو کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ بصرہ چلے گئے پھر آخر عمر میں شام گئے اور سن ۸۵ھ میں شہر دمشق کے اندر وفات پائی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۰)

وفد بنی ہلال

اس وفد کے لوگوں نے بھی دربار نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس وفد میں حضرت زیاد بن عبداللہ بھی تھے یہ مسلمان ہو کر دندناتے ہوئے حضرت ام المومنین بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے کیونکہ وہ ان کی خالہ تھیں۔

یہ اطمینان کے ساتھ اپنی خالہ کے پاس بیٹھے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے جب رسول

خدا ﷺ مکان میں تشریف لائے اور یہ پتا چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمّ المومنین کے بھانجے ہیں تو آپ نے از راہِ شفقت ان کے سر اور چہرہ پر اپنا نورانی ہاتھ پھرا دیا اس دستِ مبارک کی نورانیت سے حضرت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ اقدس اس قدر پر نور ہو گیا کہ قبیلہ بنی ہلال کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم لوگ حضرت زیاد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ پر ہمیشہ ایک نور اور برکت کا اثر دیکھتے رہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۰)

وفد ضمام بن ثعلبہ

یہ قبیلہ سعد بن بکر کے نمائندہ بن کر بارگاہ رسالت میں آئے۔ یہ بہت ہی خوبصورت سرخ و سفید رنگ کے گیسو دراز آدمی تھے۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر اپنے اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا پھر لوگوں سے پوچھا کہ محمد ﷺ کون ہیں؟ لوگوں نے دور سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گورے رنگ کے خوبصورت آدمی جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں وہی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے آئے اور کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند! میں آپ سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا اور میں اپنے سوال میں بہت زیادہ مبالغہ اور سختی برتوں گا آپ اس سے مجھ پر خفا نہ ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم جو چاہو پوچھ لو۔ پھر حسبِ ذیل مکالمہ ہوا۔

ضمام بن ثعلبہ	میں آپ کو اس خدا کی قسم دے کر جو آپ کا اور تمام انسانوں کا پروردگار ہے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو ہماری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟
نبی ﷺ	''ہاں''
ضمام بن ثعلبہ	میں آپ کو خدا کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو اللہ نے ہم لوگوں پر فرض کیا ہے؟
نبی ﷺ	''ہاں''
ضمام بن ثعلبہ	آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں۔ میری قوم نے مجھے اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کے دین کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی قوم بنی سعد بن بکر تک اسلام کا پیغام پہنچا دوں۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر اپنے وطن میں پہنچے اور ساری قوم کو جمع کر کے سب سے پہلے اپنی قوم کے تمام بتوں یعنی ''لات وعزیٰ'' اور ''منات وہبل'' کو برا بھلا کہنے لگے اور خوب خوب ان بتوں کو توہین کرنے لگے۔ ان کی قوم نے جو اپنے بتوں کی توہین سنی تو ایک دم سب چونک پڑے اور کہنے لگے کہ اے ثعلبہ کے بیٹے تو کیا کہہ رہا ہے؟ خاموش ہو جا ورنہ ہم کو یہ ڈر ہے کہ ہمارے یہ دیوتا تجھ کو برص اور کوڑھا اور جنون میں مبتلا کر دیں گے۔ آپ یہ سن کر طیش میں آ گئے اور تڑپ کر فرمایا کہ اے بے عقل انسانو! یہ پتھر کے بت بھلا ہم کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں؟ سنو! اللہ تعالیٰ جو ہر نفع ونقصان کا مالک ہے اس نے اپنا ایک رسول بھیجا ہے اور ایک کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ تم انسانوں کو اس گمراہی اور جہالت سے نجات عطا فرمائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام کا پیغام تم لوگوں کے پاس لایا ہوں' پھر انہوں نے اعمال اسلام یعنی نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسلام کی حقانیت پر ایسی پرجوش اور مؤثر تقریر فرمائی کہ رات بھر میں قبیلے کے تمام مرد وعورت مسلمان ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے بتوں کو توڑ پھوڑ کر پاش پاش کر ڈالا اور اپنے قبیلہ میں ایک مسجد بنالی اور نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ کے پابند ہو کر صادق الایمان مسلمان بن گئے۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۳۶۴)

وفد بلی

یہ لوگ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ جو پہلے ہی سے مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس وفد کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ لوگ میری قوم کے افراد ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اور تمہاری قوم کو ''خوش آمدید'' کہتا ہوں۔ پھر حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ سب لوگ اسلام کا اقرار کرتے ہیں' اور اپنی پوری قوم کے مسلمان ہونے کی ذمہ داری لیتے ہیں' آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔

اس وفد میں ایک بہت ہی بوڑھا آدمی بھی تھا۔ جس کا نام ''ابو الضبیب'' تھا اس نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مجھے مہمانوں کی

مہمان نوازی کا بہت زیادہ شوق ہے تو کیا اس مہمان نوازی کا مجھے کچھ ثواب بھی ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد جس مہمان کی بھی مہمان نوازی کرو گے خواہ وہ امیر ہو یا فقیر تم ثواب کے حق دار ٹھہرو گے۔

پھر ابو الصیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم) مہمان کتنے دنوں تک مہمان نوازی کا حق دار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین دن تک اس کے بعد وہ جو کھائے گا وہ صدقہ ہوگا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۴)

وفد تجیب

یہ تیرہ آدمیوں کا ایک وفد تھا جو اپنے مالوں اور مویشیوں کی زکوٰۃ لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر ان لوگوں کا استقبال فرمایا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے اس مال زکوٰۃ کو اپنے وطن میں لے جاؤ اور وہاں کے فقراء اور مساکین کو یہ سارا مال دے دو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم) ہم اپنے وطن کے فقراء اور مساکین کو اس قدر مال دے چکے ہیں کہ یہ مال ان کی حاجتوں سے زیادہ ہمارے پاس بچ رہا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ان لوگوں کی اس زکوٰۃ کو قبول فرمالیا اور ان لوگوں پر بہت زیادہ کرم فرماتے ہوئے ان خوش نصیبوں کی خوب خوب مہمان نوازی فرمائی۔ اور بوقتِ رخصت ان لوگوں کو اکرام و انعام سے بھی نوازا۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری قوم میں کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے؟ جس نے میرا دیدار نہیں کیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ ایک نوجوان کو ہم اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں جو ہمارے گھروں کی حفاظت کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس نوجوان کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے وطن پہنچ کر اس نوجوان کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ جب وہ نوجوان بارگاہ عالی میں باریاب ہوا تو اس نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے میری قوم کی حاجتوں کو تو پوری فرما کر انہیں وطن میں بھیج دیا اب میں بھی ایک حاجت لے کر آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گیا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ میری حاجت بھی پوری فرما دیں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اپنے گھر سے یہ مقصد لے کر نہیں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کچھ مال عطا فرمائیں بلکہ میری فقط اتنی حاجت اور دلی تمنا ہے

جس کو دل میں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور مجھ پر اپنا رحم فرمائے اور میرے دل میں بے نیازی اور استغناء کی دولت پیدا فرما دے۔ نوجوان کی اس دلی مراد اور تمنا کو سن کر محبوبِ خدا ﷺ بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں ان لفظوں کے ساتھ دعا فرمائی کہ۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِیْ قَلْبِهٖ	اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کے دل میں بے نیازی ڈال دے۔

پھر آپ نے اس نوجوان کو اس کی قوم کا امیر مقرر فرما دیا اور یہی نوجوان اپنے قبیلے کی مسجد کا امام ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۴)

وفدِ مزینہ

اس وفد کے سربراہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے چار سو آدمی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جب ہم لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم ان لوگوں کو کچھ تحفہ عنایت کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میرے گھر میں بہت ہی تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ یہ لوگ اتنے قلیل تحفہ سے شاید خوش نہ ہوں گے۔ آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا کہ اے عمر! جاؤ ان لوگوں کو ضرور کچھ تحفہ عطا کرو۔ ارشادِ نبوی سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چار سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر مکان پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مکان میں کھجوروں کا ایک بہت ہی بڑا تودہ پڑا ہوا ہے آپ نے وفد کے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جتنی اور جس قدر چاہو ان کھجوروں میں سے لے لو۔ ان لوگوں نے اپنی حاجت اور مرضی کے مطابق کھجوریں لے لیں۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے آخر میں جب میں کھجوریں لینے کے لئے مکان میں داخل ہوا تو مجھے ایسا نظر آیا کہ گویا اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی ہے۔

آلِ مقرن کا گھر ایمان کا گھر ہے

یہ وہی حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے۔ یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ گھر تو ایمان کے ہیں اور کچھ گھر نفاق کے ہیں اور آلِ

مقرن کا گھر ایمان کا گھر ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۷)

وفد دوس

اس وفد کے قائد حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ تھے یہ ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا ہی عجیب ہے یہ ایک بڑے ہوش مند اور شعلہ بیان شاعر تھے۔ یہ کسی ضرورت سے مکہ آئے تو کفار قریش نے ان سے کہہ دیا کہ خبردار تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملنا' اور ہرگز ہرگز ان کی بات نہ سننا۔ ان کے کلام میں ایسا جادو ہے کہ جو سن لیتا ہے وہ اپنا دین و مذہب چھوڑ بیٹھتا ہے اور عزیز و اقارب سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یہ کفار مکہ کے فریب میں آ گئے اور اپنے کانوں میں انہوں نے روئی بھر لی کہ کہیں قرآن کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے۔ لیکن ایک دن صبح کو یہ حرم کعبہ میں گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں قراءت فرما رہے تھے ایک دم قرآن کی آواز جو ان کے کان میں پڑی تو یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت پر حیران رہ گئے اور کتاب الٰہی کی عظمت اور اس کی تاثیر ربانی نے ان کے دل کو موہ لیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت کو چلے تو یہ بے تابانہ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور مکان میں آ کر آپ کے سامنے مودبانہ بیٹھ گئے۔ اور اپنا اور قریش کی بدگوئیوں کا سارا حال سنا کر عرض کیا کہ خدا کی قسم! میں نے قرآن سے بڑھ کر فصیح و بلیغ آج تک کوئی کلام نہیں سنا۔ للہ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے چند احکام ان کے سامنے بیان فرما کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

سر قندیل کی طرح چمکنے لگا

پھر انہوں نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی علامت و کرامت عطا فرمایئے کہ جس کو دیکھ کر لوگ میری باتوں کی تصدیق کریں تا کہ میں اپنی قوم میں یہاں سے جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ آپ نے دعا فرما دی کہ الٰہی! تو ان کو ایک خاص قسم کا نور عطا فرما دے۔ چنانچہ اس دعاء نبوی کی بدولت ان کو یہ کرامت عطا ہوئی کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کے مانند ایک نور چمکنے لگا مگر انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ نور میرے سر میں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ ان کا سر قندیل کی طرح چمکنے لگا' جب یہ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور اسلام کی دعوت دینے لگے تو ان کے ماں باپ اور بیوی نے تو اسلام قبول کر لیا مگر ان کی قوم

مسلمان نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی مخالفت پر تل گئی۔ یہ اپنی قوم کے اسلام سے مایوس ہو کر پھر حضور ﷺ کی خدمت میں چلے گئے اور اپنی قوم کی سرکشی اور سرتابی کا سارا حال بیان کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کہ تم پھر اپنی قوم میں چلے جاؤ اور نرمی کے ساتھ ان کو خدا کی طرف بلاتے رہو۔ چنانچہ یہ پھر اپنی قوم میں آ گئے اور لگاتار اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ستر یا اسی گھرانوں میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہ ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر خیبر میں تاجدارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور آپ نے خوش ہو کر خیبر کے مالِ غنیمت میں سے ان سب لوگوں کو حصہ عطا فرمایا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۷۰)

وفد بنی عبس

قبیلہ بنی عبس کے وفد نے دربار اقدس میں جب حاضری دی تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے مبلغین نے ہم کو خبر دی ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام مقبول ہی نہیں ہے تو یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے سارے مال و متاع اور مویشیوں کو بیچ کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے لئے ہجرت ضروری نہیں۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ تم جہاں بھی رہو خدا سے ڈرتے رہو اور زہد و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۷۰)

وفد دارم

یہ وفد دس آدمیوں کا ایک گروہ تھا جن کا تعلق قبیلہ ''لخم'' سے تھا اور ان کے سربراہ اور پیشوا کا نام ''ہانی بن حبیب'' تھا۔ یہ لوگ حضور ﷺ کے لئے تحفے میں چند گھوڑے اور ایک ریشمین جبہ اور ایک مشک شراب اپنے وطن سے لے کر آئے حضور ﷺ نے گھوڑوں اور جبہ کے تحائف کو تو قبول فرما لیا لیکن شراب کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام فرما دیا ہے۔ ہانی بن حبیب ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اگر اجازت ہو تو میں اس شراب کو بیچ ڈالوں۔ آپ نے فرمایا کہ جس خدا نے شراب کے پینے کو حرام فرمایا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا تم شراب کی اس مشک کو لے جا کر کہیں زمین پر اس کو بہا دو۔

ریشمی جبہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس ؓ کو عطا فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں اس کو لے کر کیا کروں گا؟ جب کہ مردوں کے لئے

اس کا پہننا ہی حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں جس قدر سونا ہے آپ اس کو اس میں سے جدا کر لیجئے اور اپنی بیویوں کے لئے زیورات بنوا لیجئے اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لائیے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جبہ کو آٹھ ہزار درہم میں بیچا۔

یہ وفد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر نہایت خوش دلی کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص۳۶۵)

وفد غامد

یہ دس آدمیوں کی جماعت تھی جو سن ۱۰ھ میں مدینہ آئے اور اپنی منزل میں سامانوں کی حفاظت کے لئے ایک نوجوان لڑکے کو چھوڑ دیا' وہ سو گیا اتنے میں ایک چور آیا اور ایک بیگ چرا کر لے بھاگا۔ یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ناگہاں آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا ایک بیگ چور لے گیا۔ مگر پھر تمہارے نوجوان نے اس بیگ کو پا لیا۔ جب یہ لوگ بارگاہ اقدس سے اٹھ کر اپنی منزل پر پہنچے تو ان کے جوان نے بتایا کہ میں سو رہا تھا کہ ایک چور بیگ لے کر بھاگا مگر میں بیدار ہونے کے بعد جب اس کی تلاش میں نکلا تو ایک شخص کو دیکھا وہ مجھ کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہاں کی زمین کھودی ہوئی ہے جب میں نے مٹی ہٹا کر دیکھا تو بیگ وہاں دفن تھا میں اس کو نکال کر لے' آیا۔ یہ سن کر سب بول پڑے کہ بلاشبہ یہ رسول برحق ہیں اور ہم کو انہوں نے اسی لئے اس واقعہ کی خبر دی تاکہ ہم لوگ ان کی تصدیق کر لیں۔ ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس نوجوان نے بھی دربار رسول میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور اسلام کے دامن میں آ گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ جتنے دنوں ان لوگوں کا مدینہ میں قیام رہے تم ان لوگوں کو قرآن پڑھنا سکھا دو۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۳۷۴)

وفد نجران

یہ نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ اس میں ساٹھ سوار تھے۔ چوبیس ان کے شرفاء اور معززین تھے اور تین اشخاص اس درجہ کے تھے کہ انہیں کے ہاتھوں میں نجران کے نصاریٰ کا مذہبی اور قومی سارا نظام تھا۔ ایک عاقب جس کا نام ''عبدالمسیح'' تھا دوسرا شخص سید جس کا نام ''الیم'' تھا تیسرا شخص ''ابو حارثہ بن علقمہ'' تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سے

سوالات کیے اور حضور ﷺ نے اس کے جوابات دیئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ پر گفتگو چھڑ گئی ان لوگوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس کو "آیت مباہلہ" کہتے ہیں کہ!

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَط
خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ
فَیَکُوْنَ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ
مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ
مِنْ م بَعْدِ مَاجَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآئَکُمْ وَنِسَآئَنَا
وَنِسَآئَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ
نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ

(آل عمران)

بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے ان کو مٹی سے بنایا۔ پھر فرمایا "ہو جا" وہ فوراً ہو جاتا ہے (اے سننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تم شک والوں میں سے نہ ہونا پھر اے محبوب جو تم سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اسکے کہ تمہیں علم آ چکا۔ تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑ گڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (الایہ)

حضور ﷺ نے جب ان لوگوں کو اس مباہلہ کی دعوت دی تو ان نصرانیوں نے رات بھر کی مہلت مانگی۔ صبح کو حضور ﷺ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے کاشانہ نبوت سے نکل پڑے۔ مگر نجران کے نصرانیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے کا اقرار کر کے حضور ﷺ سے صلح کر لی۔

(تفسیر جلالین وغیرہ)

پندرھواں باب

ہجرت کا دسواں سال

سن ۱۰ ہجری

حجۃ الوداع

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ شاندار اور اہم ترین واقعہ ''حجۃ الوداع'' ہے یہ آپ کا آخری حج تھا اور ہجرت کے بعد یہی آپ کا پہلا حج تھا۔ ذوقعدہ سن ۱۰ھ میں آپ نے حج کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں ہر طرف پھیل گئی اور تمام عرب شرف ہمرکابی کے لئے اُمنڈ پڑا۔

حضور اقدس ﷺ نے آخر ذوقعدہ میں جمعرات کے دن مدینہ میں غسل فرما کر تہبند اور چادر زیب تن فرمایا اور نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اور اپنی تمام ازواج مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میقات ''ذوالحلیفہ'' پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لئے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر پر خوشبو لگائی۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے ''لبیک'' پڑھا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ بیہقی کی روایت ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار اور دوسری روایتوں میں ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔ (زُرقانی ج ۳ ص ۱۰۶ و مدارج ج ۲ ص ۳۸۷)

چوتھی ذوالحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے آپ کے خاندان بنی ہاشم کے لڑکوں نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور آپ نے نہایت ہی محبت و پیار کے ساتھ کسی کو آگے کسی کو پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھالیا۔ (نسائی باب استقبال الحاج ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ رحیمیہ)

فجر کی نماز آپ نے مقام ''ذی طویٰ'' میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور چاشت کے وقت یعنی جب آفتاب بلند ہو چکا تھا۔ تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے جب کعبہ معظمہ پر نگاہ نبوت پڑی تو آپ نے یہ دعا پڑھی کہ۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَكْرِیْمًا وَّمَھَابَةً وَّزِدْ مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَكْرِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا	اے اللہ! تو سلامتی دینے والا ہے اور تیری طرف سے سلامتی ہے۔ اے رب! ہمیں سلامتی کیساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ اس گھر کی عظمت و شرف اور عزت و ہیبت کو زیادہ کر اور جو اس گھر کا حج اور عمرہ کرے تو اس کی بزرگی اور شرف و عظمت کو زیادہ کر۔

جب حجر اسود کے سامنے آپ تشریف لے گئے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا شروع کے تین پھیروں میں آپ نے ''رمل'' کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے ہر چکر میں جب حجر اسود کے سامنے پہنچتے تو اپنی چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے۔ حجر اسود کا استلام کبھی آپ نے چھڑی کے ذریعہ سے کیا کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیا۔ کبھی لب مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی رُکن یمانی کا بھی آپ نے استلام کیا۔

(نسائی ج ۲ ص ۳۰ و ص ۳۱)

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے کے دروازہ سے صفا کی جانب روانہ ہوئے قریب پہنچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۔	بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کے نشانوں میں سے ہیں۔

پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چونکہ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اتارا۔

آٹھویں ذوالحجہ جمعرات کے دن آپ منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشا، فجر، منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذوالحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔

زمانہ جاہلیت میں چونکہ قریش اپنے کو سارے عرب میں افضل واعلیٰ شمار کرتے تھے۔ اس لئے وہ عرفات کی بجائے ''مزدلفہ'' میں قیام کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب ''عرفات'' میں ٹھہرتے تھے۔ لیکن اسلامی مساوات نے قریش کے لئے اس تخصیص کو گوارا نہیں کیا اور اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ.	(اے قریش) تم بھی وہیں (عرفات) سے پلٹ کر آؤ جہاں سے سب لوگ پلٹ کر آتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات پہنچ کر ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں آپ نے بہت سے ضروری احکامِ اسلام کا اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بیہودہ رسموں کو آپ نے مٹاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ	سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔

(ابوداؤد ج۱ ص۲۶۳ و مسلم ج۱ ص۳۹۷ باب حجۃ النبی)

اسی طرح زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور رنگ و نسل کی برتری اور قومیت میں نیچ اونچ وغیرہ تصورات جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اور مساوات اسلام کا علم بلند فرماتے ہوئے تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ۔

اَيُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى (مسند امام احمد)	اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اسی طرح تمام دنیا میں امن و امان قائم فرمانے کے لئے امن و سلامتی کے شہنشاہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خدائی فرمان جاری فرمایا کہ۔

اِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ	تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر تا قیامت اسی

كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذا يَوْمَ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ	طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ، تمہارا یہ شہر محترم ہے۔

(بخاری ومسلم وابوداؤد)

اپنا خطبہ ختم فرماتے ہوئے آپ نے سامعین سے فرمایا کہ۔

وَاَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ ۔	تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟

تمام سامعین نے کہا کہ ہم لوگ خدا سے کہہ دیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ	اے اللہ! تو گواہ رہنا۔

(ابوداؤد ج۱ ص۲۶۳ باب صفۃ حج النبی)

عین اسی حالت میں جب کہ خطبہ میں آپ اپنا فرض رسالت ادا فرما رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

شہنشاہ کونین کا تخت شاہی

یہ حیرت انگیز وعبرت خیز واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت شہنشاہ کونین خدا کے نائب اکرم اور خلیفہ اعظم ہونے کی حیثیت سے فرمان ربانی کا اعلان فرما رہے تھے۔ آپ کے تختِ شہنشاہی یعنی اونٹنی کا کجاوہ اور عرق گیر شاید دس روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ نہ اس اونٹنی پر کوئی شاندار کجاوہ تھا نہ کوئی ہودج نہ کوئی محمل نہ کوئی چتر نہ کوئی تاج۔

کیا تاریخ عالم میں کسی اور بادشاہ نے بھی ایسی سادگی کا نمونہ پیش کیا ہے؟ اس کا جواب یہی اور فقط یہی ہے کہ "نہیں"

یہ وہ زاہدانہ شہنشاہی ہے جو صرف شہنشاہ دو عالم ﷺ کی شہنشاہیت کا طرۂ امتیاز ہے!

خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر ''موقف'' میں تشریف لے گئے اور جبل رحمت کے نیچے غروبِ آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے غروب آفتاب کے بعد عرفات سے ایک لاکھ سے زائد حجاج کے ازدحام میں ''مزدلفہ'' پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب پھر عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ مشعر حرام کے پاس رات بھر امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور وادی محسر کے راستہ سے منیٰ میں آپ ''جمرہ'' کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں۔ پھر آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ۔

لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ — حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید
لِعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهٖ — اس کے بعد میں دوسرا حج نہ کروں گا۔

(مسلم ج ۱ ص ۴۱۹ باب رمی جمرۃ العقبہ)

منیٰ میں بھی آپ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ جس میں عرفات کے خطبہ کی طرح بہت سے مسائل و احکام کا اعلان فرمایا۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے کچھ کو تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور گوشت پوست' جھول' نکیل سب کو خیرات کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں سے نہ ادا کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔

موئے مبارک

قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے آپ نے سر کے بال اتروائے اور کچھ حصہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۲۱ باب بیان ان السنۃ یوم النحر الخ)

اس کے بعد آپ مکہ تشریف لائے اور طواف زیارت فرمایا۔

ساقی کوثر چاہ زمزم پر

پھر چاہ زمزم کے پاس تشریف لائے خاندان عبدالمطلب کے لوگ حاجیوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینے لگیں گے تو میں

خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیتا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمزم شریف پیش کیا اور آپ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا۔ پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ذوالحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔ تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر ''محصب'' میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طواف وداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

غدیر خم کا خطبہ

راستہ میں مقام ''غدیر خم'' پر جو ایک تالاب ہے یہاں تمام ہمراہیوں کو جمع فرما کر ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ (ملک الموت) جلد آ جائے اور مجھے اس کا پیغام قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ (مسلم ج۱ ص۲۷۹ باب من فضائل علی)

اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ (مشکوٰۃ ص۵۶۵ مناقب علی)	جس کا میں مولا ہوں علی بھی اسکے مولیٰ خداوندا جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

غدیر خم کے خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی کوئی تصریح کہیں حدیثوں میں نہیں ملتی۔ ہاں البتہ بخاری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام کر ڈالا تھا۔ جس کو ان کے یمن سے آنے والے ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے بارگاہ رسالت میں اس کی شکایت بھی کر دی جس کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ علی کو اس سے زیادہ کا حق ہے۔ ممکن ہے اسی قسم کے شبہات و شکوک کو مسلمان یمنیوں کے دلوں سے دور

کرنے کے لئے اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی اور اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل بھی بیان کر دیئے ہوں۔ (بخاری باب بعث علی الی الیمن ج ۲ ص ۲۲۳ و ترمذی مناقب علی)

روافض کا ایک شبہ

بعض شیعہ صاحبان نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ''غدیر خم'' کا خطبہ یہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا اعلان تھا مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ یہ محض ایک ''تک بندی'' کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اگر واقعی حضرت علی کے لئے خلافت بلافصل کا اعلان کرنا تھا تو عرفات یا منیٰ کے خطبوں میں یہ اعلان زیادہ مناسب تھا جہاں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا اجتماع تھا نہ کہ غدیر خم پر جہاں یمن اور مدینہ والوں کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر حضور ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ میں رات بسر فرمائی اور صبح کو مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔

سولھواں باب

ہجرت کا گیارھواں سال

سن ۱۱ ہجری

جیشِ اُسامہ

اس لشکر کا دوسرا نام ''سریہ اُسامہ'' بھی ہے یہ سب سے آخری فوج ہے جس کے روانہ کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔ ۲۶ صفر سن ۱۱ھ دوشنبہ کے دن حضور اقدس ﷺ نے رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ اور دوسرے دن حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر فرمایا کہ میں نے تم کو اس فوج کا امیر لشکر مقرر کیا۔ تم اپنے باپ کی شہادت گاہ مقام ''اُبنیٰ'' میں جاؤ اور نہایت تیزی کے ساتھ سفر کر کے ان کفار پر اچانک حملہ کر دو تا کہ وہ لوگ جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ باوجودیکہ مزاج اقدس ناساز تھا۔ مگر اسی حالت میں آپ نے خود اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھا اور یہ نشان اسلام حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دے کر ارشاد فرمایا

اُغْزُ بِسْمِ اللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَاتِلْ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ۔

اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور کافروں کیساتھ جنگ کرو۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بریدہ بن الحضیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علمبردار بنایا اور مدینہ سے نکل کر ایک کوس دور مقام ''جرف'' میں پڑاؤ کیا تا کہ وہاں پورا لشکر جمع ہو جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے انصار و مہاجرین کے تمام معززین کو بھی اس لشکر میں شامل ہو جانے کا حکم دے دیا۔

فضائلِ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

بعض لوگوں پر یہ شاق گزرا کہ ایسا لشکر جس میں انصار و مہاجرین کے اکابر و عمائد

موجود ہیں۔ ایک نوعمر لڑکا جس کی عمر بیس برس سے زائد نہیں۔ کس طرح امیر لشکر بنا دیا گیا؟ جب حضور ﷺ کو اس اعتراض کی خبر ملی تو آپ کے قلب نازک پر صدمہ گزرا۔ اور آپ نے علالت کے باوجود سر میں پٹی باندھے ہوئے ایک چادر اوڑھ کر منبر پر ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اُسامہ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کی ہے تو تم لوگوں نے اس سے قبل اس کے باپ کے سپہ سالار ہونے پر بھی طعنہ زنی کی تھی۔ حالانکہ خدا کی قسم اس کا باپ زید بن حارثہ سپہ سالار ہونے کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا (اُسامہ بن زید) بھی سپہ سالار ہونے کے قابل ہے۔ اور یہ میرے نزدیک میرے محبوب ترین صحابہ میں سے ہے جیسا کہ اس کا باپ میرے محبوب ترین اصحاب میں سے تھا۔ لہٰذا اُسامہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں تم لوگ میری نیک وصیت کو قبول کرو کہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے۔

حضور ﷺ یہ خطبہ دے کر مکان میں تشریف لے گئے اور آپ کی علالت میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ حکم نبوی کو تکمیل کرتے ہوئے مقام جرف میں پہنچ گئے تھے اور وہاں لشکر اسلام کا اجتماع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۱ھ کو جہاد میں جانے والے خواص حضور ﷺ سے رخصت ہونے کے لئے آئے اور رخصت ہو کر مقام جرف میں پہنچ گئے۔ اس کے دوسرے دن حضور ﷺ کی علالت نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی مزاج پرسی اور رخصت ہونے کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا مگر ضعف کی وجہ سے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ بار بار دست مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور ان کے بدن پر اپنا مقدس ہاتھ پھیرتے تھے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ حضور میرے لئے دعا فرما رہے ہیں اس کے بعد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ رخصت ہو کر اپنی فوج میں تشریف لے گئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو کوچ کرنے کا اعلان بھی فرما دیا اب سوار ہونے کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ ان کی والدہ حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کا فرستادہ آدمی پہنچا کہ حضور ﷺ نزع کی حالت میں ہیں۔ یہ ہوش ربا خبر سن کر حضرت اُسامہ و حضرت عمر و حضرت ابو عبیدہ وغیرہ رضی اللہ عنہم فوراً ہی مدینہ آئے تو یہ دیکھا کہ آپ سکرات کے عالم میں ہیں اور اسی

دن دو پہر کو یا سہ پہر کے وقت آپ کا وصال ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

یہ خبر سن کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ واپس چلا آیا مگر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر رونق افروز ہو گئے تو آپ نے بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود ربیع الآخر کی آخری تاریخوں میں اس لشکر کو روانہ فرمایا اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ مقام ''اُبنیٰ'' میں تشریف لے گئے اور وہاں بہت ہی خونریز جنگ کے بعد لشکر اسلام فتح یاب ہوا اور آپ نے اپنے باپ کے قاتل اور دوسرے کفار کو قتل کیا اور بے شمار مالِ غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۹ تا ص ۴۱۱ و زُرقانی ج ۳ ص ۱۰۷ تا ۱۱۲)

وفاتِ اقدس

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا اس عالم میں تشریف لانا صرف اس لئے تھا کہ آپ خدا کے آخری اور قطعی پیغام یعنی دین اسلام کے احکام اُس کے بندوں تک پہنچا دیں۔ اور خدا کی حجت تمام فرما دیں۔ اس کام کو آپ نے کیونکر انجام دیا؟ اور اس میں آپ کو کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا عالم وجود میں آئی ہزاروں انبیاء و رسل علیہم السلام اس عظیم الشان کام کو انجام دینے کے لئے اس عالم میں تشریف لائے۔ مگر تمام انبیاء و مرسلین کے تبلیغی کارناموں کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے تبلیغی شاہکاروں کے مقابلہ میں ایسے ہی نظر آئیں گے جیسے آفتاب عالم تاب کے مقابلہ میں ایک چراغ یا ایک صحرا کے مقابلہ میں ایک ذرہ یا ایک سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ آپ کی تبلیغ نے عالم میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ کائنات ہستی کی ہر پستی کو معراج کمال کی سربلندی عطا فرما کر ذلت کی زمین کو عزت کا آسمان بنا دیا اور دین حنیف کے اس مقدس اور نورانی محل کو جس کی تعمیر کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رسل معمار بنا کر بھیجے جاتے رہے آپ نے خاتم النبیین کی شان سے اس قصر ہدایت کو اس طرح مکمل فرما دیا کہ حضرت حق جل جلالہ نے اس پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی مہر لگا دی۔

جب دین اسلام مکمل ہو چکا اور دنیا میں آپ کے تشریف لانے کا مقصد پورا ہو چکا تو

اللہ تعالیٰ کے وعدہ محکم اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔

حضور کو اپنی وفات کا علم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پہلے سے اپنی وفات کا علم حاصل ہو گیا تھا۔ اور آپ نے مختلف مواقع پر لوگوں کو اس کی خبر بھی دے دی تھی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے لوگوں کو یہ فرما کر رخصت فرمایا تھا۔

''شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں گا۔''

اسی طرح ''غدیر خم'' کے خطبہ میں اسی قسم کے الفاظ آپ کی زبان اقدس سے ادا ہوئے تھے۔ اگرچہ ان دونوں خطبات میں لفظ لعل (شاید) فرما کر ذرا پردہ ڈالتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دی مگر حجۃ الوداع سے واپس آ کر آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے اس میں لعل (شاید) کا لفظ آپ نے نہیں فرمایا بلکہ صاف صاف اور یقین کے ساتھ اپنی وفات کی خبر سے لوگوں کو آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے اور شہداءِ اُحد کی قبروں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ پھر پلٹ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا پیش رو تم سے پہلے وفات پانے والا ہوں اور تمہارا گواہ ہوں اور میں خدا کی قسم اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

(بخاری کتاب الحوض ج ۲ ص ۹۷۵)

اس حدیث میں اِنِّیْ فَرَطٌ لَّكُمْ فرمایا۔ یعنی میں اب تم لوگوں سے پہلے ہی وفات پا کر جا رہا ہوں۔ تا کہ وہاں جا کر تم لوگوں کے لئے حوض کوثر وغیرہ کا انتظام کروں۔

یہ قصہ مرض وفات شروع ہونے سے پہلے کا ہے لیکن اس قصہ کو بیان فرمانے کے وقت آپ کو اسکا یقینی علم حاصل ہو چکا تھا کہ میں کب اور کس وقت دنیا سے جانے والا ہوں۔ اور مرض وفات شروع ہونے کے بعد تو اپنی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صاف صاف لفظوں میں بغیر ''شاید'' کا لفظ فرماتے ہوئے اپنی وفات کی خبر دے دی۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ۔

اپنے مرض وفات میں آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور چپکے چپکے ان سے

کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں پھر بلایا اور چپکے چپکے کچھ فرمایا تو وہ ہنس پڑیں جب ازواج مطہرات نے اس کے بارے میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے آہستہ آہستہ مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں وفات پا جاؤں گا۔ تو میں رو پڑی پھر چپکے چپکے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم وفات پا کر میرے پیچھے آؤ گی تو میں ہنس پڑی۔ (بخاری باب مرض النبی ج۲ ص ۶۳۸)

بہر حال حضور ﷺ کو اپنی وفات سے پہلے اپنی وفات کے وقت کا علم حاصل ہو چکا تھا۔ کیوں نہ ہو کہ جب دوسرے لوگوں کی وفات کے اوقات سے حضور ﷺ کو اللہ (عزوجل) نے آگاہ فرما دیا تھا تو اگر خداوند علام الغیوب کے بتا دینے سے حضور ﷺ کو اپنی وفات کے وقت کا قبل از وقت علم ہو گیا تو اس میں کونسا استبعاد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو علم ماکان وما یکون عطا فرمایا۔ یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کا علم عطا فرما کر آپ کو دنیا سے اٹھایا۔ چنانچہ اس مضمون کو ہم نے اپنی کتاب ''قرآنی تقریریں'' میں مفصل تحریر کر دیا ہے۔

علالت کی ابتداء

مرض کی ابتداء کب ہوئی؟ اور حضور ﷺ کتنے دنوں تک علیل رہے؟ اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بہر حال ۲۰ یا ۲۲ صفر سن ۱۱ھ کو حضور ﷺ جنۃ البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان ہے آدھی رات میں تشریف لے گئے وہاں سے واپس تشریف لائے۔ تو مزاج اقدس ناساز ہو گیا۔ یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص ۴۱۷ و زرقانی ج۳ ص ۱۱۰)

دوشنبہ کے دن آپ کی علالت بہت شدید ہو گئی۔ آپ کی خواہش پر تمام ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے سہارا دے کر آپ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں پہنچا دیا۔ جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھاتے رہے جب کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے مصلّی پر امامت کریں۔ چنانچہ سترہ نمازیں حضرت ابوبکر صدیق نے پڑھائیں۔

ایک دن ظہر کی نماز کے وقت مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ سات پانی کی مشکیں میرے اوپر ڈالی جائیں۔ جب آپ غسل فرما چکے تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کا مقدس بازو تھام کر آپ کو مسجد میں لائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارہ سے ان کو روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی آپکو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے مقتدی لوگ ارکان نماز ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ بھی دیا جس میں بہت سی وصیتیں اور احکام اسلام بیان فرما کر انصار کے فضائل اور ان کے حقوق کے بارے میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور سورۂ والعصر اور ایک آیت بھی تلاوت فرمائی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۲۵ و بخاری ج ۲ ص ۶۳۹)

گھر میں سات دینار رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم ان دیناروں کو لاؤ تا کہ میں ان دیناروں کو خدا کی راہ میں خرچ کر دوں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے آپ نے ان دیناروں کو تقسیم کر دیا اور اپنے گھر میں ایک ذرہ بھر سونا یا چاندی نہیں چھوڑا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۲۴)

آپ کے مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی خاص وفات کے دن یعنی دوشنبہ کے روز طبیعت اچھی تھی۔ حجرہ مسجد سے متصل ہی تھا۔ آپ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر خوشی سے آپ ہنس پڑے لوگوں نے سمجھا کہ آپ مسجد میں آنا چاہتے ہیں مارے خوشی کے تمام لوگ بے قابو ہو گئے مگر آپ نے اشارہ سے روکا اور حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال دیا یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام نے جمال نبوت کی زیارت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کا رُخِ انور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن کا کوئی ورق ہے۔ یعنی سفید ہو گیا تھا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۴۰ باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ)

اس کے بعد بار بار غشی کا دورہ پڑنے لگا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے شدت غم میں یہ لفظ نکل گیا۔ ''وَاکَرْبَ اَبَاہ'' ہائے رے میرے والد کی بے چینی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بیٹی! تمہارا باپ آج کے بعد کبھی بے چین نہ ہوگا۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اس کے بعد بار بار آپ یہ فرماتے رہے کہ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ یعنی ان لوگوں

کے ساتھ جن پر خدا کا انعام ہے اور کبھی یہ فرماتے کہ "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی خداوندا! بڑے رفیق میں اور لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بے شک موت کے لئے سختیاں ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ وفات کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو جب حضور ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہوئے تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ نے آخرت کو قبول فرمالیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۴۰ و ص ۶۴۱ باب آخر ماتکلم النبی ﷺ)

وفات سے تھوڑی دیر پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ تازہ مسواک ہاتھ میں لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف نظر جما کر دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ مسواک کی خواہش ہے۔ انہوں نے فوراً ہی مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کی اور دست اقدس میں دے دی آپ نے مسواک فرمائی سہ پہر کا وقت تھا کہ سینۂ اقدس میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہونے لگی اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے کہ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ نماز اور لونڈی غلاموں کا خیال رکھو۔

پاس میں پانی کی ایک لگن تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ اقدس پر ملتے اور کلمہ پڑھتے۔ چادر مبارک کو کبھی منہ پر ڈالتے کبھی ہٹا دیتے۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سر اقدس کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں آپ نے ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ فرمایا اور تین مرتبہ یہ فرمایا کہ۔

بل الرفیق الاعلی (اب کوئی نہیں) بلکہ وہ بڑا رفیق چاہیے۔

یہی الفاظ زبانِ اقدس پر تھے کہ ناگہاں مقدس ہاتھ نیچے تشریف لے آئے اور جسم منور و مقدس پرسکون ہوگیا۔ اور آپ کی قدسی روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَعَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

(بخاری ج ۲ ص ۶۴۰ باب مرض النبی ﷺ)

تاریخ وفات میں مورخین کا بڑا اختلاف ہے لیکن اس پر تمام علماء سیرت کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تھا بہرحال عام طور پر یہی مشہور ہے کہ ۱۲ ربیع الاول سن ۱۱ھ دوشنبہ کے دن تیسرے پہر آپ نے وصال فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

وفات کا اثر

حضور اقدس ﷺ کی وفات سے حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو کتنا بڑا صدمہ پہنچا؟ اور اہل مدینہ کا کیا حال ہو گیا؟ اس کی تصویر کشی کے لئے ہزاروں صفحات بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ وہ شمع نبوت کے پروانے جو چند دنوں تک جمال نبوت کا دیدار نہ کرتے تو ان کے دل بے قرار اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان عاشقانِ رسول پر جان عالم ﷺ کے دائمی فراق کا کتنا روح فرسا' اور کس قدر جانکاہ صدمہ عظیم ہوا ہو گا؟ جلیل القدر صحابہ کرام بلا مبالغہ ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی عقلیں گم ہو گئیں' آوازیں بند ہو گئیں اور وہ اس قدر مخبوط الحواس ہو گئے کہ ان کے لئے یہ سوچنا بھی مشکل ہو گیا کہ کیا کہیں؟ اور کیا کریں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا سکتہ طاری ہو گیا کہ وہ اِدھر اُدھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے مگر کسی سے نہ کچھ کہتے تھے نہ کسی کی کچھ سنتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رنج و ملال میں نڈھال ہو کر اس طرح بیٹھ رہے کہ ان میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کی سکت ہی نہیں رہی۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر ایسا دھچکا لگا کہ وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اور ان کا ہارٹ فیل ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر ہوش و حواس کھو بیٹھے کہ انہوں نے تلوار کھینچ لی اور ننگی تلوار لے کر مدینہ کی گلیوں میں اِدھر اُدھر آتے جاتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ اگر کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں اِس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ وفات کے بعد حضرت عمر و حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجازت لے کر مکان میں داخل ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھ کر کہا کہ بہت ہی سخت غشی کا دورہ پڑ گیا ہے جب وہ وہاں سے چلنے لگے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے عمر! تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور تڑپ کر بولے کہ اے مغیرہ! تم جھوٹے ہو حضور ﷺ کا اُس وقت تک انتقال نہیں ہو سکتا جب تک دنیا سے ایک ایک منافق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

مواہب لدنیہ میں طبری سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''سخ'' میں تھے جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہیں رہتی تھیں۔ چونکہ دو شنبہ کی صبح کو مرض میں کمی نظر آئی اور

کچھ سکون معلوم ہوا اس لئے حضور ﷺ نے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی تھی کہ تم "سخ" چلے جاؤ اور بیوی بچوں کو دیکھتے آؤ۔

بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر "سخ" سے آئے اور کسی سے کوئی بات نہ کہی نہ سنی۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اور حضور ﷺ کے رخ انور سے چادر ہٹا کر آپ پر جھکے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان نہایت گرم جوشی کے ساتھ ایک بوسہ دیا اور عرض کیا کہ آپ اپنی حیات اور وفات دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ہرگز خداوند تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا آپ کی جو موت لکھی ہوئی تھی آپ اس موت کے ساتھ وفات پا چکے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر! بیٹھ جاؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اور خود لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے خطبہ دینا شروع کر دیا۔

> اما بعد۔ جو شخص تم میں سے محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے) کہ محمد ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اور جو شخص تم میں سے خدا کی پرستش کرتا تھا تو خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سورہ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ
يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ
شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

(آل عمران ۱۴۴)

اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو ثواب دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی اس آیت کو جانتا ہی نہ تھا۔ ان سے سن کر ہر شخص اسی آیت کو پڑھنے لگا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۶۶ باب الدخول علی المیت الخ ومدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۳)

حضرت عمر ؓ کا بیان ہے کہ میں نے جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی زبان سے سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ واقعی نبی ﷺ کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت عمر ؓ اضطراب کی حالت میں ننگی شمشیر لے کر جو اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ حضور ﷺ کا وصال نہیں ہوا اس سے رجوع کیا اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ گویا ہم پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا کہ اس آیت کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے خطبہ نے اس پردہ کو اٹھا دیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۴)

تجہیز و تکفین

چونکہ حضورِ اقدس ﷺ نے وصیت فرما دی تھی کہ میری تجہیز و تکفین میرے اہل بیت اور اہل خاندان کریں۔ اس لئے کہ یہ خدمت آپ کے خاندان ہی کے لوگوں نے انجام دی۔ چنانچہ حضرت فضل بن عباس و حضرت قثم بن عباس و حضرت علی و حضرت عباس و حضرت اُسامہ بن زید ؓ نے مل جل کر آپ کو غسل دیا اور ناف مبارک اور پلکوں پر جو پانی کے قطرات اور تری جمع تھی حضرت علی ؓ نے جوش محبت اور فرط عقیدت سے اس کو زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۸ و ص ۴۳۹)

غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کا جو ''سحول'' گاؤں کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا ان میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۶۹ باب الثیاب البیض للکفن)

نمازِ جنازہ

جنازہ تیار ہوا تو لوگ نماز جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جنازہ مبارکہ حجرہ مقدسہ کے اندر ہی تھا۔ باری باری سے تھوڑے لوگ اندر جاتے تھے اور نماز پڑھ کر چلے آتے تھے لیکن کوئی امام نہ تھا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۰ و ابن ماجہ ص ۱۱۸ باب ذکر وفاتہ)

قبر انور

حضرت ابوطلحہ انصاری ؓ نے قبر شریف تیار کی جو بغلی تھی جسم اطہر کو حضرت علی و حضرت فضل بن عباس و حضرت عباس، و حضرت قثم بن عباس ؓ نے قبر منور میں اتارا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۲)

لیکن ابوداؤد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُسامہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بھی قبر میں اترے تھے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۴۵۸ باب کم یدخل القبر)

صحابہ کرام میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ حضور ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ مسجد نبوی میں آپ کا مدفن ہونا چاہیے اور کچھ نے یہ رائے دی کہ آپ کو صحابہ کرام کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ہر نبی اپنی وفات کے بعد اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اس کی وفات ہوئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں نے حضور ﷺ کے بچھونے کو اٹھایا اور اسی جگہ (حجرہ عائشہ) میں آپ کی قبر تیار کی اور آپ اسی میں مدفون ہوئے۔ (ابن ماجہ ص۱۱۸ باب ذکر وفات)

حضور اقدس ﷺ کے غسل شریف اور تجہیز و تکفین کی سعادت میں حصہ لینے کے لئے ظاہر ہے کہ شمع نبوت کے پروانے کس قدر بے قرار رہے ہوں گے مگر جیسا کہ ہم تحریر کر چکے کہ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی یہ وصیت فرمادی تھی کہ میرے غسل اور تجہیز و تکفین میرے اہل بیت ہی کریں۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بحیثیت امیر المومنین ہونے کے یہی حکم دیا کہ ''یہ اہل بیت ہی کا حق ہے'' اس لئے حضرت عباس اور اہل بیت نے کواڑ بند کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا مگر شروع سے آخر تک خود حضرت امیر المومنین اور دوسرے تمام صحابہ کرام حجرہ مقدسہ کے باہر حاضر رہے۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص۴۳۷)

حضور کا ترکہ

حضور اقدس ﷺ کی مقدس زندگی اس قدر زاہدانہ تھی کہ کچھ اپنے پاس رکھتے ہی نہیں تھے اس لئے ظاہر ہے کہ آپ نے وفات کے بعد (دنیوی مال و اسباب) کیا چھوڑا ہوگا؟ چنانچہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى	حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم و
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِرْهَمًا وَّلَا	دینار چھوڑا نہ لونڈی و غلام نہ اور کچھ صرف اپنا
دِيْنَارًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا	سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام
بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَ اَرْضًا	مسلمانوں پر صدقہ کر گئے چھوڑا تھا۔

جَعَلَهَا صَدَقَةً۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۸۲ کتاب الوصایا)

بہر حال پھر بھی آپ کے متروکات میں تین چیزیں تھیں۔ (۱) بنو نضیر، فدک، خیبر کی زمینیں (۲) سواری کا جانور (۳) ہتھیار یہ تینوں چیزیں قابل ذکر ہیں۔

زمین

بنو نضیر، فدک، خیبر کی زمینوں کے باغات وغیرہ کی آمدنیاں آپ اپنے اور اپنی ازواج مطہرات کے سال بھر کے اخراجات اور فقراء و مساکین اور عام مسلمانوں کی حاجات میں صرف فرماتے تھے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۵ و ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۲ باب صفایا رسول اللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت فاطمہ اور بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم چاہتی تھیں کہ ان جائیدادوں کو میراث کے طور پر وارثوں کے درمیان تقسیم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان لوگوں نے اس کی درخواست پیش کی مگر آپ اور حضرت عمر وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان لوگوں کو یہ حدیث سنا دی کہ۔

لَانُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے۔

ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۳ و بخاری ج ۱ ص ۴۳۶ (باب فرض الخمس)

اور اس حدیث کی روشنی میں صاف صاف کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے بموجب یہ جائیدادیں وقف ہو چکی ہیں۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدس زندگی میں جن مدات و مصارف میں ان کی آمدنیاں خرچ فرمایا کرتے تھے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصرار سے بنو نضیر کی جائیداد کا دونوں کو اس شرط پر متولی بنا دیا تھا کہ اس جائیداد کی آمدنیاں انہیں مصارف میں خرچ کرتے رہیں گے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی اور ان دونوں حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی کہ بنو نضیر کی جائیداد تقسیم کر کے آدھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تولیت میں دے دی جائے اور آدھی کے متولی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درخواست کو نامنظور فرما دیا۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۳ باب فی وصایا رسول اللہ و بخاری ج ۱ ص ۴۳۶ باب فرض الخمس)

لیکن خیبر اور فدک کی زمینیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک خلفاء ہی

کے ہاتھوں میں رہیں حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے اس کو اپنی جاگیر بنالی تھی۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں پھر وہی عملدر آمد جاری کر دیا جو حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت میں تھا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۷ باب فی وصایا رسول اللہ مطبوعہ نامی پریس)

سواری کے جانور

زُرقانی علی المواہب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت میں سات گھوڑے پانچ خچر تین گدھے اور اونٹنیاں تھیں۔ (زُرقانی ج ۳ ص ۳۸۶ تا ص ۳۹۱)

لیکن اس میں یہ تشریح نہیں ہے کہ بوقت وفات ان میں سے کتنے جانور موجود تھے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جانور دوسروں کو عطا فرماتے رہتے تھے۔ کچھ نئے خریدتے کچھ ہدایا اور نذرانوں میں ملتے بھی رہے۔

بہر حال روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات اقدس کے وقت جو سواری کے جانور موجود تھے ان میں ایک گھوڑا تھا جس کا نام ''لحیف'' تھا ایک سفید خچر تھا جس کا نام ''دلدل'' تھا یہ بہت ہی عمر دراز ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک زندہ رہا اتنا بوڑھا ہو گیا تھا کہ اس کے تمام دانت گر گئے تھے اور آخر میں اندھا بھی ہو گیا تھا۔ ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنگ خوارج میں اس پر سوار ہوئے تھے۔ (زُرقانی ج ۳ ص ۳۸۹)

ایک عربی گدھا تھا جس کا نام ''عفیر'' تھا ایک اونٹنی تھی جس کا نام ''عضباء و قصواء'' تھا یہ وہی اونٹنی تھی جس کو بوقت ہجرت آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خریدا تھا اس اونٹنی پر آپ نے ہجرت فرمائی اور اس کی پشت پر حجۃ الوداع میں آپ نے عرفات و منیٰ کا خطبہ پڑھا تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہتھیار

چونکہ جہاد کی ضرورت ہر وقت درپیش رہتی تھی اس لئے آپ کے اسلحہ خانہ میں نو یا دس تلواریں، سات لوہے کی زرہیں چھ کمانیں، ایک تیردان، ایک ڈھال، پانچ برچھیاں، دو مغفر تین جبے ایک سیاہ رنگ کا بڑا جھنڈا باقی سفید و زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے اور ایک خیمہ بھی تھا۔

ہتھیاروں میں تلواروں کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ سب تلواریں بیک وقت جمع تھیں یا مختلف اوقات

میں آپ کے پاس رہیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۹۵)

ظروف ومختلف سامان

ظروف اور برتنوں میں کئی پیالے تھے ایک شیشہ کا پیالہ بھی تھا۔ ایک پیالہ لکڑی کا تھا جو پھٹ گیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے شگاف کو بند کرنے کیلئے ایک چاندی کی زنجیر سے اس کو جکڑ دیا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من ورع النبی)

چمڑے کا ایک ڈول' ایک پرانی مشک' ایک پتھر کا تغار' ایک بڑا سا پیالہ جس کا نام ''السعہ'' تھا ایک چمڑے کا تھیلا جس میں آپ آئینہ' قینچی اور مسواک رکھتے تھے ایک کنگھی ایک سرمہ دانی' ایک بہت بڑا پیالہ جس کا نام ''الغراء'' تھا صاع اور مد دو ناپنے کے پیانے۔

ان کے علاوہ ایک چارپائی جس کے پائے سیاہ لکڑی کے تھے دو یہ چارپائی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدیۃً خدمت اقدس میں پیش کی تھی بچھونا اور تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' مقدس جوتیاں' یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسباب وسامانوں کی ایک فہرست ہے جن کا تذکرہ احادیث میں متفرق طور پر آتا ہے۔

تبرکاتِ نبوت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان متروکہ سامانوں کے علاہ بعض یادگاری تبرکات بھی تھے۔ جن کو عاشقانِ رسول فرطِ عقیدت سے اپنے اپنے گھروں میں محفوظ کئے ہوئے تھے اور ان کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ موئے مبارک' نعلین شریفین اور ایک لکڑی کا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں آثار متبرکہ کو اپنے گھر میں محفوظ رکھا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من ورع النبی الخ)

اسی طرح ایک موٹا کمبل حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا جن کو وہ بطور تبرک اپنے پاس رکھے ہوئے تھیں' اور لوگوں کو اس کی زیارت کراتی تھیں۔ چنانچہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت مبارکہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے ایک موٹا کمبل نکالا اور فرمایا کہ یہ وہی کمبل ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من ورع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک تلوار جس کا نام ''ذوالفقار'' تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی ان کے بعد ان کے خاندان میں رہی۔ یہاں تک کہ یہ تلوار کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

پاس تھی اس کے بعد ان کے فرزند و جانشین حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید بن معاویہ کے پاس سے رخصت ہو کر مدینہ تشریف لائے تو مشہور صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ کو کوئی حاجت ہو یا میرے لائق کوئی کار خدمت ہو تو آپ مجھے حکم دیں میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے کوئی حاجت نہیں پھر حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش کی کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی جو تلوار (ذوالفقار) ہے کیا آپ وہ مجھے عنایت فرما سکتے ہیں؟ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یزید کی قوم آپ پر غالب آ جائے اور یہ تبرک آپ کے ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور اگر آپ نے اس مقدس تلوار کو مجھے عطا فرما دیا تو خدا کی قسم جب تک میری ایک سانس باقی رہے گی ان لوگوں کی اس تلوار تک رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقدس تلوار کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من درع النبی ﷺ)

آپ کی انگوٹھی اور عصائے مبارک پر جانشین ہونے کی بنا پر خلفائے کرام حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق و حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے دور خلافت میں قابض رہے مگر انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گر کر ضائع ہو گئی اس کنوئیں کا نام ''بیر اریس'' ہے جس کو لوگ ''بیر خاتم'' بھی کہتے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۷۲ باب خاتم الفضہ)

اور عصائے مبارک اس طرح ضائع ہوا کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مقدس عصائے نبوی کو اپنے دست مبارک میں لے کر مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ناگہاں بدنصیب ''جہجاہ غفاری'' اٹھا اور اچانک آپ کے ہاتھ سے اس مبارک تبرک کو لے کر توڑ ڈالا۔ اس بے ادبی سے اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کے ہاتھ میں کینسر ہو گیا اور پورا ہاتھ سڑ گل کر ٹوٹ پڑا اور اسی عذاب میں وہ ہلاک ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۱)

اسی قسم کے دوسرے اور بھی تبرکات نبویہ ہیں جو مختلف صحابہ کرام کے پاس محفوظ تھے جن کا تذکرہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں جابجا متفرق طور پر مذکور ہے اور ان مقدس تبرکات سے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو اس قدر والہانہ محبت تھی کہ وہ ان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

سترہواں باب

شمائل و خصائل

حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح کمال سیرت میں تمام اولین و آخرین سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ بنایا اسی طرح آپ کو جمالِ صورت میں بھی بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا۔ ہم اور آپ حضورِ اکرم ﷺ کی شانِ بے مثال کو بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں؟ حضرات صحابہ کرام جو دن رات سفر و حضر میں جمال نبوت کی تجلیاں دیکھتے رہے۔ انہوں نے محبوب خدا ﷺ کے جمالِ بے مثال کے فضل و کمال کی جو مصوری کی ہے اس کو سن کر یہی کہنا پڑتا ہے جو کسی مداحِ رسول نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ
اَبَدًا وَّعِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا يَخْلُقُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کا مثل پیدا فرمایا ہی نہیں اور میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کبھی نہ پیدا کرے گا۔ (حیوۃ الحیوان دمیری ج ۲ ص ۴۲)

صحابی رسول اور تاجدارِ دو عالم ﷺ کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں جمال نبوت کی شان بے مثال کو اس شان کے ساتھ بیان فرمایا کہ ؎

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِیْ!
وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

یعنی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ سے زیادہ حسن و جمال والا میری آنکھ نے کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ کمال والا کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ!
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

(یارسول اللہ! آپ ہر عیب و نقصان سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ ایسے ہی پیدا کئے گئے جیسے حسین و جمیل پیدا ہونا چاہیے تھے۔

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدۂ بردہ میں فرمایا کہ

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

یعنی حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوبیوں میں ایسے یکتا ہیں کہ اس معاملہ میں ان کا کوئی شریک ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں جو حسن کا جوہر ہے وہ قابل تقسیم ہی نہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے بھی اس مضمون کی عکاسی فرماتے ہوئے کتنے نفیس انداز میں فرمایا ہے کہ ؎

تری خلق کو حق نے ''عظیم'' کہا ترے خلق کو حق نے ''جمیل'' کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا' تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

بہر حال اس پر تمام امت کا ایمان ہے کہ تناسب اعضاء اور حسن و جمال میں حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال ہیں۔ چنانچہ حضرات محدثین و مصنفین سیرت نے روایات صحیحہ کے ساتھ آپ کے ہر ہر عضو شریفہ کے تناسب اور حسن و جمال کو بیان کیا ہے۔ ہم بھی اپنی اس مختصر کتاب میں ''حلیۂ مبارکہ'' کے ذکر جمیل سے حسن و جمال پیدا کرنے کے لئے اس عنوان پر حضرت مولانا محمد کامل صاحب چراغ ربانی نعمانی ولید پوری رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم حلیہ مبارکہ کے چند اشعار نقل کرتے ہیں تا کہ اس عالم کامل کی برکتوں سے بھی یہ کتاب سرفراز ہو جائے حضرت مولانا موصوف نے اپنی کتاب ''پنجہ نور'' میں تحریر فرمایا کہ۔

حلیہ مقدسہ

روحِ حق کا میں سراپا کیا لکھوں   حلیۂ نورِ خدا میں کیا لکھوں
پر جمالِ رحمۃ للعالمین   جلوہ گر ہو گا مکانِ قبر میں
اس لئے ہے آ گیا مجھ کو خیال   مختصر لکھ دوں جمالِ بے مثال
تا کہ یاروں کو مرے پہچان ہو   اور اس کی یاد بھی آسان ہو
تھا میانہ قد و اوسط پاک تن   پر سپید و سرخ تھا رنگ بدن
چاند کے ٹکڑے تھے اعضاء آپ کے   تھے حسین و گول سانچے میں ڈھلے

تھیں جبیں روشن کشادہ آپ کی   چاند میں ہے داغ وہ بے داغ تھی
دونوں ابرو تھیں مثالِ دو ہلال   اور دونوں کو ہوا تھا اِتصال
اِتصال دومہ ''عیدین'' تھا   یا کہ ادنیٰ قرب تھا ''قوسین'' کا
تھیں بڑی آنکھیں حسین و سرگیں   دیکھ کر قربان تھیں سب حور عیں
کان دونوں خوب صورت ارجمند   ساتھ خوبی کے دہن بینی بلند
صاف آئینہ تھا چہرہ آپ کا   صورت اپنی اس میں ہر اک دیکھتا
تابہ سینہ ریش محبوبِ الٰہ   خوب تھی گنجان مُو رنگ سیاہ
تھا سپید اکثر لباسِ پاک تن   ہو ازار وجبہ ویا پیرہن
سبز رہتا تھا عمامہ آپ کا   پر کبھی سود و سپید و صاف تھا
میں کہوں پہچان عمدہ آپ کی   دونوں عالم میں نہیں ایسا کوئی

جسمِ اطہر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا رنگ گورا سپید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا مقدس بدن چاندی سے ڈھال کر بنایا گیا ہے۔

(شمائل ترمذی ص۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک نہایت نرم و نازک تھا۔ میں نے دیباو حریر (ریشمیں کپڑوں) کو بھی آپ کے بدن سے زیادہ نرم و نازک نہیں دیکھا اور آپ کے جسم مبارک کی خوشبو سے زیادہ اچھی کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

(بخاری ج۱ ص۵۰۳ باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمک اٹھتا تھا کہ گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم لوگ اسی کیفیت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادمانی و مسرت کو پہچان لیتے تھے۔ (بخاری ج۱ ص۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

آپ کے رُخِ انور پر پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح ڈھلکتے تھے اور اس میں مشک و عنبر سے بڑھ کر خوشبو رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک چمڑے کا بستر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بچھا دیتی تھیں اور آپ اس پر دوپہر کو قیلولہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کے جسم اطہر کے پسینے کو وہ ایک شیشی میں جمع فرمالیتی تھیں پھر اس کو اپنی

خوشبو میں ملا لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت انس ؓ نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میرے بدن اور کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں حضورِ انور ﷺ کے جسم اطہر کا پسینہ ملا ہوا ہے۔ (بخاری ج۲ ص۹۲۹ باب من زار قوما فقال عندہم و بخاری ج۱ ص۳۶۵ حدیث الافک)

جسم انور کا سایہ نہ تھا

آپ کے قد مبارک کا سایہ نہ تھا۔ حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب ''نوادر الاصول'' میں حضرت ذکوان تابعی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا امام ابن سبع کا قول ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ اور آپ نور تھے اس لئے جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپکا سایہ نظر نہ آتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے جس میں آپ کی اس دعا کا ذکر ہے کہ آپ نے یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تو میرے تمام اعضاء کو نور بنا دے اور آپ نے اپنی اس دعا کو اس قول پر ختم فرمایا کہ ''وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا'' یعنی یا اللہ تو مجھ کو سراپا نور بنا دے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ سراپا نور تھے تو پھر آپ کا سایہ کہاں سے پڑتا؟

اسی طرح عبداللہ بن مبارک اور ابن الجوزی نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ (زرقانی ج۵ ص۲۴۹)

مکھی، مچھر، جوؤں سے محفوظ

حضرت امام فخر الدین رازی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور علامہ حجازی وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔ کہ بدن تو بدن، آپ کے کپڑوں پر بھی کبھی مکھی نہیں بیٹھی، نہ کپڑوں میں کبھی جوئیں پڑیں، نہ کبھی کھٹل یا مچھر نے آپ کو کاٹا، اس مضمون کو ابو الربیع سلیمان بن سبع نے اپنی کتاب ''شفاء الصدور فی اعلام نبوۃ الرسول'' میں بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نور تھے۔ پھر مکھیوں کی آمد، جوؤں کا پیدا ہونا چونکہ گندگی بدبو وغیرہ کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اور آپ چونکہ ہر قسم کی گندگیوں سے پاک اور آپ کا جسم اطہر خوشبودار تھا اس لئے آپ ان چیزوں سے محفوظ رہے۔ امام سبتی نے بھی اس مضمون کو ''اعظم الموارد'' میں مفصل لکھا ہے۔

(زرقانی ج۵ ص۲۴۹)

مہر نبوت

حضور اقدس ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر مہر نبوت تھی۔ یہ بظاہر سرخی مائل اُبھرا ہوا گوشت تھا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کی مقدار میں سرخ اُبھرا ہوا ایک غدود تھا۔ (شمائل ترمذی ص ۳ و ترمذی ج ۲ ص ۲۰۵)

لیکن ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اور اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ۔

اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ بِوَجْہٍ حَیْثُ کُنْتَ فَاِنَّکَ مَنْصُوْرٌ

یعنی اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں (اے رسول) آپ جہاں بھی رہیں گے آپ کی مدد کی جائے گی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔

”کَانَ نُوْرًا یَتَلَاْلَأُ“

یعنی مہر نبوت ایک چمکتا ہوا نور تھا۔ راویوں نے اس کی ظاہری شکل و صورت اور مقدار کو کبوتر کے انڈے سے تشبیہ دی ہے۔ (حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۵ باب ماجاء فی خاتم النبوۃ)

قد مبارک

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور ﷺ نہ بہت زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد' بلکہ آپ درمیانی قد والے تھے۔ اور آپ کا مقدس بدن انتہائی خوب صورت تھا۔ جب چلتے تھے تو کچھ خمیدہ ہو کر چلتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۱)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نہ طویل القامت تھے نہ پستہ قد' بلکہ آپ میانہ قد تھے۔ بوقتِ رفتار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں میں نے آپ کا مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱)

اس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ آپ میانہ قد تھے۔ لیکن یہ آپ کی معجزانہ شان ہے کہ میانہ قد ہونے کے باوجود اگر آپ ہزاروں انسانوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا سر مبارک سب سے زیادہ اونچا نظر آتا تھا۔

قد بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظل ممدود رافت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قفس جس کی ہیں قمریاں
اُس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

سرِ اقدس

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا حلیہ مبارک بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ضخم الراس" یعنی آپ کا سر مبارک "بڑا" تھا۔ (جو شاندار اور وجیہ ہونے کا نشان ہے۔ (شمائل ترمذی)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں　　اُس سرِ تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

مقدس بال

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک نہ گھونگھر دار تھے نہ بالکل سیدھے' بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان تھے۔ آپ کے مقدس بال پہلے کانوں کی لو تک تھے۔ پھر شانوں تک خوبصورت گیسو لٹکتے رہتے تھے۔ مگر حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے بالوں کو اتروا دیا۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قبلہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مقدس بالوں کی ان تینوں صورتوں کو اپنے دو شعروں میں بہت ہی نفیس و لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے کہ۔

گوش تک سنتے تھے فریاد کہ اب آئے تا دوش
کہ بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو
آخر حج غم اُمت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

آپ اکثر بالوں میں تیل بھی ڈالتے تھے اور کبھی کبھی کنگھی بھی کرتے تھے اور اخیر زمانہ میں بیچ سر میں مانگ بھی نکالتے تھے آپ کے مقدس بال آخر عمر تک سیاہ رہے سر اور داڑھی شریف میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ٤-٥)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جب اپنے مقدس بال اتروائے تو وہ صحابہ کرام میں بطور تبرک تقسیم ہوئے اور صحابہ کرام نے نہایت ہی عقیدت کے ساتھ ان موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور ان کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان مقدس بالوں کو ایک شیشی میں رکھ لیا تھا جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا کوئی مرض ہوتا تو آپ اس شیشی کو پانی میں ڈبو کر دیتی تھیں اور اس پانی سے شفا حاصل ہوتی تھی۔ (بخاری ج ٢ ص ٨٧٥ باب مایذکر فی الشیب)

؎ وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا　　لکۂ ابر رحمت پہ لاکھوں سلام

رُخِ انور

حضورِ اقدس ﷺ کا چہرۂ منور جمالِ الٰہی کا آئینہ اور انوارِ تجلی کا مظہر تھا۔ نہایت ہی وجیہ، پر گوشت اور کسی قدر گولائی لئے ہوئے تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ چاندنی رات میں دیکھا میں ایک مرتبہ چاند کی طرف دیکھتا اور ایک مرتبہ آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتا تو مجھے آپ کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ (چمک دمک) میں تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ کا چہرہ چاند کے مثل تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حلیہ مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ۔

مَنْ رَاٰہُ بَدَاھَۃً ھَابَہٗ وَمَنْ خَالَطَہٗ مَعْرِفَۃً اَحَبَّہٗ

جو آپ کو اچانک دیکھتا وہ آپکے رعب داب سے مرعوب ہو جاتا اور پہچاننے کے بعد آپ سے ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر خوبرو اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ (بخاری ج۱ص۵۰۲ باب صفۃ النبی ﷺ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ انور کے بارے میں یہ کہا فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْھَہٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْھَہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ۔ یعنی میں نے جب حضور ﷺ کے چہرۂ انور کو بغور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ ج۱ص۱۶۸ باب فضل الصدقہ)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا کہ۔

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

عربی زبان میں بھی کسی مداحِ رسول نے آپ کے رخِ انور کے حسن و جمال کا کتنا حسین منظر اور کتنی بہترین تشریح پیش کی۔

نَبِیُّ جَمَالٍ کُلُّ مَا فِیْہِ مُعْجِزٌ مِنَ
اَلْحُسْنِ لٰکِنْ وَجْھُہُ الْاٰیَۃُ الْکُبْرٰی
یُنَادِیْ بَلَالُ الْخَالِ فِیْ صَحْنِ خَدِّہٖ
یُطَالِعُ مِنْ لَاْلَاءِ غُرَّتِہٖ الْفَجْرَا

یعنی حضور ﷺ حسن و جمال کے بھی نبی ہیں، یوں تو ان کی ہر ہر چیز حسن کا معجزہ ہے لیکن خاص کر ان کا چہرہ تو آیت کبریٰ (بہت ہی بڑا معجزہ) ہے۔

ان کے رخسار کے صحن میں ان کے تل کا بلال ان کی روشن پیشانی کی چمک سے صبح صادق کو دیکھ کر اذان کہا کرتا تھا۔

محراب اَبرو

آپ کی بھوئیں دراز و باریک اور گھنے بال والی تھیں اور دونوں بھوئیں اس قدر متصل تھیں کہ دور سے دونوں ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور ان دونوں بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ابروئے مبارک کی مدح میں فرماتے ہیں کہ ؎

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

اور حضرت محسن کاکوروی علیہ الرحمۃ نے چہرۂ انور میں محراب ابرو کے حسن کی تصویر کشی کرتے ہوئے یہ لکھا کہ ؎

مہِ کامل میں مہِ نو کی یہ تصویریں ہیں یا کھنچی معرکۂ بدر میں شمشیریں ہیں

نورانی آنکھیں

آپ کی چشمان مبارک بڑی بڑی اور قدرتی طور پر سرگیں تھیں۔ پلکیں گھنی اور دراز تھیں۔ پتلی کی سیاہی خوب سیاہ اور آنکھ کی سفیدی خوب سفید تھی جن میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲ و دلائل النبوۃ ص ۵۴)

آپ کی مقدس آنکھوں کا یہ اعجاز ہے کہ آپ بہ یک وقت آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے دن رات، اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھا کرتے تھے۔

(زُرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۲۴۶ و خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۱)

چنانچہ بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ۔ اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَ رَاکُمْ مِنْ بَعْدِیْ (مشکوٰۃ ص۸۲ باب الرکوع)

یعنی اے لوگو! تم رکوع و سجود کو درست طریقے سے ادا کرو۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

صاحبِ مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ وَھِیَ مِنَ الْخَوَارِقِ الَّتِیْ اُعْطِیَھَا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (حاشیہ مشکوٰۃ ص۸۲ باب الرکوع)

یعنی یہ باب آپ کے ان معجزات میں سے ہے جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں۔

پھر آپ کی آنکھوں کا دیکھنا محسوسات ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ غیر مرئی و غیر محسوس چیزوں کو بھی جن کا آنکھوں سے دیکھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ دیکھ لیا کرتے تھے چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ وَاللّٰہُ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ

(بخاری ج۱ ص۵۹)

یعنی خدا کی قسم تمہارا رکوع و خشوع میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ سبحان اللہ! پیارے مصطفیٰ ﷺ کی نورانی آنکھوں کے اعجاز کا کیا کہنا! کہ پیٹھ کے پیچھے سے نمازیوں کے رکوع بلکہ ان کے خشوع کو بھی دیکھ رہے ہیں۔

”خشوع“ کیا چیز ہے؟

خشوع دل میں خوف اور عاجزی کی ایک کیفیت کا نام ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے۔ مگر نگاہ نبوت کا یہ معجزہ دیکھو کہ ایسی چیز کو بھی آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جو آنکھ سے دیکھی نہیں جا سکتی۔ سبحان اللہ! چشمانِ مصطفیٰ ﷺ کے اعجاز کی شان کا کیا کوئی بیان کر سکتا ہے؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم ”والنجم“ میں ہے آپ کی بینائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھایئے امی! تیری دانائی کی

بینی مبارک

آپ کی متبرک ناک خوبصورت دراز اور بلند تھی جس پر ایک نور چمکتا تھا، جو شخص بغور نہیں دیکھتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ آپ کی مبارک ناک بہت اونچی ہے حالانکہ آپ کی ناک بہت زیادہ اونچی نہ تھی بلکہ بلندی اس نور کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی جو آپ کی مقدس ناک کے اوپر جلوہ فگن تھا۔ (شمائل ترمذی ص۲ وغیرہ)

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

مقدس پیشانی

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ آپ کے چہرہ انور کا حلیہ بیان کرتے ہیں کہ ''واسع الجبین'' یعنی آپ کی مبارک پیشانی کشادہ اور چوڑی تھی۔ (شمائل ترمذی ص۲)

قدرتی طور سے آپ کی پیشانی پر ایک نورانی چمک تھی۔ چنانچہ دربار رسالت کے شاعر مداح رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی حسین و جمال نورانی منظر کو دیکھ کر یہ کہا ہے کہ۔

مَتٰی تَبْدُ فِی الدَّاجِی الْبَهِیْمِ جَبِیْنُهٗ!
یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجٰی الْمُتَوَقِّدِ

یعنی جب اندھیری رات میں آپ کی مقدس پیشانی ظاہر ہوتی ہے تو اس طرح چمکتی ہے جس طرح رات کی تاریکی میں روشن چراغ چمکتے ہیں۔

گوش مبارک

آپ کی آنکھوں کی طرح آپ کے کان مبارک میں بھی معجزانہ شان تھی۔ چنانچہ آپ نے خود اپنی زبان اقدس سے ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ یعنی میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم میں سے کوئی نہیں دیکھتا اور میں ان آوازوں کو سنتا ہوں جن کو تم میں سے کوئی نہیں سنتا۔ (خصائص کبریٰ ج۱ ص۶۷)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سمع و بصر کی قوت بے مثال اور معجزانہ شان رکھتی تھی کیونکہ آپ دور و نزدیک کی آوازوں کو یکساں طور پر سن لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے حلیف بنی خزاعہ نے جیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں تین دن کی مسافت

سے آپ کو اپنی امداد و نصرت کے لئے پکارا تو آپ نے ان کی فریاد سن لی۔ علامہ زُرقانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ لَا بُعْدَ فِیْ سَمَاعِہٖ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدْ کَانَ یَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَآءِ یعنی اگر حضورِ اقدس ﷺ نے تین دن کی مسافت سے ایک فریادی کی فریاد سن لی تو یہ آپ سے کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو زمین پر بیٹھے ہوئے آسمانوں کی چرچراہٹ کو سن لیا کرتے تھے بلکہ عرش کے نیچے چاند کے سجدہ میں گرنے کی آواز کو بھی سن لیا کرتے تھے۔ (خصائص کبریٰ ج۱ ص۵۳ و حاشیہ الدولۃ المکیہ ص۱۸۰)

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

دہن شریف

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کے رخسار نرم و نازک اور ہموار تھے۔ اور آپ کا منہ فراخ، دانت، کشادہ اور روشن تھے جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے دونوں اگلے دانتوں کے درمیان سے ایک نور نکلتا تھا اور جب کبھی اندھیرے میں آپ مسکرا دیتے تو دندانِ مبارک کی چمک سے روشنی ہو جاتی تھی۔

(شمائل ترمذی ص۲ و خصائص کبریٰ ج۱ ص۶۷)

آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے کہ ان کو کبھی جمائی نہیں آتی۔ کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوا کرتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام شیطان کے تسلط سے محفوظ و معصوم ہیں۔ (زُرقانی ج۵ ص۲۴۸)

وہ دہن جس کی ہر بات وحیٔ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

زبانِ اقدس

آپ کی زبانِ اقدس وحی الٰہی کی ترجمان اور سرچشمۂ آیات و مخزن معجزات ہے اس کی فصاحت و بلاغت اس قدر حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء آپ کے کلام کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

آپ کی مقدس زبان کی حکمرانی اور شان کا یہ اعجاز تھا کہ زبان سے جو فرما دیا وہ ایک آن میں معجزہ بن کر عالم وجود میں آ گیا ۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں　　اس کی نافذ حکمت پہ لاکھوں سلام
اسکی پیاری فصاحت پہ بے حد درود　　اسکی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

لعابِ دہن

آپ کا لعابِ دہن (تھوک) زخمیوں اور بیماریوں کے لئے شفاء اور زہروں کے لئے تریاقِ اعظم تھا۔ چنانچہ آپ کے معجزات کے بیان میں پڑھیں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں غار ثور کے اندر سانپ نے کاٹا۔ اس کا زہر آپ کے لعابِ دہن سے اتر گیا اور زخم اچھا ہو گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آشوبِ چشم کے لئے یہ لعابِ دہن ''شفاء العین'' بن گیا حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جنگ بدر کے دن تیر لگا اور پھوٹ گئی مگر آپ کے لعاب دہن سے ایسی شفا حاصل ہوئی کہ درد بھی جاتا رہا اور آنکھ کی روشنی بھی برقرار رہی۔

(زاد المعاد غزوۂ بدر)

حضرت ابوقتادہ کے چہرے پر تیر لگا' آپ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا فوراً ہی خون بند ہو گیا اور پھر زندگی بھر ان کو کبھی تیر و تلوار کا زخم نہ لگا۔ (اصابہ تذکرۂ ابوقتادہ)

شفاء کے علاوہ اور بھی لعاب دہن سے بڑی بڑی معجزانہ برکات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تو اس کا پانی اتنا شیریں ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی شیریں کنواں نہ تھا۔

(زُرقانی ج ۵ ص ۲۴۶)

امام بیہقی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن دودھ پیتے بچوں کو بلاتے تھے اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے تھے۔ اور ان کی ماؤں کو حکم دیتے تھے کہ وہ رات تک اپنے بچوں کو دودھ نہ پلائیں آپ کا یہی لعاب دہن ان بچوں کو اس قدر شکم سیر اور سیراب کر دیتا تھا کہ ان بچوں کو دن بھر نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس۔

(زُرقانی ج ۵ ص ۲۴۶)

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں　　اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے　　اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

آوازِ مبارک

یہ حضرات انبیاء کرام کے خصائص میں سے ہے کہ وہ خوب صورت اور خوش آواز ہوتے ہیں۔ لیکن حضورِ سید المرسلین ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ خوبرو اور سب سے بڑھ کر خوش گلو‘ خوش آواز اور خوش کلام تھے‘ خوش آوازی کے ساتھ ساتھ آپ اس قدر بلند آواز بھی تھے کہ خطبوں میں دور اور نزدیک والے سب یکساں اپنی اپنی جگہ پر آپ کا مقدس کلام سن لیا کرتے تھے۔ (زرقانی ج۴ ص۱۷۸)

جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

پرنور گردن

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک نہایت ہی معتدل‘ صراحی دار اور سڈول تھی۔ خوبصورتی اور صفائی میں نہایت ہی بے مثل خوب صورت اور چاندی کی طرح صاف و شفاف تھی۔ (شمائل ترمذی ص۲)

دستِ رحمت

آپ کی مقدس ہتھیلیاں چوڑی پر گوشت کلائیاں لمبی بازو دراز اور گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم اور دیبا کو آپ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم و نازک نہیں پایا اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بہتر اور بڑھ کر خوشبودار پایا۔

(بخاری ج۱ ص۵۰۲ باب صفۃ النبی ﷺ ج۲ ص۲۵۷)

جس شخص سے آپ مصافحہ فرماتے وہ دن بھر اپنے ہاتھوں کو خوشبودار پاتا۔

جس بچے کے سر پر آپ اپنا دست اقدس پھرا دیتے تھے وہ خوشبو میں تمام بچوں سے ممتاز ہوتا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ ہی نکلا۔ آپ کو دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے آپ کی طرف دوڑ پڑے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر اپنا دستِ رحمت پھیرنے لگے میں سامنے آیا تو میرے رخسار پر بھی آپ نے اپنا دست مبارک لگا دیا تو میں نے اپنے گالوں پر آپ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی اور ایسی

خوشبو آئی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ کسی عطر فروش کی صندوقچی میں سے نکالا ہے۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۵۶ باب طیب ریحہ ﷺ)

اس دست مبارک سے کیسے کیسے معجزات و تصرفات عالم ظہور میں آئے ان کا کچھ تذکرہ آپ معجزات کے بیان میں پڑھیں گے۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام
جس کو باردو عالم کی پروا نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستون ساعدین رسالت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم اُس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

شکم و سینہ

آپ کا شکم و سینہ اقدس دونوں ہموار اور برابر تھے۔ نہ سینہ شکم سے اونچا تھا نہ شکم سینہ سے۔ آپ کا سینہ چوڑا تھا اور سینہ کے اوپر کے حصہ سے ناف تک مقدس بالوں کی ایک پتلی سی لکیر چلی گئی تھی مقدس چھاتیاں اور پورا شکم بالوں سے خالی تھا۔ ہاں شانوں اور کلائیوں پر قدرے بال تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲)

آپ کا شکم صبر و قناعت کی ایک دنیا اور آپ کا سینہ معرفت الٰہی کے انوار کا سفینہ اور وحی الٰہی کا گنجینہ تھا۔

کل جہاں ملک، اور جو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

پائے اقدس

آپ کے مقدس پاؤں چوڑے، پر گوشت ایڑیاں کم گوشت والی تلوا اونچا جو زمین میں نہ لگتا تھا دونوں پنڈلیاں قدرے پتلی اور صاف و شفاف، پاؤں کی نرمی اور نزاکت کا یہ عالم تھا کہ ان پر پانی ذرا بھی نہیں ٹھہرتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص ۲، مدارج النبوۃ وغیرہ)

آپ چلنے میں بہت ہی وقار و تواضع کے ساتھ قدم شریف کو زمین پر رکھتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ چلنے میں میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لئے لپیٹی جاتی تھی ہم لوگ آپ کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اور تیز چلنے

سے مشقت میں پڑ جاتے تھے۔ مگر آپ نہایت ہی وقار و سکون کے ساتھ چلتے رہتے تھے۔ مگر پھر بھی ہم سب لوگوں سے آپ آگے ہی رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۱۰ وغیرہ)

ساقِ اصلِ قدم شاخ نخلِ کرم　　شمعِ راہ ہدایت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم　　اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

لباس

حضور ﷺ زیادہ تر سوتی لباس پہنتے تھے اون اور کتان کا لباس بھی کبھی کبھی آپ نے استعمال فرمایا ہے۔ لباس کے بارے میں کسی خاص پوشاک یا امتیازی لباس کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔ جبہ، قبا، پیرہن، تہبند، حلہ، چادر، عمامہ، ٹوپی، موزہ ان سب کو آپ نے زیب تن فرمایا ہے۔ پائجامہ کو آپ نے پسند فرمایا اور منیٰ کے بازار میں ایک پائجامہ خریدا بھی تھا۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ کبھی آپ نے پائجامہ پہنا ہو۔

عمامہ

آپ عمامہ میں شملہ چھوڑتے تھے جو کبھی ایک شانہ پر اور کبھی دونوں شانوں کے درمیان پڑا رہتا تھا آپ کا عمامہ سفید، سبز، زعفرانی، سیاہ رنگ کا تھا۔ فتح مکہ کے دن آپ کالے رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۹ وغیرہ)

عمامہ کے نیچے ٹوپی ضرور ہوتی تھی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں یہی فرق و امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔

(ابوداؤد باب العمائم ص۲۰۹ ج۲ مجتبائی)

چادر

یمن کی تیار شدہ سوتی دھاری دار چادریں جو عرب میں ''حبرہ'' یا بردیمانی کہلاتی تھیں آپ کو بہت زیادہ پسند تھیں۔ اور آپ ان چادروں کو بکثرت استعمال فرماتے تھے کبھی کبھی سبز رنگ کی چادر بھی آپ نے استعمال فرمائی ہے۔

(ابوداؤد ج۲ ص۲۰۷ باب فی الخضرۃ مجتبائی)

کمبل

آپ کمبل بھی بکثرت استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ بوقتِ وفات بھی ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بردہ ؓ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے ایک موٹا

کمبل اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند نکالا اور فرمایا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضور ﷺ نے وفات پائی۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۰۶ باب ماجاء فی الثوب)

نعلین اقدس

حضور ﷺ کی نعلین اقدس کی شکل و صورت اور نقشہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے ہندوستان میں چپل ہوتے ہیں۔ چمڑے کا ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ آپ کی مقدس جوتیوں میں دو تسمے عام طور پر لگے ہوتے تھے جو کروم چمڑے کے ہوا کرتے تھے۔

(شمائل ترمذی ص ۷ وغیرہ)

پسندیدہ رنگ

آپ نے سفید' سیاہ' سبز' زعفرانی رنگوں کے کپڑے استعمال فرمائے ہیں۔ مگر سفید کپڑا آپ کو بہت زیادہ محبوب و مرغوب تھا' سرخ رنگ کے کپڑوں کو آپ بہت زیادہ ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ناگواری ظاہر فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ یہ کپڑا کیسا ہے؟ انہوں نے ان کپڑوں کو جلا دیا آپ نے سنا تو فرمایا کہ اس کو جلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کسی عورت کو دے دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ عورتوں کے لئے سرخ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ ایک مرتبہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو دو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اس نے آپ کو سلام کیا' تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷' ۲۰۸ باب فی الحمرۃ)

انگوٹھی

جب آپ نے بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ سلاطین بغیر مہر والے خطوط کو قبول نہیں کرتے تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر اُوپر تلے تین سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ کیا ہوا تھا۔ (محمد رسول اللہ) (شمائل ترمذی ص ۷ وغیرہ)

خوشبو

آپ کو خوشبو بہت زیادہ پسند تھی آپ ہمیشہ عطر کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حالانکہ خود آپ کے جسم اطہر سے ایسی خوشبو نکلتی تھی کہ جس گلی میں سے آپ گزر جاتے تھے وہ گلی

معطر ہو جاتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کے لئے وہ خوشبو بہتر ہے کہ وہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے کوئی آپ کے پاس خوشبو بھیجتا تو آپ کبھی رد نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ خوشبو کے تحفہ کو رد مت کرو۔ کیونکہ یہ جنت سے نکلی ہوئی ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۱۵)

سرمہ

حضور ﷺ روزانہ رات کو ''اِثمد'' کا سرمہ لگایا کرتے تھے آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ اثمد کا سرمہ لگایا کرو یہ نگاہ کو روشن اور تیز کرتا ہے اور پلک کے بال اُگاتا ہے۔

(شمائل ترمذی ص ۵)

سواری

گھوڑے کی سواری آپ کو بہت پسند تھی' گھوڑوں کے علاوہ اونٹ' خچر حمار (عربی گدھا جو گھوڑے سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے) پر بھی سواری فرمائی ہے۔

(صحیحین وغیرہ کتب احادیث وسیر)

نفاست پسندی

حضورِ اقدس ﷺ کا مزاجِ اقدس نہایت ہی لطیف اور نفاست پسند تھا ایک آدمی کو آپ نے میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو ناگواری کے ساتھ ارشاد فرمایا: کہ اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ یہ اپنے کپڑوں کو دھولیا کرے؟ اسی طرح ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال اُلجھے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ کیا اس کو کوئی ایسی چیز (تیل کنگھی) نہیں ملتی کہ یہ اپنے بالوں کو سنوارے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷ باب فی الخلقان الخ مجتبائی)

اسی طرح ایک آدمی آپ کے پاس بہت ہی خراب قسم کے کپڑے پہنے ہوئے آ گیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ مال بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں میرے پاس اونٹ بکریاں گھوڑے غلام سبھی قسم کے مال ہیں! تو آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے تو چاہیے کہ تمہارے اوپر اس کی نعمتوں کا کچھ نشان بھی نظر آئے (یعنی اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنو)۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷ مجتبائی)

مرغوب غذائیں

حضورِ اقدس ﷺ کی مقدس زندگی چونکہ بالکل ہی زاہدانہ اور صبر و قناعت کا مکمل نمونہ تھی اس لئے آپ کبھی لذیذ اور پر تکلف کھانوں کی خواہش ہی نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی آپ نے چپاتی نہیں کھائی پر بھی بعض کھانے آپ کو بہت پسند تھے جن کو بڑی رغبت کے ساتھ آپ تناول فرماتے تھے۔ مثلاً عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جو ''حیس'' کہلاتا ہے یہ گھی پنیر اور کھجور ملا کر پکایا جاتا ہے اس کو آپ بڑی رغبت کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

جو کی موٹی موٹی روٹیاں اکثر غذا میں استعمال فرماتے سالنوں میں گوشت' سرکہ' شہد' روغن زیتون' کدو خصوصیت کے ساتھ مرغوب تھے۔ گوشت میں کدو پڑا ہوتا تو پیالہ میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے تناول فرماتے تھے۔

آپ نے بکری' دنبہ' بھیڑ' اونٹ' گورخر' خرگوش' مرغ' بٹیر' مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ اسی طرح کھجور اور ستو بھی بکثرت تناول فرماتے تھے۔ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھجور کے ساتھ ککڑی ملا کر روٹی کے ساتھ کھجور بھی کبھی کبھی تناول فرمایا کرتے تھے۔ انگور' انار وغیرہ پھل فروٹ بھی کھایا کرتے تھے۔

ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا دودھ میں کبھی پانی ملا کر اور کبھی خالص دودھ نوش فرماتے کبھی کشمش اور کھجور پانی میں ملا کر اس کا رس پیتے تھے جو کچھ پیتے تین سانس میں نوش فرماتے۔

ٹیبل (میز) پر کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا' ہمیشہ کپڑے یا چمڑے کے دسترخوان پر کھانا کھاتے' مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر یا لیٹ کر' کبھی کچھ نہ کھاتے نہ اس کو پسند فرماتے کھانا صرف انگلیوں سے تناول فرماتے' چمچہ کانٹا وغیرہ سے کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہاں ابلے ہوئے گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کاٹ کر بھی کھاتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

روزمرہ کے معمولات

احادیثِ کریمہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنے دن رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک خدا کی عبادت کے لئے' دوسرا عام مخلوق کے لئے تیسرا

اپنی ذات کے لئے۔

عام طور پر آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد آپ اپنے مصلّٰی پر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ آفتاب خوب بلند ہو جاتا۔ عام لوگوں سے ملاقات کا یہی خاص وقت تھا لوگ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنی حاجات وضروریات کو آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے۔ آپ ان کی ضروریات کو پوری فرماتے' اور لوگوں کو مسائل واحکام اسلام کی تعلیم و تلقین فرماتے' اپنے اور لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے۔ اس کے بعد مختلف قسم کی گفتگو فرماتے کبھی کبھی لوگ زمانہ جاہلیت کی باتوں اور رسموں کا تذکرہ کرتے اور ہنستے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مسکرا دیتے' کبھی کبھی صحابہ کرام آپ کو اشعار بھی سناتے۔

(مشکوٰۃ ج۲ ص۴۰۶ باب الضحک)(ابوداؤد ج۲ ص۳۱۸ باب فی الرجل یجلس متربعًا)

اکثر اسی وقت میں مالِ غنیمت اور وظائف کی تقسیم بھی فرماتے۔ جب سورج خوب بلند ہو جاتا تو کبھی چار رکعت کبھی آٹھ رکعت نماز چاشت ادا فرماتے پھر ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور گھریلو ضروریات کے بندوبست میں مصروف ہو جاتے اور گھر کے کام کاج میں ازواجِ مطہرات کی مدد فرماتے۔

(بخاری ج۱ ص۹۳ باب من کان فی حاجۃ اہلہ)

نمازِ عصر کے بعد آپ تمام ازواجِ مطہرات کو شرفِ ملاقات سے سرفراز فرماتے اور سب کے حجروں میں تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر کچھ گفتگو فرماتے پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے' تمام ازواجِ مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں' عشاء تک آپ ان سے بات چیت فرماتے رہتے پھر نماز عشاء کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور مسجد سے واپس آ کر آرام فرماتے اور عشاء کے بعد بات چیت کو ناپسند فرماتے۔ (مسلم ج۱ ص۴۷۲ باب القسم بین الزوجات)

سونا جاگنا

نمازِ عشاء پڑھ کر آرام کرنا عام طور پر یہی آپ کا معمول تھا' سونے سے پہلے قرآن مجید کی کچھ سورتیں ضرور تلاوت فرماتے اور کچھ دعاؤں کا بھی ورد فرماتے۔ پھر اکثر یہ دعا پڑھ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے کہ۔

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی یااللہ! تیرا نام لے کر وفات پاتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

نیند سے بیدار ہوتے تو اکثر یہ دعا پڑھتے کہ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا — اس خدا کیلئے حمد ہے، جس نے موت کے بعد
وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ — ہم کو زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا

آدھی رات یا پہر رات رہے بستر سے اٹھ جاتے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ تلاوت فرماتے مختلف دعاؤں کا وظیفہ فرماتے، خصوصیت کے ساتھ نمازِ تہجد ادا فرماتے تہجد کی نماز میں کبھی لمبی لمبی کبھی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ضعف پیری میں کبھی کچھ رکعتیں بیٹھ کر بھی ادا فرماتے، نمازِ تہجد کے بعد وتر پڑھتے اور پھر صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد سنت فجر ادا فرما کر نمازِ فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے کبھی کبھی کئی کئی بار رات میں سوتے اور جاگتے اور قرآن مجید کی آیات تلاوت فرماتے اور کبھی ازواجِ مطہرات سے گفتگو بھی فرماتے۔ (صحاح ستہ وغیرہ)

رفتار

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت ہی باوقار رفتار کے ساتھ چلتے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ بوقت رفتار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذرا جھک کر چلتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ اس قدر تیز چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے قدموں کے نیچے سے لپٹی جا رہی ہے ہم لوگ آپ کے ساتھ چلنے میں ہانپنے لگتے اور مشقت میں پڑ جاتے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا تکلف بغیر کسی مشقت کے تیز رفتاری کے ساتھ چلتے رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۹)

کلام

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت تیزی کے ساتھ جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے تھے۔ بلکہ کلام اتنا صاف اور واضح ہوتا تھا کہ سننے والے اس کو سمجھ کر یاد کر لیتے تھے اگر کوئی اہم بات ہوتی تو اس جملہ کو کبھی کبھی تین تین مرتبہ فرما دیتے تا کہ سامعین اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ آپ کو "جوامع الکلم" کا معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ مختصر سے جملہ میں لمبی چوڑی بات کو بیان فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ بلا ضرورت گفتگو نہیں

فرماتے تھے بلکہ اکثر خاموش ہی رہتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۱۵)

دربارِ نبوت

حضور تاجدارِ دو عالم ﷺ کا دربار سلاطین اور بادشاہوں جیسا دربار نہ تھا یہ دربار تخت و تاج، نقیب و دربان، پہرہ دار اور باڈی گارڈ وغیرہ کے تکلفات سے قطعاً بے نیاز تھا۔ مسجد نبوی کے صحن میں صحابہ کرام نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا تھا۔ یہی تاجدار رسالت کا وہ تختِ شاہی تھا جس پر ایک چٹائی بچھا کر دونوں عالم کے تاجدار اور شہنشاہ کونین رونق افروز ہوتے تھے۔ مگر اس سادگی کے باوجود جلالِ نبوت سے ہر شخص اس دربار میں پیکر تصویر نظر آتا تھا۔ بخاری شریف وغیرہ کی روایات میں آیا ہے کہ لوگ آپ کے دربار میں بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں کوئی ذرا جنبش نہیں کرتا تھا۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۹۸)

آپ اپنے اس دربار میں سب سے پہلے اہل حاجت کی طرف توجہ فرماتے اور سب کی درخواستوں کو سن کر ان کی حاجت روائی فرماتے۔ قبائل کے نمائندوں سے ملاقاتیں فرماتے تمام حاضرین کمال ادب سے سر جھکائے رہتے اور جب آپ کچھ ارشاد فرماتے تو مجلس پر سناٹا چھا جاتا اور سب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر شہنشاہ کونین ﷺ کے فرمان نبوت کو سنتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۸۰ شروط فی الجہاد)

آپ کے دربار میں آنے والوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی امیر و فقیر شہری اور بدوی سب قسم کے لوگ حاضر دربار ہوتے اور اپنے اپنے لہجوں میں سوال و جواب کرتے کوئی شخص اگر بولتا تو خواہ وہ کتنا ہی غریب و مسکین کیوں نہ ہو مگر دوسرا شخص اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا امیر کبیر ہو اس کی بات کاٹ کر بول نہیں سکتا تھا۔ سبحان اللہ!

وہ عادل جس کے میزان عدالت میں برابر ہیں
غبار مسکنت ہو یا وقارِ تاجِ سلطانی

جو لوگ سوال و جواب میں حد سے زیادہ بڑھ جاتے تو آپ کمال حلم سے برداشت فرماتے اور سب کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم و تلقین اور مواعظ نصائح فرماتے رہتے اور اپنے مخصوص اصحاب سے مشورہ بھی فرماتے رہتے اور صلح و جنگ اور امت کے نظام و انتظام

کے بارے میں ضروری احکام بھی صادر فرمایا کرتے تھے۔ اسی دربار میں آپ مقدمات کا فیصلہ بھی فرماتے تھے۔

تاجدارِ دوعالم کے خطبات

نبی ورسول چونکہ دین کے داعی اور شریعتِ ملت کے مبلغ ہوتے ہیں اور تعلیم شریعت اور تلقین دین کا بہترین ذریعہ خطبہ اور وعظ ہی ہے اس لئے ہر نبی ورسول کا خطیب اور واعظ ہونا ضروریات ولوازمِ نبوت میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رسالت سے سرفراز فرما کر فرعون کے پاس بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت یہ دعا مانگی کہ۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (طٰہٰ)

اے میرے رب میرا سینہ کھول دے میرے لئے میرا کام آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ تمام رسولوں کے سردار اور سب نبیوں کے خاتم ہیں اس لئے خداوند قدوس نے آپ کو خطابت وتقریر میں ایسا بے مثال کمال عطا فرمایا کہ آپ افصح العرب (تمام عرب میں سب سے بڑھ کر فصیح) ہوئے اور آپ کو جوامع الکلم کا معجزہ بخشا گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ میں معانی ومطالب کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا اور آپ کے جوش تکلم کی تاثیرات سے سامعین کے دلوں کی دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا ہو جاتا تھا۔

چنانچہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے سوا سینکڑوں مواقع پر آپ نے ایسے ایسے فصیح وبلیغ خطبات اور مؤثر مواعظ ارشاد فرمائے کہ فصحاء عرب حیران رہ گئے اور ان خطبوں کے اثرات وتاثیرات سے بڑے بڑے سنگدلوں کے دل موم کی طرح پگھل گئے اور دم زدن میں ان کے قلوب کی دنیا ہی بدل گئی۔

چونکہ آپ مختلف حیثیتوں کے جامع تھے۔ اس لئے آپ کی یہ مختلف حیثیات آپ کے خطبات کے طرز بیان پر اثر انداز ہوا کرتی تھیں۔ آپ ایک دین کے داعی بھی تھے فاتح بھی تھے امیر لشکر بھی تھے مصلح قوم بھی تھے فرماں روا بھی تھے اس لئے ان حیثیتوں کے لحاظ سے

آپ کے خطبات میں قسم قسم کا زور بیان اور طرح طرح کا جوشِ کلام ہوا کرتا تھا۔ جوشِ بیان کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات خطبہ کے دوران میں آپ کی آنکھیں، سرخ اور آواز بہت ہی بلند ہو جاتی تھی اور جلالِ نبوت کے جذبات سے آپ کے چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہو جاتے تھے بار بار انگلیوں کو اٹھا اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی لشکر کو للکار رہے ہیں۔ (مسلم جلد ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعہ)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پر جوش خطبہ اور تقریر کے جوش و خروش کی بہترین تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

> میں نے حضور ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ خداوند جبار آسمانوں اور زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا پھر فرمائے گا کہ میں جبار ہوں، میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جبار لوگ؟ کدھر ہیں متکبرین؟ یہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ کبھی مٹھی بند کر لیتے کبھی مٹھی کھول دیتے اور آپ کا جسم اقدس (جوش میں) کبھی دائیں کبھی بائیں جھک جھک جاتا یہاں تک کہ میں نے یہ دیکھا کہ منبر کا نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ میں (اپنے دل میں) یہ کہنے لگا کہ کہیں یہ منبر آپ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔ (ابن ماجہ ص ۳۲۶ ذکر البعث)

آپ نے منبر پر، زمین پر، اونٹ کی پیٹھ پر، کھڑے ہو کر جیسا موقع پیش آیا خطبہ دیا ہے کبھی کبھی آپ نے طویل خطبات بھی دیئے۔ لیکن عام طور پر آپ کے خطبات بہت مختصر مگر جامع ہوتے تھے۔

میدانِ جنگ میں آپ کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے اور مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ پڑھتے وقت دستِ مبارک میں ''عصا'' ہوتا تھا۔

(ابن ماجہ ص ۷۹ باب ما جاء فی الخطبہ یوم الجمعہ)

آپ کے خطبوں کے اثرات کا یہ عالم ہوتا تھا کہ بعض مرتبہ سخت سے سخت اشتعال انگیز موقعوں پر آپ کے چند جملے محبت کا دریا بہا دیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن آپ نے ایسا اثر انگیز اور ولولہ خیز خطبہ پڑھا کہ میں نے کبھی ایسا خطبہ نہیں سنا تھا درمیان خطبہ میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ، زبانِ مبارک سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ سامعین کا یہ حال ہو گیا کہ

لوگ کپڑوں میں منہ چھپا چھپا کر زاروقطار رونے لگے۔ (بخاری جلد۲ ص ۶۶۵ تفسیر سورۂ مائدہ)

سرورِ کائنات کی عبادات

حضورِ اقدس ﷺ باوجود بے شمار مشاغل کے اتنے بڑے عبادت گزار تھے کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی مقدس زندگیوں میں اس کی مثال ملنی دشوار ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تمام انبیاء سابقین کے بارے میں صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اور ان کے کون کون سے اوقات عبادتوں کے لئے مخصوص تھے؟ تمام انبیاء کرام کی امتوں میں یہ فخر و شرف صرف حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے صحابہ ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی عبادات کے تمام طریقوں' ان کے اوقات و کیفیات غرض اس کے ایک ایک جزیہ کو محفوظ رکھا ہے۔ گھروں کے اندر اور راتوں کی تاریکیوں میں آپ جو اور جس قدر عبادتیں فرماتے تھے ان کو ازواجِ مطہرات نے دیکھ کر یاد رکھا اور ساری امت کو بتا دیا اور گھر کے باہر کی عبادتوں کو حضرات صحابہ کرام نے نہایت ہی اہتمام کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیا اور آپ کے قیام و قعود' رکوع و سجود اور ان کی کیات و کیفیات' اذکار اور دعاؤں کے بعینہٖ الفاظ یہاں تک کہ آپ کے ارشادات' اور خضوع و خشوع کی کیفیات کو بھی اپنی یادداشت کے خزانوں میں محفوظ کر لیا۔ پھر امت کے سامنے ان عبادتوں کا اس قدر چرچا کیا کہ نہ صرف کتابوں کے اوراق میں وہ محفوظ ہو کر رہ گئے بلکہ امت کے ایک ایک فرد' یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کو بھی ان کا علم حاصل ہو گیا۔ اور آج مسلمانوں کا ایک ایک بچہ خواہ وہ کرۂ زمین کے کسی بھی گوشہ میں رہتا ہو اس کو اپنے نبی کی عبادتوں کے مکمل حالات معلوم ہیں' اور وہ ان عبادتوں پر اپنے نبی کی اتباع میں جوش ایمان اور جذبۂ عمل کے ساتھ کاربند ہے۔ آپ کی عبادتوں کا ایک اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

نماز

اعلانِ نبوت سے قبل بھی آپ غار حرا میں قیام و مراقبہ اور ذکر و فکر کے طور پر خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے نزول وحی کے بعد ہی آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتا دیا گیا' پھر شب معراج میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ حضور ﷺ نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز اشراق' نماز چاشت' تحیۃ الوضوء' تحیۃ المسجد' صلوٰۃ الاوابین وغیرہ سنن و نوافل بھی ادا فرماتے تھے۔

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے تمام عمر نماز تہجد کے پابند رہے، راتوں کے نوافل کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نماز عشاء کے بعد کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر تک اٹھ کر نماز پڑھتے پھر سو جاتے پھر اٹھ کر نماز پڑھتے۔ غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی کبھی دو تہائی رات گزر جانے کے بعد بیدار ہوتے اور صبح صادق تک نمازوں میں مشغول رہتے کبھی نصف رات گزر جانے کے بعد بستر سے اٹھ جاتے اور پھر ساری رات بستر پر پیٹھ نہیں لگاتے تھے اور لمبی لمبی سورتیں نمازوں میں پڑھا کرتے کبھی رکوع و سجود طویل ہوتا کبھی قیام طویل ہوتا کبھی چھ رکعت، کبھی آٹھ رکعت کبھی اس سے کم، کبھی اس سے زیادہ، اخیر عمر شریف میں کچھ رکعتیں کھڑے ہو کر، کچھ بیٹھ کر ادا فرماتے، نماز وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا فرماتے، رمضان شریف خصوصاً آخری عشرہ میں آپ کی عبادت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ آپ ساری رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات سے بے تعلق ہو جاتے تھے اور گھر والوں کو نمازوں کے لئے جگایا کرتے تھے اور عموماً اعتکاف فرماتے تھے۔ نمازوں کے ساتھ ساتھ کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر، کبھی سربسجود ہو کر نہایت آہ و زاری اور گریہ و بکا کے ساتھ گڑگڑا کر راتوں میں دعائیں بھی مانگا کرتے، رمضان شریف میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن عظیم کا دور بھی فرماتے اور تلاوت قرآن مجید کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی مختلف دعاؤں کا ورد بھی فرماتے تھے اور کبھی کبھی ساری رات نمازوں اور دعاؤں میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ پائے اقدس میں ورم آجایا کرتا تھا۔ (صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث)

روزہ

رمضان شریف کے روزوں کے علاوہ شعبان میں بھی قریب قریب مہینہ بھر آپ روزہ دار ہی رہتے تھے۔ سال کے باقی مہینوں میں بھی یہی کیفیت رہتی تھی کہ اگر روزہ رکھنا شروع فرما دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہیں چھوڑیں گے، پھر ترک فرما دیتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے، خاص کر ہر مہینے میں تین دن ایام بیض کے روزے، دوشنبہ و جمعرات کے روزے، عاشوراء کے روزے عشرہ ذوالحجہ کے روزے، شوال کے چھ روزے، معمولاً رکھا کرتے تھے کبھی کبھی آپ "صوم وصال" بھی رکھتے تھے یعنی کئی کئی دن رات کا ایک روزہ، مگر اپنی امت کو ایسا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں ارشاد فرمایا کہ تم میں مجھ جیسا کون

ہے؟ میں اپنے رب کے دربار میں رات بسر کرتا ہوں اور وہ مجھ کو (روحانی غذا) کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (بخاری و مسلم صوم وصال)

زکوٰۃ

چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر خداوند قدوس نے زکوٰۃ فرض ہی نہیں فرمائی ہے اس لئے آپ پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں تھی۔ (زرقانی ج۸ ص۹۰) لیکن آپ کے صدقات و خیرات کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے پاس سونا چاندی یا تجارت کا کوئی سامان یا مویشوں کا کوئی ریوڑ رکھتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ جو کچھ بھی آپ کے پاس آتا سب خدا کی راہ میں مستحقین پر تقسیم فرما دیا کرتے تھے آپکو یہ گوارا ہی نہیں تھا کہ رات بھر کوئی مال و دولت کاشانۂ نبوت میں رہ جائے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق پڑا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آ گئی کہ وہ شام تک تقسیم کرنے کے باوجود ختم نہ ہو سکی تو آپ رات بھر مسجد ہی میں رہ گئے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر یہ خبر دی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ساری رقم تقسیم ہو چکی تو آپ نے اپنے مکان میں قدم رکھا۔

(ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین)

حج

اعلانِ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ نے دو یا تین حج کئے۔

(ترمذی باب کم حج النبی او ابن ماجہ)

لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے سن ۱۰ھ میں آپ نے ایک حج فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے جس کا مفصل تذکرہ گزر چکا۔

حج کے علاوہ ہجرت کے بعد آپ نے چار عمرے بھی ادا فرمائے۔

(ترمذی و بخاری و مسلم کتاب الحج)

ذکر الٰہی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ہر وقت ہر گھڑی ہر لحظہ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الطہارۃ وغیرہ)

اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سواری سے اترتے، سفر میں جاتے، سفر سے واپس ہوتے، بیت الخلاء میں داخل ہوتے اور نکلتے، مسجد میں آتے جاتے، جنگ کے وقت آندھی، بارش، بجلی کڑکتے وقت، ہر

وقت ہر حال میں دعائیں وردِ زبان رہتی تھیں، خوشی اور غمی کے اوقات میں، صبح صادق طلوع ہونے کے وقت، غروبِ آفتاب کے وقت، مرغ کی آواز سن کر، گدھے کی آواز سن کر، غرض کون سا ایسا موقع تھا کہ آپ کوئی دعا نہ پڑھتے دن ہی میں نہیں بلکہ رات کے سناٹوں میں بھی برابر دعا خوانی اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے یہاں تک کہ بوقتِ وفات بھی جو فقرہ بار بار وردِ زبان رہا وہ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کی دعا تھی۔

(صحاح ستہ و حصن حصین وغیرہ کتب احادیث)

اٹھارہواں باب

اخلاقِ نبوت

آپ کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں خلقِ خدا سے کیا پوچھنا؟ جب کہ خود خالقِ اخلاق نے یہ فرمادیا کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ یعنی اے حبیب! بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے درجہ پر ہیں آج تقریباً چودہ سو برس گزر جانے کے بعد دشمنانِ رسول کی کیا مجال کہ آپ کو بداخلاق کہہ سکیں اس وقت جب کہ آپ اپنے دشمنوں کے مجمعوں میں اپنے عملی کردار کا مظاہرہ فرما رہے تھے۔ خداوند قدوس نے قرآن میں اعلان فرمایا کہ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)	(اے حبیب) خدا کی رحمت سے آپ لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آتے ہیں اگر آپ کہیں بداخلاق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ جاتے۔

دشمنانِ رسول نے قرآن کی زبان سے یہ خدائی اعلان سنا، مگر کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اس کے خلاف کوئی بیان دیتا، یا اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کو جھٹلاتا، بلکہ آپ کے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ آپ بہت ہی بلند اخلاق، نرم خو اور رحیم و کریم ہیں۔

بہر حال حضور نبی کریم ﷺ محاسنِ اخلاق کے تمام گوشوں کے جامع تھے۔ یعنی حلم و عفو، رحم و کرم، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار و قربانی، مہمان نوازی، عدم تشدد، شجاعت، ایفاء عہد، حسن معاملہ، صبر و قناعت، نرم گفتاری، خوشروئی، ملنساری، مساوات، غمخواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع و انکساری، حیاداری کی اتنی بلند منزلوں پر آپ فائز و سرفراز ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک جملے میں اس کی صحیح تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ" یعنی تعلیمات قرآن پر پورا پورا عمل یہی آپ کے اخلاق تھے۔

اخلاق نبوت کا ایک مفصل وعظ ہم نے اپنی کتاب ''حقانی تقریریں'' میں تحریر کر دیا ہے یہاں بھی ہم اخلاق نبوت کے ''شجرۃ الخلد'' کی چند شاخوں کے کچھ پھول پھل پیش کر دیتے ہیں تا کہ ہم اور آپ ان پر عمل کر کے اپنی اسلامی زندگی کو کامل واکمل بنا کر عالم اسلام میں مکمل مسلمان بن جائیں اور دار العمل سے دار الجزاء تک خداوند عزوجل کے شامیانہ رحمت میں اس کے اعلیٰ وافضل انعاموں کے میٹھے میٹھے پھل کھاتے رہیں۔ **وَاللّٰہُ تَعَالٰی ھو الموفق و المعین۔**

حضور ﷺ کی عقل

چونکہ تمام علمی وعملی اور اخلاقی کمالات کا دارومدار عقل ہی پر ہے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل کے بارے میں بھی کچھ تحریر کر دینا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہم یہاں صرف ایک حوالہ تحریر کرتے ہیں۔

> وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اکہتر کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ جب سے دنیا عالم وجود میں آئی ہے اس وقت سے قیامت تک کے تمام انسانوں کی عقلوں کا اگر حضور ﷺ کی عقل شریف سے موازنہ کیا جائے تو تمام انسانوں کی عقلوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل شریف سے وہی نسبت ہو گی جو ایک ریت کے ذرے کو تمام دنیا کے ریگستانوں سے نسبت ہے۔ یعنی تمام انسانوں کی عقلیں ایک ریت کے ذرے کے برابر ہیں اور حضور ﷺ کی عقل شریف تمام دنیا کے ریگستانوں کے برابر ہے اس حدیث کو ابو نعیم محدث نے حلیہ میں روایت کیا اور محدث ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(زرقانی ج۴ص۲۵۰ وشفاء شریف ج۱ص۴۲)

حلم وعفو

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جو پہلے ایک یہودی عالم تھے انہوں نے حضور ﷺ سے کھجوریں خریدی تھیں۔ کھجوریں دینے کی مدت میں ابھی ایک دو دن باقی تھے کہ انہوں نے بھرے مجمع میں حضور ﷺ سے انتہائی تلخ وترش لہجے میں سختی کے ساتھ تقاضا کیا اور آپ کا دامن اور چادر پکڑ کر نہایت تند وتیز نظروں سے آپ کی طرف دیکھا اور چلا چلا کر یہ کہا: کہ

اے محمد (ﷺ) تم سب عبدالمطلب کی اولاد کا یہی طریقہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں دیر لگایا کرتے ہو اور ٹال مٹول کرنا تم لوگوں کی عادت بن چکی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور نہایت غضب ناک اور زہریلی نظروں سے گھور گھور کر کہا کہ اے خدا کے دشمن! تو خدا کے رسول سے ایسی گستاخی کر رہا ہے؟ خدا کی قسم! اگر حضور ﷺ کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں ابھی ابھی اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اے عمر! تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں تو یہ چاہیے تھا کہ مجھ کو ادائے حق کی ترغیب دے کر اور اس کو نرمی کے ساتھ تقاضا کرنے کی ہدایت کر کے ہم دونوں کی مدد کرتے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اے عمر! اس کو اس کے حق کے برابر کھجوریں دے دو! اور کچھ زیادہ بھی دے دو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حق سے زیادہ کھجوریں دیں تو حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے عمر! میرے حق سے زیادہ کیوں دے رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ میں نے ٹیڑھی ترچھی نظروں سے دیکھ کر تم کو خوفزدہ کر دیا تھا اس لئے حضور ﷺ نے تمہاری دلجوئی و دلداری کے لئے تمہارے حق سے کچھ زیادہ دینے کا مجھے حکم دیا ہے! یہ سن کر حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں زید بن سعنہ ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم وہی زید بن سعنہ ہو جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم ہے انہوں نے کہا جی ہاں' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے حضور ﷺ کے ساتھ ایسی گستاخی کیوں کی؟ حضرت زید بن سعنہ نے جواب دیا کہ اے عمر! دراصل بات یہ ہے کہ میں نے توراۃ میں نبی آخر الزمان کی جتنی نشانیاں پڑھی تھیں ان سب کو میں نے ان کی ذات میں دیکھ لیا مگر دو نشانیوں کے بارے میں مجھے ان کا امتحان کرنا باقی رہ گیا تھا۔ ایک یہ کہ ان کا حلم جہل پر غالب رہے گا اور جس قدر زیادہ ان کے ساتھ جہل کا برتاؤ کیا جائے گا اسی قدر ان کا حلم بڑھتا جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس ترکیب سے ان دونوں نشانیوں کو بھی ان میں دیکھ لیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً یہ نبی برحق ہیں اور اے عمر! میں بہت ہی مالدار آدمی ہوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا آدھا مال حضور ﷺ کی امت پر صدقہ کر دیا پھر یہ بارگاہ رسالت میں آئے اور کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں آ گئے۔

(دلائل النبوۃ ج۱ ص۲۳ و زرقانی ج۴ ص۲۵۳)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ حنین سے واپسی پر دیہاتی لوگ آپ

سے چمٹ گئے اور آپ سے مال کا سوال کرنے لگے' یہاں تک آپ کو چمٹے کہ آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک ببول کے درخت کے پاس ٹھہر گئے۔ اتنے میں ایک بدوی آپ کی چادر مبارک اچک کر لے بھاگا پھر آپ نے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میری چادر تو مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس ان جھاڑیوں کے برابر چوپائے ہوتے تو میں ان سب کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا' تم لوگ مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل۔ (بخاری ج۱ص ۴۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا اور آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے اور کھردرے تھے۔ ایک دم ایک بدوی نے آپ کو پکڑ لیا اور اتنے زبردست جھٹکے سے چادر مبارک کو اس نے کھینچا کہ حضور ﷺ کی نرم و نازک گردن پر چادر کی کنار سے خراش آ گئی پھر اس بدوی نے یہ کہا کہ اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے آپ حکم دیجئے کہ اس میں سے مجھے کچھ مل جائے۔ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے جب اس بدوی کی طرف توجہ فرمائی تو کمال حلم و عفو سے اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے اور پھر اس کو کچھ مال عطا فرمانے کا حکم صادر فرمایا۔

(بخاری ج۱ص ۴۴۶ باب ما کان یعطی النبی المولفة)

جنگِ اُحد میں عتبہ بن ابی وقاص نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کر دیا اور عبداللہ بن قمیہ نے چہرۂ انور کو زخمی اور خون آلود کر دیا مگر آپ نے ان لوگوں کے لئے اس کے سوا کچھ بھی نہ فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ مجھے جانتے نہیں۔

خیبر میں زینب نامی یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا مگر آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا' لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا اور بذریعہ وحی اس کا سارا حال معلوم ہوا مگر آپ نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں فرمایا' غورث بن الحارث نے آپ کے قتل کا ارادہ سے آپ کی تلوار لے کر نیام سے کھینچ لی جب حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو غورث کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچا لے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ''اللہ'' نبوت کی ہیبت سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضور ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ بول اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچانے والا ہے؟ غورث گڑگڑا کر کہنے لگا کہ آپ ہی میری جان بچا دیں رحمت عالم ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا۔ چنانچہ

غورث اپنی قوم میں آ کر کہنے لگا کہ اے لوگو! میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔ (شفاء قاضی عیاض جلد ۱ ص ۶۲)

کفار مکہ نے وہ کون سا ایسا ظالمانہ برتاؤ تھا جو آپکے ساتھ نہ کیا ہو مگر فتح مکہ کے دن جب یہ سب جبارانِ قریش انصار و مہاجرین کے لشکروں کے محاصرہ میں محصور و مجبور ہو کر حرم کعبہ میں خوف و دہشت سے کانپ رہے تھے اور انتقام کے ڈر سے ان کے جسم کا ایک ایک بال لرز رہا تھا۔ رسولِ رحمت نے ان مجرموں اور پاپیوں کو یہ فرما کر چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا کہ۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ایک کافر کو صحابہ پکڑ کر لائے کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ شخص خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ تم کوئی خوف نہ رکھو بالکل مت ڈرو اگر تم نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تو کیا ہوا؟ تم کبھی میرے اوپر غالب نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ (شفاء قاضی عیاض جلد ۱ ص ۶۳ وغیرہ)

الغرض اس طرح کے نبی رحمت کی حیاتِ طیبہ میں ہزاروں واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ حلم و عفو یعنی ایذاؤں کا برداشت کرنا اور مجرموں کو قدرت کے باوجود بغیر انتقام کے چھوڑ دینا اور معاف کر دینا آپ کی یہ عادت کریمہ بھی آپ کے اخلاق حسنہ کا وہ عظیم شاہکار ہے جو ساری دنیا میں عدیم المثال ہے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ۔

وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى

اپنی ذات کے لئے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا ہاں البتہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کا اگر کوئی مرتکب ہوتا تو ضرور اس سے مواخذہ فرماتے۔

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۶۱ وغیرہ و بخاری جلد ۱ ص ۵۰۳)

تواضع

حضور ﷺ کی شانِ تواضع بھی سارے عالم سے نرالی تھی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار عطا فرمایا کہ اے حبیب! اگر آپ چاہیں تو شاہانہ زندگی بسر فرمائیں اور اگر آپ

چاہیں تو ایک بندے کی زندگی گزاریں تو آپ نے بندہ بن کر زندگی گزارنے کو پسند فرمایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے آپ کی یہ تواضع دیکھ کر فرمایا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کی اس تواضع کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جلیل القدر مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ آپ تمام اولاد آدم میں سب سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے آپ اپنی قبر انور سے اٹھائے جائیں گے’ اور میدانِ حشر میں سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے۔ (زُرقانی جلد۴ص ۲۶۲ وشفاء جلد۱ص ۸۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ اپنے عصاء مبارک پر ٹیک لگاتے ہوئے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے تو ہم سب صحابہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تواضع کے طور پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس طرح نہ کھڑے رہا کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے رہا کرتے ہیں میں تو ایک بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (شفاء شریف جلد۱ص ۸۶)

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور تاجدارِ دو عالم ﷺ کبھی کبھی اپنے پیچھے سواری پر اپنے کسی خادم کو بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جنگ قریظہ کے دن آپ کی سواری کے جانور کی لگام چھال کی رسی سے بنی ہوئی تھی۔

(زُرقانی جلد۴ص ۲۶۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے تھے۔ جو کی روٹی اور پرانی چربی کھانے کی دعوت دی جاتی تھی تو آپ اس دعوت کو قبول فرماتے تھے مسکینوں کی بیماری پرسی فرماتے فقراء کے ساتھ ہم نشینی فرماتے اور اپنے صحابہ کے درمیان مل جل کر نشست فرماتے۔ (شفاء شریف جلد۱ص ۷۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ اپنے گھریلو کام خود اپنے دست مبارک سے کر لیا کرتے تھے اپنے خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور گھر کے کاموں میں آپ اپنے خادموں کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ (شفاء شریف جلد۱ص ۷۷)

ایک شخص دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو جلالت نبوت کی ہیبت سے ایک دم خائف ہو کر لرزہ براندام ہو گیا اور کانپنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بالکل مت ڈرو۔ میں نہ کوئی بادشاہ ہوں’ نہ کوئی جبار حاکم’ میں تو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کی

بوٹیاں کھایا کرتی تھی۔ (زُرقانی ج۴ ص۲۷۶ و شفاء جلد ۱ ص۷۸)

فتح مکہ کے دن جب فاتحانہ شان کے ساتھ آپ اپنے لشکروں کے ہجوم میں شہر مکہ کے اندر داخل ہونے لگے تو اس وقت آپ پر تواضع اور انکسار کی ایسی تجلی نمودار تھی کہ آپ اونٹنی کی پیٹھ پر اس طرح سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے کہ آپ کا سر مبارک کجاوہ کے اگلے حصہ سے لگا ہوا تھا۔ (شفاء جلد ۱ ص۷۷)

اسی طرح جب حجۃ الوداع میں آپ ایک لاکھ شمع نبوت کے پروانوں کے ساتھ اپنی مقدس زندگی کے آخری حج میں تشریف لے گئے تو آپ کی اونٹنی پر ایک پرانا پالان تھا اور آپ کے جسم انور پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہ تھی اسی اونٹنی کی پشت پر اور اسی لباس میں آپ نے خداوند ذوالجلال کے نائب اکرم اور تاجدارِ دو عالم ہونے کی حیثیت سے اپنا شہنشاہی خطبہ پڑھا۔ جس کو ایک لاکھ سے زائد فرزندان توحید ہمہ تن گوش بن کر سن رہے تھے۔ (زُرقانی جلد۴ ص۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس کا تسمہ ٹوٹ گیا اور آپ اپنے دست مبارک سے اس کو درست فرمانے لگے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے دیجئے میں اس کو درست کر دوں' میری اس درخواست پر ارشاد فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ تم اس کو ٹھیک کر دو گے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں تم لوگوں پر اپنی برتری اور بڑائی ظاہر کروں' اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو کسی کام میں مشغول دیکھ کر بار بار درخواست عرض کرتے کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ خود یہ کام نہ کریں اس کام کو ہم لوگ انجام دیں گے۔ مگر آپ یہی فرماتے کہ یہ سچ ہے کہ تم لوگ میرا سب کام کر دو گے مگر مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے درمیان کسی امتیازی شان کے ساتھ رہوں۔ (زُرقانی جلد۴ ص۲۶۵)

حسن معاشرت

حضورِ اقدس ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات اپنے احباب' اپنے اصحاب' اپنے رشتے داروں' اپنے پڑوسیوں ہر ایک کے ساتھ اتنی خوش اخلاقی اور ملنساری کا برتاؤ فرماتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک آپ کے اخلاقِ حسنہ کا گرویدہ اور مداح تھا' خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دس برس تک سفر و وطن میں حضور ﷺ کی خدمت کا شرف

حاصل کیا۔ مگر کبھی بھی حضور ﷺ نے نہ مجھے ڈانٹا نہ جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ (زرقانی جلد۴ ص۲۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ سے زیادہ کوئی خوش اخلاق نہیں تھا۔ آپ کے اصحاب یا آپ کے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی آپ کو پکارتا تو آپ لبیک (حاضر جناب) کہہ کر جواب دیتے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا کبھی بھی حضور ﷺ نے مجھے پاس آنے سے نہیں روکا اور جس وقت بھی مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے اور آپ اپنے اصحاب سے خوش طبعی بھی فرماتے اور سب کے ساتھ مل جل کر رہتے اور ہر ایک سے گفتگو فرماتے اور صحابہ کرام کے بچوں سے بھی خوش طبعی فرماتے اور ان بچوں کو اپنی مقدس گود میں بٹھا لیتے اور آزاد نیز لونڈی غلام اور مسکین سب کی دعوتیں قبول فرماتے اور مدینہ کے انتہائی حصہ میں رہنے والے مریضوں کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے اور عذر پیش کرنے والوں کے عذر کو قبول فرماتے۔ (شفاء شریف جلد۱ ص۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کے کان میں کوئی سرگوشی کی بات کرتا تو آپ اس وقت تک اپنا سر اس کے منہ سے الگ نہ فرماتے جب تک وہ کان میں کچھ کہتا رہتا۔ اور آپ اپنے اصحاب کی مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ اور جو آپ کے سامنے آتا آپ سلام کرنے میں پہل کرتے اور ملاقاتیوں سے مصافحہ فرماتے اور اکثر اوقات اپنے پاس آنے والے ملاقاتیوں کے لئے آپ اپنی چادر مبارک بچھا دیتے اور اپنی مسند بھی پیش کر دیتے۔ اور اپنے اصحاب کو ان کی کنیتوں اور اچھے ناموں سے پکارتے۔ کبھی کسی بات کرنے والے کی بات کو کاٹتے نہیں تھے۔ ہر شخص سے خوش روئی کے ساتھ مسکرا کر ملاقات فرماتے، مدینہ کے خدام اور نوکر چاکر برتنوں میں صبح کو پانی لے کر آتے، تاکہ حضور ﷺ ان کے برتنوں میں دست مبارک ڈبو دیں اور پانی متبرک ہو جائے تو سخت جاڑے کے موسم میں بھی صبح کو حضور ﷺ ہر ایک کے برتن میں اپنا مقدس ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے اور جاڑے کی سردی کے باوجود کسی کو محروم نہیں فرماتے تھے۔

(شفاء شریف جلد۱ ص۷۲)

حضرت عمرو بن سائب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ کے رضاعی باپ یعنی حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تشریف لائے تو آپ نے

اپنے کپڑے کا ایک حصہ ان کے لئے بچھا دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی رضاعی ماں حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں تو آپ نے اپنے کپڑے کا باقی حصہ ان کے لئے بچھا دیا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ نے ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور حضور ﷺ حضرت ثوبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہمیشہ کپڑا وغیرہ بھیجتے رہتے تھے۔ یہ ابولہب کی لونڈی تھیں اور چند دنوں تک حضور ﷺ کو انہوں نے بھی دودھ پلایا تھا۔ (شفا شریف ج ۱ ص ۷۵)

آپ اپنے لئے کوئی مخصوص بستر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ ازواجِ مطہرات کے بستروں ہی پر آرام فرماتے تھے۔ اور اپنے پیار و محبت سے ہمیشہ اپنی مقدس بیویوں کو خوش رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پیالے میں پانی پی کر حضور ﷺ کو جب پیالہ دیتی تو آپ پیالے میں اسی جگہ اپنا لب مبارک لگا کر پانی نوش فرماتے جہاں میرے ہونٹ لگے ہوتے۔ اور میں گوشت سے بھری کوئی ہڈی اپنے دانتوں سے نوچ کر وہ ہڈی حضور ﷺ کو دیتی تو آپ بھی اسی جگہ سے گوشت کو اپنے دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے جس جگہ میرا منہ لگا ہوتا۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲۶۹)

آپ روزانہ اپنی ازواجِ مطہرات سے ملاقات فرماتے اور اپنی صاحبزادیوں کے گھروں پر بھی رونق افروز ہو کر ان کی خبر گیری فرماتے اور اپنے نواسوں اور نواسیوں کو بھی اپنے پیار و شفقت سے بار بار نوازتے اور سب کی دلجوئی و رواداری فرماتے اور بچوں سے بھی گفتگو فرما کر ان کی بات چیت سے اپنا دل خوش کرتے اور ان کا بھی دل بہلاتے۔ اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر گیری اور ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ فرماتے الغرض آپ نے اپنے طرزِ عمل اور اپنی سیرت مقدسہ سے ایسے اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرمائی کہ اگر آج دنیا آپ کی سیرت مبارکہ پر عمل کرنے لگے تو تمام دنیا میں امن و سکون اور محبت و رحمت کا دریا بہنے لگے اور سارے عالم سے جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا جہنم بجھ جائے اور عالم کائنات امن و راحت اور پیار و محبت کی بہشت بن جائے۔

حیاء

حضورِ اقدس ﷺ کی "حیاء" کے بارے میں حضرت حق جل جلالہ کا قرآن میں یہ فرمان سب سے بڑا گواہ ہے کہ۔

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ   بے شک تمہاری یہ بات نبی کو ایذا پہنچاتی ہے

مِنْکُمْ۔ لیکن وہ تم لوگوں سے حیا کرتے ہیں اور تم کو کچھ کہہ نہیں کہتے۔

آپ کی شان حیاء کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک معزز صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ۔

"آپ کنواری پردہ نشین عورت سے بھی کہیں زیادہ حیادار تھے۔"

(زُرقانی جلد۴ص۲۸۴ و بخاری جلد۱ص ۵۰۳ باب صفۃ النبی)

اس لئے ہر قبیح قول و فعل' اور قابل مذمت حرکات و سکنات سے عمر بھر ہمیشہ آپ کا دامن عصمت پاک و صاف ہی رہا۔ اور پوری حیات مبارکہ میں وقار و مروت کے خلاف آپ سے کوئی عمل سرزد نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ نہ فحش کلام تھے نہ بے ہودہ گو' نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ معاف فرما دیا کرتے تھے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتی تھیں کہ کمال حیا کی وجہ سے میں نے کبھی بھی حضور ﷺ کو برہنہ نہیں دیکھا۔ (شفاء شریف جلد۱ص۶۹)

وعدہ کی پابندی

ایفاء عہد اور وعدہ کی پابندی بھی درخت اخلاق کی ایک بہت ہی اہم اور نہایت ہی ہری بھری شاخ ہے۔ اس خصوصیت میں بھی رسول عربی ﷺ کا خلق عظیم بے مثال ہی ہے۔ حضرت ابو الحمساء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے کچھ سامان خریدا اسی سلسلے میں آپ کی کچھ رقم میرے ذمے باقی رہ گئی میں نے آپ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریئے میں ابھی ابھی گھر سے رقم لا کر اسی جگہ پر آپ کو دیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے اسی جگہ ٹھہرے رہنے کا وعدہ فرما لیا مگر میں گھر آ کر اپنا وعدہ بھول گیا پھر تین دن کے بعد مجھے جب خیال آیا تو رقم لے کر اس جگہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ اُسی جگہ ٹھہرے ہوئے میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر ذرا بھی آپ کی پیشانی پر بل نہیں آیا اور اس کے سوا آپ نے اور کچھ نہیں فرمایا کہ اے نوجوان تم نے تو مجھے مشقت میں ڈال دیا کیونکہ میں اپنے وعدے کے مطابق تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

(شفاء شریف ص۷۴)

عدل

خدا کے مقدس رسول ﷺ تمام جہان میں سب سے زیادہ امین سب سے بڑھ کر عادل اور پاک دامن وراست باز تھے۔ یہ وہ روشن حقیقت ہے کہ آپ کے بڑے بڑے دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا' چنانچہ اعلان نبوت سے قبل تمام اہل مکہ آپ کو ''صادق الوعد'' اور ''امین'' کے معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مکہ والوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ آپ اعلیٰ درجہ کے امین اور عادل ہیں اسی لئے اعلان نبوت سے پہلے اہل مکہ اپنے مقدمات اور جھگڑوں کا آپ سے فیصلہ کرایا کراتے تھے اور آپ کے تمام فیصلوں کو انتہائی احترام کے ساتھ بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ امین کا فیصلہ ہے۔ (شفاء شریف جلد ا ص ۷۸، ۷۹)

حضور اقدس ﷺ کس قدر بلند مرتبہ عادل تھے اس بارے میں بخاری شریف کی ایک روایت سب سے بڑھ کر شاہد عدل ہے۔ قبیلہ قریش کے خاندان بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اسلام میں چور کی یہ سزا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پہنچوں سے کاٹ ڈالا جائے۔ قبیلہ قریش کو اس واقعہ سے بڑی فکر دامن گیر ہوگئی کہ اگر ہمارے قبیلہ کی اس عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا تو یہ ہماری خاندانی شرافت پر ایسا بدنما داغ ہوگا' جو کبھی مٹ نہ سکے گا' اور ہم لوگ تمام عرب کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ اس لئے ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ بارگاہ رسالت میں کوئی زبردست سفارش پیش کر دی جائے تا کہ آپ اس عورت کا ہاتھ نہ کاٹیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو جو نگاہ نبوت میں انتہائی محبوب تھے دباؤ ڈال کر اس بات کے لئے آمادہ کر لیا کہ وہ دربار اقدس میں سفارش پیش کریں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اشراف قریش کے اصرار سے متاثر ہو کر بارگاہِ رسالت میں سفارش عرض کر دی یہ سنکر پیشانی نبوت پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے اور آپ نے نہایت ہی غضب ناک لہجہ میں فرمایا کہ اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کہ اے اسامہ تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ایک سزا کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ پھر اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور اس خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ۔

یَآاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَکُمْ اَنَّهُمْ	اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس وجہ سے
کَانُوْا اِذَا سَرَقَ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْهُ وَاِذَا	گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی شریف

سَرَقَ الضَّعِيْفُ فِيْهِمْ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحُدُوْدَ دَايْمُ اللهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا

(بخاری جلد۲ص۱۰۰۳باب کراہیۃ الشفاعت فی الحدود)

چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر سزائیں قائم کرتے تھے خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو یقیناً محمدؐ اس کا ہاتھ کاٹ لے گا (ﷺ)

وقار

حضرت خارجہ بن زید ؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنی مجلسوں میں جس قدر وقار کے ساتھ رونق افروز رہتے تھے بڑے سے بڑے بادشاہوں کے دربار میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت جابر بن سمرہ ؓ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی مجلس حلم و حیاء اور خیر و امانت کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ آپ کی مجلس میں کبھی کوئی بلند آواز سے گفتگو نہیں کرسکتا تھا اور جب آپ کلام فرماتے تھے تو تمام اہل مجلس اس طرح سر جھکائے ہوئے ہمہ تن گوش بن کر آپ کا کلام سنتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ ؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نہایت ہی وقار کے ساتھ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے جملوں کو گننا چاہتا تو وہ گن سکتا تھا۔

(شفاء شریف جلد۱ص۸۰،۸۱ و بخاری جلد۱ص۵۰۳)

آپ کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، ہر ادا میں ایک خالص پیغمبرانہ وقار پایا جاتا تھا جس سے آپ کی عظمت نبوت کا جاہ و جلال آفتاب عالم تاب کی طرح ہر خاص و عام کی نظروں میں نمودار رہتا تھا۔

زاہدانہ زندگی

آپ شہنشاہ کونین اور تاجدار دو عالم ہوتے ہوئے ایسی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر فرماتے تھے کہ تاریخ نبوت میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، خوراک و پوشاک، مکان و سامان، رہن سہن غرض حیات مبارکہ کے ہر گوشہ میں آپ کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا عالم اس درجہ نمایاں تھا کہ جس کو دیکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں آپ کی نگاہ نبوت میں ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔

حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی مقدس زندگی میں کبھی تین دن لگاتار

ایسے نہیں گزرے کہ آپ نے شکم سیر ہو کر روٹی کھائی ہو ایک ایک مہینہ تک کاشانۂ نبوت میں چولہا نہیں جلتا تھا اور کھجور و پانی کے سوا آپ کے گھر والوں کی کوئی دوسری خوراک نہیں ہوا کرتی تھی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اے حبیب! اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کی پہاڑیوں کو سونا بنا دوں، اور وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ اور آپ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کرتے رہیں مگر آپ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے یہی زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانا کھاؤں تاکہ بھوک کے دن خوب گڑگڑا کر تجھ سے دعائیں مانگوں اور آسودگی کے دن تیری حمد کروں اور تیرا شکر بجالاؤں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور ﷺ جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا گدا تھا جس میں روئی کی جگہ درختوں کی چھال بھری ہوئی تھی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری باری کے دن حضورِ اقدس ﷺ ایک موٹے ٹاٹ پر سویا کرتے تھے جس کو میں دو تہہ کر کے بچھا دیا کرتی تھی ایک مرتبہ میں نے اس ٹاٹ کو چار تہہ کر کے بچھا دیا تو صبح کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کی طرح اس ٹاٹ کو تم دہرا کر کے بچھا دیا کرو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس بستر کی نرمی سے کہیں مجھ پر گہری نیند کا حملہ ہو جائے تو میری نماز تہجد میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ روایت ہے کہ کبھی کبھی حضور ﷺ ایک ایسی چارپائی پر بھی آرام فرمایا کرتے تھے جو کھردرے بان سے بنی ہوئی تھی۔ جب آپ بغیر بچھونے کے اس چارپائی پر لیٹتے تو جسم نازک پر بان کے نشان پڑ جایا کرتے تھے۔

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۸۲، ۸۳ وغیرہ)

شجاعت

حضور رسول اکرم ﷺ کی بے مثال شجاعت کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر صحابی کا یہ قول ہے کہ جب لڑائی خوب گرم ہو جاتی تھی اور جنگ کی شدت دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کی آنکھیں پتھرا کر سرخ پڑ جایا کرتی تھیں اس وقت میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ اور آپ ہم سب لوگوں سے زیادہ آگے بڑھ کر اور دشمنوں کے بالکل قریب پہنچ کر جنگ فرماتے تھے۔ اور ہم لوگوں میں سب سے

زیادہ بہادر وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب رہ کر دشمنوں سے لڑتا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ سے زیادہ بہادر اور طاقت ور سخی اور پسندیدہ میری آنکھوں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت براء بن عازب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا ہے کہ جنگ حنین میں بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر کفار کے حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا تھا اور کفار کی طرف سے لگاتار تیروں کا مینہ برس رہا تھا اس وقت میں بھی رسول اللہ ﷺ ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے بلکہ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ اکیلے دشمنوں کے دل بادل لشکروں کے ہجوم کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اور رجز کے یہ کلمات زبان اقدس پر جاری تھے کہ۔

اَنَــا الــنَّـبِــیُّ لَا کَــذِبْ اَنَــا ابْــنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ	میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷ باب قول اللہ ویوم حنین وزرقانی جلد ۴ ص ۲۹۳)

طاقت

حضور اقدس ﷺ کی جسمانی طاقت بھی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی تھی۔ اور آپ نے اپنی اس معجزانہ طاقت وقوت سے ایسے ایسے محیر العقول کارناموں اور کمالات کا مظاہرہ فرمایا کہ عقل انسانی اس کے تصور سے حیران رہ جاتی ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام جب خندق کھود رہے تھے ایک ایسی چٹان ظاہر ہوگئی جو کسی طرح کسی شخص سے بھی نہیں ٹوٹ سکی۔ مگر جب آپ نے اپنی طاقت نبوت سے اس پر پھاوڑا مارا تو وہ ریت کے بھربھرے ٹیلے کی طرح بکھر کر پاش پاش ہوگئی جس کا مفصل تذکرہ جنگ خندق میں ہم تحریر کر چکے ہیں۔

رکانہ پہلوان سے کشتی

عرب کا مشہور پہلوان رکانہ آپ کے سامنے سے گزرا آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) اگر آپ مجھ سے کشتی لڑ کر مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ کی دعوت اسلام کو قبول کرلوں گا۔ حضور اکرم ﷺ تیار ہوگئے اور اس سے کشتی لڑ کر اس کو پچھاڑ دیا' پھر اس نے دوبارہ کشتی لڑنے کی دعوت دی آپ نے دوسری مرتبہ بھی اپنی

پیغمبرانہ طاقت سے اس کو اس زور کے ساتھ زمین پر پٹک دیا کہ وہ دیر تک اٹھ نہ سکا اور حیران ہو کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) خدا کی قسم آپ کی عجیب شان ہے کہ آج تک عرب کا کوئی پہلوان میری پیٹھ زمین پر نہیں لگا سکا مگر آپ نے دم زدن میں مجھے دو مرتبہ زمین پر پچھاڑ دیا۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ رکانہ فوراً ہی مسلمان ہو گیا مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ رکانہ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد۴ص۲۹۱)

یزید بن رکانہ سے مقابلہ

اسی رکانہ کا بیٹا یزید بن رکانہ بھی مانا ہوا پہلوان تھا یہ تین سو بکریاں لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد! (ﷺ) آپ مجھ سے کشتی لڑیئے آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے تمہیں پچھاڑ دیا تو تم کتنی بکریاں مجھے انعام میں دو گے اس نے کہا کہ ایک سو بکریاں میں آپ کو دے دوں گا' حضور ﷺ تیار ہو گئے اور اس سے ہاتھ ملاتے ہی اس کو زمین پر پٹک دیا اور وہ حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگا اور وعدہ کے مطابق ایک سو بکریاں اس نے آپ کو دے دیں۔ مگر پھر دوبارہ اس نے کشتی لڑنے کے لئے چیلنج دیا' آپ نے دوسری مرتبہ بھی اس کی پیٹھ زمین پر لگا دی اس نے پھر ایک سو بکریاں آپ کو دے دیں۔ پھر تیسری بار اس نے کشتی کے لئے للکارا' آپ نے اس کا چیلنج قبول فرما لیا اور کشتی لڑ کر اِس زور کے ساتھ اس کو زمین پر دے مارا کہ وہ چت ہو گیا اس نے باقی ایک سو بکریوں کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا' مگر کہنے لگا کہ اے محمد! (ﷺ) سارا عرب گواہ ہے کہ آج تک کوئی پہلوان مجھ پر غالب نہیں آ سکا' مگر آپ نے تین بار جس طرح مجھے کشتی میں پچھاڑا ہے اس سے میرا دل مان گیا کہ یقیناً آپ خدا کے نبی ہیں' یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں آ گیا' حضور ﷺ اس کے مسلمان ہو جانے سے بے حد خوش ہوئے اور اس کی تین سو بکریاں واپس کر دیں۔

(زرقانی جلد۴ص۲۹۲)

ابوالاسود سے زور آزمائی

اس طرح ابوالاسود بھی اتنا بڑا طاقت ور پہلوان تھا کہ وہ ایک چمڑے پر بیٹھ جاتا تھا اور دس پہلوان اس چمڑے کو کھینچتے تھے تا کہ وہ چمڑا اس کے نیچے سے نکل جائے۔ مگر وہ چمڑا پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے باوجود اس کے نیچے سے نکل نہیں سکتا تھا۔ اس نے بھی بارگاہِ اقدس میں آ کر یہ چیلنج دیا کہ اگر آپ نے مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں مسلمان

ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ اس سے کشتی لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہی اس کو زمین پر پچھاڑ دیا وہ آپ کی اس طاقت نبوت سے حیران ہو کر فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ (زُرقانی جلد ۴ ص ۲۹۲)

سخاوت

حضور اقدس ﷺ کی شانِ سخاوت محتاج بیان نہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ بڑھ کر سخی تھے۔ خصوصاً ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ برسنے والی بدلیوں کو اٹھانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ آپ سخی ہو جاتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی سائل کے جواب میں خواہ وہ کتنی ہی بڑی چیز کا سوال کیوں نہ کرے آپ نے لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا۔

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۶۵)

یہی وہ مضمون ہے جس کو فرزدق شاعر تابعی متوفی ۱۱۰ھ نے کیا خوب کہا ہے کہ

مَا قَالَ لَاقَطُّ اِلَّافِیْ تَشَهُّدِهٖ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَائُهٗ نَعَمْ

اسی کا ترجمہ کسی فارسی کے شاعر نے اسی طرح کیا ہے کہ۔

نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز   مگر در اشہدان لا الٰہ الا اللہ

یعنی حضور ﷺ نے کسی سائل کے جواب میں لا (نہیں) کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ نَعَمْ (ہاں) ہی کہا۔ مگر کلمہ شہادت میں لا (نہیں) کا لفظ ضرور آپ کی زبان مبارک پر آتا تھا اور اگر کلمہ شہادت میں لا کہنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اس میں بھی لا (نہیں) کی جگہ آپ نَعَمْ (ہاں) ہی فرماتے۔

حضورِ اقدس ﷺ کی سخاوت کسی سائل کے سوال ہی پر محدود و منحصر نہیں تھی۔ بلکہ بغیر مانگے ہوئے بھی آپ نے لوگوں کو اس قدر زیادہ مال عطا فرما دیا کہ عالم سخاوت میں اس کی مثال نادر و نایاب ہے۔ آپ کے بہت بڑے دشمن امیہ بن خلف کافر کا بیٹا صفوان بن امیہ جب مقام "جعرانہ" میں حاضر دربار ہوا تو آپ نے اس کو اتنی کثیر تعداد میں اونٹوں اور بکریوں کا ریوڑ عطا فرما دیا کہ دو پہاڑیوں کے درمیان کا میدان بھر گیا۔ چنانچہ صفوان مکہ جا کر چلا چلا کر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اے لوگو! دامن اسلام میں آ جاؤ' محمد (ﷺ) اس قدر

زیادہ مال عطا فرماتے ہیں کہ فقیری کا کوئی اندیشہ ہی باقی نہیں رہتا اس کے بعد پھر صفوان خود بھی مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ (زرقانی ج۴ ص۲۹۵)

بہر حال آپ کے جود و نوال اور سخاوت کے احوال اس قدر عدیم المثال اور اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کا تذکرہ تحریر کیا جائے تو بہت سی کتابوں کا انبار تیار ہو سکتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کے اوراق میں ہم جتنا اور جس قدر لکھ چکے ہیں وہ سخاوت نبوت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔ خداوند کریم ہم سب مسلمانوں کو حضورِ اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اسماء مبارکہ

عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ "كَثْرَةُ الْاَسْمَآءِ تَدُلُّ عَلٰى شَرْفِ الْمُسَمّٰى" یعنی کسی چیز کے ناموں کا بہت زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز عزت و شرف والی ہے' حضورِ اقدس ﷺ کو چونکہ خلاق عالم جل جلالہ نے اس قدر اعزاز و اکرام اور عزت و شرف سے سرفراز فرمایا ہے کہ آپ امام النبیین' سید المرسلین' محبوب رب العالمین ہیں اس لئے آپ کے اسماء مبارکہ اور القاب بہت زیادہ ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں میں ۱- **محمد** و "۲- **احمد**" ہوں اور میں "۳- **ماحی** ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹاتا ہے اور میں "۴- **حاشر**" ہوں کہ میرے قدموں پر سب لوگوں کا حشر ہوگا اور "۵- **عاقب**" ہوں (یعنی سب سے آخری نبی)

(بخاری ج۱ ص۵۰۱ باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ)

قرآن مجید میں حضور ﷺ کے القاب و اسماء بہت زیادہ تعداد میں مذکور ہیں چنانچہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ خداوند قدوس کے ناموں کی طرح حضور ﷺ کے ان تمام ناموں کو شمار کیا جائے جو قرآن و حدیث اور اگلی کتابوں میں مذکور ہیں۔ تو آپ کے ناموں کی گنتی تین سو تک پہنچتی ہے اور بعض صوفیاء کرام کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ایک ہزار نام ہیں اور حضور ﷺ کے ناموں کی تعداد بھی ایک ہزار ہے۔ (زرقانی جلد۳ ص۱۱۸)

بہر حال حضورِ اقدس ﷺ کے تمام اسماء مبارکہ میں سے دو نام سب سے زیادہ مشہور ہیں ایک "**محمد**" دوسرا "**احمد**" (ﷺ)

آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام ''محمد'' رکھا اور اسی نام پر آپ کا عقیقہ کیا جب لوگوں نے پوچھا کہ اے عبدالمطلب! آپ نے اپنے پوتے کا نام ''محمد'' کیوں رکھا آپ کے آباؤ اجداد میں کسی کا بھی یہ نام نہیں رہا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس نیت سے اور اس امید پر اس بچے کا نام ''محمد'' رکھا ہے کہ تمام روئے زمین کے لوگ اس کی تعریف کریں گے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ میں نے اس امید پر ''محمد'' نام رکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اس کی تعریف فرمائے گا اور زمین میں خدا کی تمام مخلوق اس کی تعریف کرے گی' اور حضرت عبدالمطلب کی اس نیت اور امید کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میری پیٹھ سے ایک چاندی کی زنجیر نکلی جس کا ایک کنارہ زمین میں ہے اور ایک سرا آسمان کو چھو رہا ہے اور تمام مشرق و مغرب کے انسان اس زنجیر سے چمٹے ہوئے ہیں حضرت عبدالمطلب نے جب قریش کے کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ اے عبدالمطلب! آپ کی نسل سے عنقریب ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا' کہ تمام اہل مشرق و مغرب اس کی پیروی کریں گے اور تمام آسمان و زمین والے اس کی مدح و ثناء کا خطبہ پڑھیں گے۔ (زرقانی جلد۳ ص۱۱۴ تا ۱۱۵)

اور بعض کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام ''محمد'' رکھا ہے۔ کیونکہ جب حضور ﷺ ان کے شکم مبارک میں رونق افروز تھے تو انہوں نے خواب میں ایک فرشتہ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اے آمنہ! سارے جہان کے سردار تمہارے شکم میں تشریف فرما ہیں جب یہ پیدا ہوں تو تم ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔ (زرقانی جلد۳ ص۱۱۵)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے اور حضرت بی بی آمنہ کے خوابوں کی وجہ سے دونوں نے باہمی مشورہ سے حضور ﷺ کا نام ''محمد'' رکھا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ آپ کو ''محمد'' کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''احمد'' کے نام سے تمام زندگی آپ کے ذکر جمیل کا ڈنکا بجاتے رہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ خوشخبری سناتے ہوئے تشریف لائے تھے کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لانے والے ہیں جن کا نام نامی و اسم گرامی ''احمد'' ہے۔

آپ کی کنیت

آپ کی مشہور کنیت ''ابوالقاسم'' ہے چنانچہ بہت سی احادیث میں آپ کی یہ کنیت مذکور ہے، مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ کی کنیت ''ابوابراھیم'' بھی ہے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں سے سلام کیا کہ ''السلام علیك یا ابا ابراھیم'' یعنی اے ابراہیم کے والد آپ پر سلام۔ (زرقانی جلد۳ ص۱۵۱)

طبِ نبوی

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم لوگ دوائیں استعمال کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا تمام بیماریوں کے لئے دوا پیدا فرمائی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ کونسی بیماری ہے جس کی کوئی دوا نہیں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ''بڑھاپا'' ہے۔ (ترمذی جلد۲ ص۲۵ ابواب الطب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جن جن طریقوں سے علاج کرتے ہو ان میں سب سے بہتر چار طریقہ علاج ہیں۔ **سعوط** ناک کے ذریعہ دوا چڑھانا' **لَدُوْد** منہ کے کسی ایک جانب سے دوا پلانا **حجامة** کسی عضو پر پچھنا لگوا کر خون نکلوا دینا **مشی** جلاب لینا۔ (ترمذی جلد۲ ص۲۶ ابواب الطب)

بعض دوائیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی ہیں اور بعض دواؤں کے اوصاف اور ان کے فوائد سے اپنی امت کو آگاہ فرمایا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے تبرکاً چند دواؤں کا ذکر تحریر کرتے ہیں تاکہ ہماری اس مختصر کتاب کے صفحات ''طب نبوی'' کے اہم باب سے محروم نہ رہ جائیں۔

''اثمد'' (سرمہ سیاہ اصفہانی): حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اثمد کو استعمال میں رکھو یہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور پلک کے بال اگاتا ہے۔ (ابن ماجہ ص۲۵۸ باب الکحل بالاثمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں اثمد کا سرمہ رہتا تھا اور آپ سونے سے پہلے ہر رات تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص۵)

حِنّا (یعنی مہندی): حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی پھنسی نکلتی یا کانٹا چبھ جاتا تو آپ اس پر مہندی رکھ

دیا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۸ ابواب الطب)

اَلْحَبَّةُ السَّوْدَآءُ: (کلونجی جس کو شونیز بھی کہتے ہیں اور بعض جگہ اس کو منگریلا بھی کہا جاتا ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے استعمال کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں موت کے سوا سب بیماریوں سے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۴ ابواب الطب و بخاری جلد ۲ ص ۸۴۸)

اَلتَّلْبِيْنَه: (آٹا، پانی، شہد، تیل ملا کر حریرہ کی طرح بنایا جاتا ہے) حضور ﷺ کے گھر والوں میں جب کوئی شخص جاڑا بخار میں مبتلا ہوتا تھا تو آپ اس طعام کے تیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کھانا غمگین آدمی کے دل کو تقویت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تکلیف کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح تم لوگ پانی سے اپنے چہروں کے میل کچیل کو دور کر دیتے ہو۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۴ ابواب الطب و بخاری جلد ۲ ص ۸۴۹)

اَلْعَسَل (شہد): حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ اس کے بھائی کو دست آرہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ۔ پھر وہ دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ دست بند نہیں ہوتے۔ ارشاد فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ، پھر وہ تیسری بار آکر کہنے لگا کہ دست کا سلسلہ جاری ہے، آپ نے پھر شہد پلانے کا حکم دیا اس نے کہا کہ یہ علاج تو میں کر چکا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اسکو شہد پلاؤ اس نے جا کر شہد پلایا تو وہ شفایاب ہو گیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۸۴۸ باب الدواء بالعسل)

حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر مہینہ میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے اس کو کوئی بڑی بلا نہ پہنچے گی۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ ابواب الطب)

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دو شفاؤں کو لازم پکڑو، ایک شہد، دوسری قرآن شریف۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب العسل)

خَلّ (سرکہ) حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہترین سالن سرکہ ہے اے اللہ! ترکہ میں برکت عطا فرما، کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کا سالن ہے اور جس گھر میں سرکہ ہوگا وہ گھر کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ (ابن ماجہ ص ۲۴۶ باب الائتدام بالخل)

زیت (روغن زیتون): حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ روغن زیتون کو سالن کے طور پر استعمال کرو اور اس کو بدن پر بھی ملتے رہو کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلا ہوا ہے۔ اور دوسری حدیث میں یوں وارد ہوا کہ تم لوگ روغن زیتون کو کھاؤ اور اس کو بدن میں

لگاؤ کیونکہ یہ برکت والی چیز ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۴۶ باب الزیت)

مُسَمِّن (بدن کو فربہ کرنے والی دوا): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری والدہ نے جب میری رخصتی کا ارادہ کیا تو میرا علاج کرنے لگیں کہ میں ذرا فربہ بدن ہو جاؤں مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ مگر جب میں نے ککڑی کو تازہ کھجوروں کے ساتھ کھانا شروع کر دیا تو میں خوب فربہ بدن والی ہوگئی (ابن ماجہ ص ۲۴۶) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ککڑی تازہ کھجوروں کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔

(ابن ماجہ ص ۲۴۶ باب القثاء والرطب)

عَشاء (رات کا کھانا): حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کا کھانا ترک نہ کرو' کچھ نہ ملے تو ایک مٹھی کھجور ہی کھا لیا کرو۔ کیونکہ رات کو کھانا چھوڑ دینے سے جلد بڑھاپا آ جاتا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۴۸ باب ترک العشاء)

حِمْیَہ (مضر چیزوں سے پرہیز): حضور ﷺ اپنے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے کر حضرت ام المنذر صحابیہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے کچی پکی کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا اور حضور ﷺ اس میں سے کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھایا تو آپ نے فرمایا اے علی! تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو اور نقاہت باقی ہے اس لئے تم اس کو مت کھاؤ اس کے بعد حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا نے جو اور چقندر ملا کر کھانا پکایا تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم یہ کھاؤ یہ تمہارے لئے بہت زیادہ مفید غذا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۴ باب الحمیہ)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ زبردستی کر کے اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور مت کیا کرو' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھلا پلا دیا کرتا ہے۔

(ابن ماجہ ص ۲۵۴ باب لاتکرھوا المریض علی الطعام)

زَنْجَبِیْل (سونٹھ) بادشاہ روم نے ایک گھڑا زنجبیل سے بھرا ہوا آپ کے پاس ہدیۃً بھیجا تھا آپ نے اس میں سے ایک ایک ٹکڑا اپنے اصحاب کو کھانے کے لئے دیا اس روایت کو ابو نعیم محدث نے اپنی کتاب ''طبِ نبوی'' میں بیان کیا ہے (نشر الطیب)

عَجْوَہ: مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور کا نام ہے اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ ''عجوہ'' جنت سے ہے اور وہ جنون یا زہر سے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب الکماۃ والعجوۃ)

کَمْأَۃ: جس کو بعض لوگ کھمبی اور بعض لوگ سانپ کی چھتری کہتے ہیں اس کے بارے میں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ کماۃ ''من'' کے مثل ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا (یعنی جیسے وہ مفت کی چیز اور بہت ہی مفید چیز تھی ایسی ہی یہ ہے) اور اس کا عرق آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب الکماۃ و بخاری وغیرہ)

سَنَا (سنا کی ایک دوا ہے) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم کس دوا سے جلاب لیتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ''شبرم'' سے آپ نے فرمایا یہ تو بہت ہی گرم دوا ہے پھر آپ نے اِس کو سنا کا جلاب لینے کے لئے حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر موت سے شفا دینے والی کوئی چیز ہوتی تو وہ سنا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب دواء المشی)

سَنُّوت: اس کے معنی میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے مگر اطباء نے ایک خاص تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ یعنی وہ شہد جو گھی کے برتن میں رکھا گیا ہو اور اس میں گھی کے کچھ اثرات پہنچ گئے ہوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ سنا اور سنوت کو استعمال کرتے رہو کہ ان دونوں میں موت کے سوا تمام امراض سے شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب السناء والسوت)

بعض اطباء نے وجہ ترجیح میں کہا ہے کہ شہد اور گھی سے سنا کی اصلاح اور سہال کی اعانت ہو جاتی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سَمّ (زہر) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خبیث دوا یعنی زہر سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۵ باب النہی عن الدواء الخبیث)

عُود ھِندِی (قسط شیریں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عود ہندی کو استعمال میں لایا کرو کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں حلق میں کوؤں کے لئے اس کا سعوط کرنا چاہیے اور نمونیہ کے لئے اس کا جوشاندہ پلانا چاہیے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۶ باب دواء ذات الجنب)

دوا عِرْقُ النِّسَاء: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنگل میں چرنے والی بکری کے سرین کو گلا کر تین ٹکڑے کر لئے جائیں اور تین دن نہار منہ ایک ٹکڑا کھائیں اس میں ''عرق النساء'' کی شفاء ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۶ باب دوا عرق النساء)

حرام دوائیں: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی اتاری ہے اور دوا بھی، اور ہر بیماری کی دوا بنا دی ہے۔ لہٰذا تم لوگ دوا کرو مگر حرام چیز سے دوا علاج مت کرو۔

شراب: حضرت سوید بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا۔ پھر دوبارہ پوچھا تو آپ نے منع

فرمایا' تیسری بار انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ! یہ تو دوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں" یہ بیماری ہے۔ (ابوداؤد جلد۲ ص۱۸۵ مجتبائی)

زخموں کا علاج: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور لوہے کی ٹوپی آپ کے سر اقدس پر توڑ ڈالی گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چہرۂ انور سے خون دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی رکھ کر زخم پر بہا رہے تھے لیکن جب خون بہنے کا سلسلہ بڑھتا ہی رہا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو جلا کر راکھ بنا ڈالا' پھر اسی راکھ کو زخموں پر چپکا دیا تو خون بہنا بند ہو گیا۔

(ابن ماجہ ص۲۵۶ ابو طالب الطلب)

طاعون (پلیگ): کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بھیجا تھا۔ جب تم سنو کہ کسی زمین میں طاعون پھیل گیا ہے تو تم لوگ اس زمین میں داخل نہ ہوا کرو اور جب تمہاری زمین میں طاعون آ جائے تو تم اس زمین سے نکل کر نہ بھاگو۔ (مسلم جلد۲ ص۲۲۸ باب الطاعون)

اناڑی طبیب: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم طب کو نہیں جانتا اور علاج کرتا ہے تو وہ (مریض کو اگر کوئی نقصان پہنچا) ضامن ہے یعنی اس سے نقصان کا تاوان لیا جائے گا۔

(ابن ماجہ ص۲۵۶)

بخار: ایک شخص نے حضور ﷺ کے روبرو بخار کو گالی دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم بخار کو گالی مت دو' بخار کی بیماری مریض کے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے جس طرح لوہے کے میل کو آگ دور کر دیتی ہے۔ (ابن ماجہ ص۲۵۶ باب الحمیٰ)

بخار کا علاج: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش مارنے سے ہے۔ لہٰذا تم لوگ اس کو پانی سے (پلا کر اور غسل کرا کر) ٹھنڈا کرو۔ (ابن ماجہ ص۲۵۶ باب الحمیٰ)

(نوٹ): بخار کا یہ علاج ایک خاص قسم کے بخار کا علاج ہے جو عرب میں ہوتا ہے جسکو اطباء صفراوی بخار یا حمی ناریہ (لو لگنے کا بخار کہتے ہیں) یہ ہر قسم کے بخار کا علاج نہیں ہے۔

(حاشیہ ابن ماجہ ص۲۵۶)

اس لئے ہر قسم کے بخاروں میں یہ علاج کامیاب نہیں ہو سکتا لہٰذا کسی طبیب حاذق سے اچھی طرح بخار کی تشخیص کرا لینے کے بعد ہی اس کا علاج کرانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیغمبری دُعائیں

خداوندِ قدوس کے دربار میں بندوں کی دعاؤں کا بہت ہی بڑا درجہ ہے اور دواؤں کی طرح دعاؤں میں بھی خلاقِ عالم جل جلالہٗ نے بڑی بڑی خاص تاثیرات پیدا فرمادی ہیں۔ چنانچہ پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں بار بار بندوں کو دعائیں مانگنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی اے بندو! تم لوگ مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور حضورِ اقدس ﷺ نے بھی دعاؤں کی اہمیت اور ان کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی امت کو دعائیں مانگنے کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا سے بڑھ کر عزت والی کوئی چیز نہیں ہے۔ (ترمذی باب فضل الدعاء ص ۱۷۳ جلد ۲) اور دعاؤں کی فضیلت و اہمیت کا اظہار فرماتے ہوئے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۲) یعنی دعا عبادت کا مغز ہے اور یہ بھی فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ جو خدا سے دعا نہیں مانگتا خدا اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۳ ابواب الدعوات)

اس لئے طبِ نبوی کی طرح حضورِ اقدس ﷺ کی ان چند دعاؤں کا تذکرہ بھی ہم اس کتاب میں تحریر کرتے ہیں جو آپ کے معمولات میں رہی ہیں اور جن کے فضائل و فوائد سے آپ نے اپنی امت کو آگاہ فرما کر ان کے ورد کا حکم فرمایا ہے۔ تاکہ سیرتِ نبویہ کے اس مقدس باب سے بھی یہ کتاب مشرف ہوجائے۔ اور مسلمان ان دعاؤں کا ورد کر کے دنیا و آخرت کے بے شمار منافع و فوائد سے مالا مال ہوتے رہیں۔

ہر بلا سے نجات

حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح و شام کو تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اس کو دنیا کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۷۳ باب ماجاء فی الدعاء اذا اصبح واذا امسی)

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

سوتے وقت کی دعائیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بچھونے پر یہ دعا تین مرتبہ پڑھ کر

سوئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ اس کے گناہ درختوں کے پتوں اور ٹیلوں کی ریت کی تعداد میں ہوں۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۷۴)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ ط

حضور اکرم ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیٰی نَفْسِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَهَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (ترمذی جلد۲ ص۱۷۷)

رات میں جاگے تو کیا پڑھے

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات میں نیند سے بیدار ہو تو یہ دعا پڑھے پھر اس کے بعد جو دعا مانگے گا وہ قبول ہوگی۔ اور وضو کر کے جو نماز پڑھے گا وہ نماز بھی مقبول ہو جائے گی۔ (ترمذی جلد۱ ص۱۷۷)

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ○

گھر سے نکلتے وقت کی دُعا

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو اس کی مشکلات دور ہو جائیں گی اور وہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا اور شیطان اس سے الگ ہٹ جائے گا۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۸۰)

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ○

بازار میں داخل ہو تو یہ پڑھے

ارشادِ نبوی ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت ان کلمات کو پڑھ لے تو خداوند تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھنے کا حکم فرمائے گا اور اس کے دس لاکھ گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے دس لاکھ درجے بلند فرمائے گا۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۸۰)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

دعاءِ سفر

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سفر کے لئے روانہ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۸۱)

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اَصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَھْلِنَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ ○

سفر سے آنے کی دعا

حضور ﷺ جب سفر سے لوٹ کر اپنے کاشانۂ نبوت پر مدینہ تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۸۲)

اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۵

منزل پر اس دعا کا ورد کرے

رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سفر میں کسی جگہ پر پڑاؤ کرے اور یہ دعا پڑھ لے تو اس کو اس جگہ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۸۱)

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔

بے چینی کے وقت کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کوئی بے چینی اور پریشانی لاحق ہوا کرتی تھی تو اس وقت آپ اس دعا کا ورد فرماتے تھے۔

(ترمذی جلد۲ ص۱۸۱)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۵ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۵ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ۵

کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ پڑھے

حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بلا میں مبتلا ہونے والے کو دیکھے (بیمار یا مصیبت زدہ کو) تو یہ دعا پڑھ لے تو تمام عمر وہ اس بلا (بیماری یا مصیبت) سے بچا رہے گا۔ (ترمذی جلد۲ ص۱۸۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

کسی کو رخصت کرنے کی دعا

حضور ﷺ جب کسی انسان کو رخصت فرماتے تھے تو یہ کلمات زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے تھے۔

اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِكَ (ترمذی جلد۲ص۱۸۲)

کھانا کھا کر کیا پڑھے

حضرت ابوامامہ ؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تھا تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد۲ص۱۸۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔

آندھی کے وقت کی دعا

حضورِ اقدس ﷺ جب آندھی چلتی تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد۲ص۱۸۳)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَا فِیْهَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ

بجلی گرجنے کی دعا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد۲ص۱۸۳)

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ ۔

کسی قوم سے ڈرے تو کیا پڑھے

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی قوم یا کسی لشکر سے جان و مال وغیرہ کا خوف ہو تو یہ دعا پڑھے۔ (ابوداؤد جلد۱ص۲۲۲ مجتبائی)

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

قرض ادا ہونے کی دعا

مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری ؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ ایک دن مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں حضرت ابوامامہ انصاری ؓ کو دیکھا آپ نے فرمایا کہ اے ابوامامہ! تم اس وقت میں جب کہ نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں کیوں اور کیسے بیٹھے ہوئے ہو حضرت ابوامامہ ؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں بہت

سے افکار اور قرضوں کے بارسے دیر بار ہو رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسا کلام نہ تعلیم کروں کہ جب تم اس کو پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہاری فکر کو دفع فرما دے اور تمہارے قرض کو ادا کر دے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ضرور مجھے ارشاد فرمایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم روزانہ صبح و شام کو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۲۴)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡھَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡعَجۡزِ وَالۡکَسۡلِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غَلَبَۃِ الدَّیۡنِ وَقَھۡرِ الرِّجَالِ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو پڑھا تو میری فکر جاتی رہی اور خداوند تعالیٰ نے میرے قرض کو بھی ادا فرما دیا۔

جمعہ کے دن بکثرت درود شریف پڑھو

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تم لوگوں کا درود شریف میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) بعد وصال جسم باقی نہیں رہتے تو ہم لوگوں کا درود شریف کیسے آپ کے دربار میں پیش ہوا کرے گا؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الۡاَرۡضِ اَجۡسَادَ الۡاَنۡبِیَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام فرما دیا ہے۔

(ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۲۱ مجتبائی)

ضروری تنبیہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقدس اجسام ان کی مبارک قبروں میں سلامت رہتے ہیں اور زمین پر حضرت حق جل جلالہ نے حرام فرما دیا ہے کہ ان کے مقدس جسموں پر کسی قسم کا تغیر و تبدل پیدا کرے۔ جب تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ شان ہے۔ تو پھر بھلا حضور سید الانبیاء و سید المرسلین اور امام الانبیاء و خاتم النبیین ﷺ کے مقدس جسم انور کو زمین کیونکر کھا سکتی ہے؟ اس لئے تمام علماء امت و اولیاء امت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اور خدا کے حکم سے بڑے بڑے تصرفات فرماتے رہتے ہیں اور اپنی خداداد پیغمبرانہ قوتوں اور معجزانہ طاقتوں سے اپنی امت کی مشکل

کشائی اور ان کی فریادرسی فرماتے رہتے ہیں۔

خوب یاد رکھئے کہ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ یقیناً بارگاہِ اقدس کا گستاخ بد عقیدہ، گمراہ اور اہل سنت کے مذہب سے خارج ہے۔

مرغ کی آواز سن کر دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم لوگ مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے۔ یعنی یہ دعا پڑھو کہ اَسْئَلُ اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہِ الْعَظِیْمِ (مسلم جلد۲ ص۳۵۱)

گدھا بولے تو کیا پڑھے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ گدھے کی آواز سن کر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

(مسلم جلد۲ ص۳۵۱)

جنت کا خزانہ

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تیری رہنمائی ایسے کلمہ پر نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سا کلمہ ہے؟ تو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ کلمہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے۔ (مسلم جلد۲ ص۳۴۶)

بہشت کا ٹکٹ

حضورِ انور ﷺ نے فرمایا کہ جو اس دعا کو پڑھتا رہے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی وہ دعا یہ ہے۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا (ابوداؤد جلد۱ ص۲۲۱ مجتبائی)

سید الاستغفار

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان یقین قلب کے ساتھ دن میں اس دعا کو پڑھ لے گا اگر اس دن شام سے پہلے مرے گا تو جنتی ہوگا اور اگر رات میں پڑھ لے گا اور صبح سے پہلے مرے گا تو جنتی ہوگا اس دعا کا نام سید الاستغفار ہے جو یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلٰی وَ اَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِی فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

(بخاری جلد۲ص ۹۳۳)

جماع کی دعا

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے تو اس صحبت سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کو کبھی ہرگز شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللهِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا

(بخاری جلد۲ص ۹۴۵)

شفاءامراض کے لئے

روایت ہے کہ عبدالعزیز بن صہیب اور ثابت بنانی رضی اللہ عنہما دونوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ثابت بنانی نے عرض کیا کہ اے ابوحمزہ (انس) میں بیمار ہوگیا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں اس دعا سے تمہارے مرض کا جھاڑ پھونک نہ کر دوں جس دعا سے حضور ﷺ مریضوں پر شفا کے لئے دم فرمایا کرتے تھے؟ ثابت بنانی نے کہا کہ کیوں نہیں؟ اس کے بعد حضرت اَنس رضی اللہ عنہ نے یہ دعا پڑھی کہ۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیْ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا (بخاری جلد۲ص ۸۵۵ باب رقیۃ النبی ﷺ)

مصیبت پر نعم البدل ملنے کی دعا

حضرت اُم المومنین بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے یہ سنا تھا کہ کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِنْھَا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس کی ضائع شدہ چیز سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔

حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو میں نے (دل میں) کہا کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا؟ یہ پہلا گھر

ہے جو حضور ﷺ کے پاس مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچا لیکن پھر میں نے اس دعا کو پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ سے بہتر شوہر عطا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرما لیا۔

(مسلم جلد ۱ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز)

☆☆☆☆☆☆☆☆

اُنیسواں باب

متعلقین رسالت

ان کے مولیٰ کے ان پر کروروں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
پارہائے صحف، غنچہ ہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
اہل اسلام کی مادرانِ شفیق!
بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

اَزواجِ مطہرات

حضورِ اقدس ﷺ کی نسبت مبارکہ کی وجہ سے ازواجِ مطہرات کا بھی بہت ہی بلند مرتبہ ہے ان کی شان میں قرآن کی بہت سی آیات بینات نازل ہوئیں جن میں ان کی عظمتوں کا تذکرہ اور ان کی رفعت شان کا بیان ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ (احزاب)	اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر اللہ سے ڈرو۔

دوسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط	اور اس (نبی) کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔ (احزاب)

یہ تمام امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس بیویاں دو باتوں میں حقیقی ماں کے مثل ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کسی کا نکاح جائز نہیں۔ دوم یہ کہ ان کی تعظیم و تکریم ہر امتی پر اس طرح لازم ہے جس طرح حقیقی ماں کی بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ لیکن نظر اور خلوت کے معاملہ میں ازواجِ مطہرات کا حکم حقیقی ماں کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حضرت حق جلالہ کا ارشاد ہے کہ۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ – (احزاب)	جب نبی کی بیویوں سے تم لوگ کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

مسلمان اپنی حقیقی ماں کو تو دیکھ بھی سکتا ہے اور تنہائی میں بیٹھ کر اس سے بات چیت بھی کر سکتا ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس بیویوں سے ہر مسلمان کے لئے پردہ فرض ہے اور تنہائی میں انکے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔

اسی طرح حقیقی ماں کے ماں باپ' لڑکوں کے نانی نانا اور حقیقی ماں کے بھائی' بہن لڑکوں کے ماموں اور خالہ ہوا کرتے ہیں۔ مگر ازواجِ مطہرات کے ماں باپ امت کے نانی نانا اور ازواجِ مطہرات کے بھائی بہن امت کے ماموں خالہ نہیں ہوا کرتے۔

یہ حکم حضور ﷺ کی ان تمام ازواج مطہرات کے لئے ہے جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح فرمایا چاہے حضور ﷺ سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہو یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انہوں نے وفات پائی ہو یہ سب کی سب امت کی مائیں ہیں اور ہر امتی کے لئے اس کی حقیقی ماں سے بڑھ کر لائق تعظیم و واجب الاحترام ہیں۔ (زرقانی جلد۳ ص۲۱۶)

ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کے نکاحوں کی ترتیب کے بارے میں مورخین کا قدرے اختلاف ہے۔ مگر گیارہ اُمہات المومنین کے بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا مگر نو بیویاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفاتِ اقدس کے وقت موجود تھیں۔

ان گیارہ اُمت کی ماؤں میں سے چھ خاندان قریش کے اونچے گھرانوں کی چشم و چراغ تھیں جن کے اسماء مبارکہ یہ ہیں۔

۱- خدیجہ بنت خویلد‘ ۲- عائشہ بنت ابوبکر صدیق‘ ۳- حفصہ بنت عمر فاروق‘
۴- اُمِ حبیبہ بنت ابوسفیان‘ ۵- اُمِ سلمہ بنت ابوامیہ‘ ۶- سودہ بنت زمعہ۔

اور چار ازواجِ مطہرات خاندان قریش سے نہیں تھیں بلکہ عرب کے دوسرے قبائل سے تعلق رکھتی تھیں وہ یہ ہیں۔

۱- زینب بنت جحش‘ ۲- میمونہ بنت حارث‘ ۳- زینب بنت خزیمہ‘
۴- اُم المساکین جویریہ بنت حارث اور ایک بیوی یعنی صفیہ بنت حیی یہ عربی النسل نہیں تھیں‘ بلکہ خاندان بنی اسرائیل کی ایک شریف النسب رئیس زادی تھیں۔

اس بات میں بھی کسی مورخ کا اختلاف نہیں ہے کہ سب سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں فرمایا۔ (زرقانی جلد۳ ص۲۱۸ تا ۲۱۹)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ حضورِ اقدس ﷺ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات ہیں۔ ان کے والد کا نام خویلد بن اسد اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔ یہ خاندان قریش کی بہت ہی معزز اور نہایت ہی دولت مند خاتون تھیں۔ ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں لکھ چکے ہیں کہ اہل

مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی بنا پر انکو "طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق و عادات اور جمالِ صورت و کمالِ سیرت کو دیکھ کر خود ہی حضورِ اقدس ﷺ سے نکاح کی رغبت ظاہر کی اور پھر باقاعدہ نکاح ہو گیا جس کا مفصل تذکرہ گزر چکا۔ علامہ ابن اثیر اور امام ذہبی کا بیان ہے کہ اس بات پر تمام اُمت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے یہی ایمان لائیں اور ابتداء اسلام میں جب کہ ہر طرف سے آپ کی مخالفت کا طوفان اُٹھ رہا تھا ایسے کٹھن وقت میں صرف انہیں کی ایک ذات تھی جو رسول اللہ ﷺ کی مونس حیات بن کر تسکین خاطر کا باعث تھی۔ انہوں نے اتنے خوفناک اور خطرناک اوقات میں جس استقلال اور استقامت کے ساتھ خطرات و مصائب کا مقابلہ کیا اور جس طرح تن، من، دھن سے بارگاہ نبوت میں اپنی قربانی پیش کی، اس خصوصیت میں تمام ازواجِ مطہرات پر ان کو ایک خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ ولی الدین عراقی کا بیان ہے کہ قول صحیح اور مذہب مختار یہی ہے کہ اُمہات المومنین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ افضل ہیں۔

ان کے فضائل میں چند حدیثیں وارد بھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد (ﷺ) یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن لے کر آ رہی ہیں جس میں کھانا ہے۔ جب یہ آپ کے پاس آ جائیں تو آپ ان سے ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیں۔ اور ان کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جنت میں ان کے لئے موتی کا ایک گھر بنا ہے جس میں نہ کوئی شور ہو گا نہ کوئی تکلیف ہوگی۔ (بخاری جلد۱ ص۵۳۹ باب تزویج النبی ﷺ)

امام احمد و ابو داؤد و نسائی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم و حضرت آسیہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہن) (زرقانی جلد۳ ص۲۲۳ تا ۲۲۴)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف سنی تو انہیں غیرت آ گئی اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی

جب سب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لئے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور انہیں کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۲۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ مجھے حضرت خدیجہ کے بارے میں غیرت آیا کرتی تھی۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا غیرت کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ان کا ذکرِ خیر فرماتے رہتے تھے اور اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ آپ جب کوئی بکری ذبح فرماتے تھے تو کچھ گوشت حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھروں میں ضرور بھیج دیا کرتے تھے اس سے میں چڑ جایا کرتی تھی اور کبھی کبھی یہ کہہ دیا کرتی تھی کہ ''دنیا میں بس ایک خدیجہ ہی تو آپ کی بیوی تھیں۔ میرا یہ جملہ سن کر آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہاں ہاں بے شک وہ تھیں وہ تھیں انہیں کے شکم سے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۹ ذکر خدیجہ)

امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دنیا میں جنت کا انگور کھلایا۔ اس حدیث کو امام سہیلی نے بھی نقل فرمایا ہے۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۲۶)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پچیس سال تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت گزاری سے سرفراز رہیں۔ ہجرت سے تین برس قبل پینسٹھ برس کی عمر پا کر ماہ رمضان میں مکہ معظّمہ کے اندر انہوں نے وفات پائی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان حجون (جنت المعلیٰ) میں خود بہ نفس نفیس انکی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو سپردِ خاک فرمایا چونکہ اس وقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷ و اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۹۳)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام ''زمعہ'' اور ان کی والدہ کا نام شموس بنت عمرو ہے یہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے بیاہی گئی تھیں۔ یہ میاں بیوی دونوں ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور ان دونوں نے حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی

تھی۔ لیکن جب حبشہ سے واپس آ کر یہ دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ آئے تو ان کے شوہر سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں ان کے ایک لڑکا بھی تھا جن کا نام ''عبدالرحمٰن'' تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل چلتے ہوئے ان کی طرف تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا مقدس پاؤں رکھ دیا جب حضرت سودہ ء نے اس خواب کو اپنے شوہر سے بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں یقیناً عنقریب ہی مر جاؤں گا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھ سے نکاح فرمائیں گے۔ اس کے بعد دوسری رات میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ خواب دیکھا کہ ایک چاند ٹوٹ کر ان کے سینے پر گرا ہے صبح کو انہوں نے اس خواب کا بھی اپنے شوہر سے ذکر کیا تو ان کے شوہر حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونک کر کہا کہ اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو میں اب بہت جلد انتقال کر جاؤں گا اور تم میرے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کرو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے ہر وقت بہت زیادہ مغموم اور اداس رہا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرما لیں تا کہ آپ کا خانہ معیشت آباد ہو جائے اور ایک وفادار اور خدمت گزار بیوی کی صحبت و رفاقت سے آپ کا غم مٹ جائے۔ آپ نے ان کے اس مخلصانہ مشورہ کو قبول فرما لیا چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ سے بات چیت کر کے نسبت طے کرا دی اور نکاح ہو گیا اور یہ اُمہات المومنین کے زمرے میں داخل ہو گئیں اور اپنی زندگی بھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے سرفراز رہیں اور انتہائی والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ آپ کی وفادار اور خدمت گزار رہیں۔ یہ بہت ہی فیاض اور سخی تھیں ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درہموں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ان کی خدمت میں بھیجا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لانے والے نے بتایا کہ درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا درہم کھجوروں کے تھیلے میں بھیجے جاتے ہیں یہ کہا اور اٹھ کر اسی وقت ان تمام درہموں کو مدینہ کے فقراو مساکین

پر تقسیم کر دیا۔

حدیث کی مشہور کتابوں میں ان کی روایت کی ہوئی پانچ حدیثیں مذکور ہیں جن میں سے ایک حدیث بخاری شریف میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما ان کے شاگردوں میں بہت ہی ممتاز ہیں۔

ان کی وفات کے سال میں مختلف اور متضاد اقوال ہیں' امام ذہبی اور امام بخاری نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور خلافت سن ۲۳ ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی لیکن واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ان کی وفات کا سال سن ۵۴ ھ ہے اور صاحب اکمال نے بھی ان کا سنہ وفات شوال ۵۴ ھ ہی تحریر کیا ہے۔ مگر حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تقریب التہذیب میں یہ لکھا ہے کہ ان کی وفات شوال سن ۵۵ ھ میں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۹ و اکمال ص ۵۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

یہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر اور دخترِ نیک اختر ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام ''اُمِ رُومان'' ہے یہ چھ برس کی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا اور شوال ۲ ھ میں مدینہ منورہ کے اندر یہ کاشانہ نبوت میں داخل ہو گئیں اور نو برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز رہیں۔ ازواجِ مطہرات میں یہی کنواری تھیں اور سب سے زیادہ بارگاہ نبوت میں محبوب ترین بیوی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نازل نہیں ہوئی مگر حضرت عائشہ جب میرے ساتھ بستر نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی الٰہی اترتی رہتی ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۲ فضل عائشہ)

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تین راتیں میں خواب میں یہ دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ تم کو ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر میرے پاس لاتا رہا اور مجھ سے یہ کہتا رہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو ناگہاں وہ تم ہی تھیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس خواب کو پورا کر دکھائے گا۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۷۳)

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواجِ مطہرات کے اندر ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی ہیں ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں' اور چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواجِ مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواجِ مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں۔

۱- حضور ﷺ نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

۲- میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔

۳- اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔

۴- نکاح سے قبل حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لاکر حضور ﷺ کو دکھلا دی تھی اور آپ تین راتیں خواب میں مجھے دیکھتے رہے۔

۵- میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے یہ شرف میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

۶- حضورِ اقدس ﷺ نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی رہتی تھی اُمہات المومنین میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کی اس کریمانہ محبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔

۷- میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی یہ وہ اعزاز خداوندی ہے جو میرے سوا حضور ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کو حاصل نہیں ہوا۔

۸- وفاتِ اقدس کے وقت میں حضور ﷺ کو اپنی گود میں لئے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سرِ انور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور ﷺ کا وصال ہوا۔

۹- حضور ﷺ نے میری باری کے دن وفات پائی۔

۱۰- حضورِ اقدس ﷺ کی قبر انور خاص میرے گھر میں بنی۔ (زرقانی جلد۳ ص۳۲۳)

عبادت میں بھی آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے آپ کے بھتیجے حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روزانہ بلا ناغہ نماز تہجد پڑھنے کی پابند تھیں اور اکثر روزہ دار بھی رہا کرتی تھیں۔

سخاوت اور صدقات و خیرات کے معاملہ میں بھی تمام اُمہات المومنین میں خاص طور پر بہت ممتاز تھیں اُمِ دُرّہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ اس وقت ایک لاکھ درہم کہیں سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت ان سب درہموں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا اور ایک درہم بھی گھر میں باقی نہیں چھوڑا۔ اس دن میں وہ روزہ دار تھیں میں نے عرض کیا کہ آپ نے سب درہموں کو بانٹ دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں رکھا۔ تاکہ آپ گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اگر مجھ سے پہلے کہا ہوتا تو میں ایک درہم کا گوشت منگا لیتی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو آپ کے بھانجے تھے ان کا بیان ہے کہ فقہ و حدیث کے علاوہ میں نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کسی کو اشعارِ عرب کا جاننے والا نہیں پایا وہ دورانِ گفتگو میں ہر موقع پر کوئی نہ کوئی شعر پڑھ دیا کرتی تھیں جو بہت ہی برمحل ہوا کرتا تھا۔

علم طب اور مریضوں کے علاج معالجہ میں بھی انہیں کافی مہارت تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن حیران ہو کر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے علم حدیث و فقہ پر کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت اور صحبت کا شرف پایا ہے۔ اور آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ مقدسہ ہیں اسی طرح مجھے اس پر بھی کوئی تعجب اور حیرانی نہیں ہے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عرب کے اشعار کیوں اور کس طرح یاد ہو گئے؟ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر ہیں اور وہ اشعارِ عرب کے بہت بڑے حافظ و ماہر تھے۔ مگر میں اس بات پر بہت ہی حیران ہوں کہ آخر یہ طبی معلومات اور علاج و معالجہ کی مہارت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گئی یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ اپنی آخری عمر شریف میں اکثر علیل ہو جایا کرتے تھے اور عرب و عجم کے اطباء

آپ کے لئے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی اس لئے مجھے طبی معلومات بھی حاصل ہو گئیں۔

آپ کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور آپ کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

۱۷ رمضان شب سہ شنبہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔ (اکمال وحاشیہ اکمال ص ۶۱۲ و زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۴ تا ۲۳۵)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمُ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو ایک مشہور صحابیہ ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو ہجرت بھی کی تھی۔ لیکن ان کے شوہر جنگ بدر یا جنگ احد میں زخمی ہو کر وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۳ھ میں ان سے نکاح فرمایا اور یہ اُمُ المومنین کی حیثیت سے کاشانۂ نبوی کی سکونت سے مشرف ہو گئیں۔

یہ بہت ہی شاندار بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون ہیں۔ حق گوئی حاضر جوابی اور فہم و فراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا۔ اکثر روزہ دار رہا کرتی تھیں' اور تلاوت قرآن مجید اور دوسری قسم قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ ان کے مزاج میں کچھ سختی تھی اسی لئے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں ان کی کسی سخت کلامی سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ بار بار ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے حفصہ! تم کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لیا کرو' خبردار کبھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی چیز کا تقاضا نہ کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کبھی ہرگز ہرگز دل آزادی نہ کرنا ورنہ یاد رکھو کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے ناراض ہو گئے تو تم خدا کے غضب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔

یہ بہت بڑی عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ

رکھتی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے پانچ حدیثیں بخاری شریف میں مذکور ہیں باقی احادیث دوسری کتب حدیث میں درج ہیں۔

علم حدیث میں بہت سے صحابہ اور تابعین ان کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ جن میں خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر ؓ بہت مشہور ہیں۔ شعبان سن ۴۵ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اس وقت حضرت امیر معاویہ ؓ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا۔ اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازہ کو بھی اٹھایا پھر حضرت ابو ہریرہ ؓ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیئے چلتے رہے۔ ان کے دو بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عاصم بن عمر ؓ اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ و حضرت عبداللہ بن عبداللہ و حضرت حمزہ بن عبداللہ ؓ نے ان کو قبر میں اتارا اور یہ جنت البقیع میں دوسری ازواجِ مطہرات کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۳۶ تا ۲۳۸)

حضرت اُمِ سلمہ ؓ

ان کا نام ہند ہے اور کنیت ''اُمِ سلمہ'' ہے مگر یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہی زیادہ مشہور ہیں ان کے باپ کا نام ''حذیفہ'' اور بعض مورخین کے نزدیک ''سہیل'' ہے مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ''عاتکہ بنت عامر'' ہیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن اسد ؓ سے ہوا تھا جو حضور ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اعلانِ نبوت کے بعد جلد ہی دامن اسلام میں آ گئے تھے اور سب سے پہلے ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ پھر یہ دونوں حبشہ سے مکہ مکرمہ آ گئے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوسلمہ ؓ نے اونٹ پر کجاوہ باندھا اور حضرت بی بی اُمِ سلمہ اور اپنے فرزند سلمہ کو کجاوہ میں سوار کر دیا مگر جب اونٹ کی نکیل پکڑ کر حضرت ابوسلمہ روانہ ہوئے تو حضرت اُمِ سلمہ کے میکے والے بنو مغیرہ دوڑ پڑے اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم اپنے خاندان کی اس لڑکی کو ہرگز ہرگز مدینہ نہیں جانے دیں گے۔ اور زبردستی ان کو اونٹ سے اتار لیا یہ دیکھ کر حضرت ابوسلمہ ؓ کے خاندانی لوگوں کو بھی طیش آ گیا اور ان لوگوں نے غضب ناک ہو کر کہا کہ تم لوگ اُمِ سلمہ کو محض اس بنا پر روکتے ہو کہ یہ تمہارے خاندان کی لڑکی ہے تو ہم اس کے بچہ ''سلمہ'' کو ہرگز ہرگز تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے اس لئے کہ

یہ بچہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے۔ یہ کہہ کر ان لوگوں نے بچہ کو اس کی ماں کی گود سے چھین لیا مگر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہجرت کا ارادہ ترک نہیں کیا بلکہ بیوی اور بچہ دونوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے شوہر اور اپنے بچے کی جدائی پر صبح سے شام تک مکہ کی پتھریلی زمین میں کسی چٹان پر بیٹھی ہوئی تقریباً سات دنوں تک زار و قطار روتی رہیں ان کا یہ حال دیکھ کر ان کے ایک چچا زاد بھائی کو ان پر رحم آ گیا اور اس نے بنو مغیرہ کو سمجھا بجھا کر یہ کہا کہ آخر اس مسکینہ کو تم لوگوں نے اس کے شوہر اور بچے سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ تم لوگ کیوں نہیں اس کو اجازت دے دیتے کہ وہ اپنے بچہ کو ساتھ لے کر اپنے شوہر کے پاس چلی جائے۔ بالآخر بنو مغیرہ اس پر رضا مند ہو گئے کہ یہ مدینہ چلی جائے۔ پھر حضرت سلمہ کے خاندان والے بنو عبدالاسد نے بھی بچے کو حضرت اُم سلمہ کے سپرد کر دیا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور اکیلی مدینہ کو چل پڑیں۔ مگر جب مقام ''تنعیم'' میں پہنچیں تو عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی جو مکہ کا مانا ہوا ایک نہایت ہی شریف انسان تھا۔ اس نے پوچھا کہ اے اُمِ سلمہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں اس نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہے؟ حضرت اُم سلمہ نے درد بھری آواز میں جواب دیا کہ نہیں میرے ساتھ اللہ اور میرے اس بچہ کے سوا کوئی نہیں ہے! یہ سن کر عثمان بن طلحہ کی رگ شرافت پھڑک اُٹھی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم میرے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ تمہاری جیسی ایک شریف زادی اور ایک شریف انسان کی بیوی کو تنہا چھوڑ دوں۔ یہ کہہ کر اس نے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لی اور پیدل چلنے لگا حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف کسی عرب کو نہیں پایا جب ہم کسی منزل پر اترتے تو وہ الگ کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتا اور میں اپنے اونٹ کے پاس سو رہتی۔ پھر روانگی کے وقت جب میں اپنے بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو جاتی تو وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنے لگتا۔ اسی طرح اس نے مجھے قبا تک پہنچا دیا اور وہاں سے وہ یہ کہہ کر مکہ چلا گیا کہ اب تم چلی جاؤ تمہارا شوہر اسی گاؤں میں ہے۔ چنانچہ حضرت اُمِ سلمہ اس طرح بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۹)

یہ دونوں میاں بیوی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنے لگے مگر ۴ ہجری میں جب

ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا تو باوجودیکہ ان کے چند بچے تھے مگر حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرما لیا اور یہ اپنے بچوں کے ساتھ کاشانہ نبوت میں رہنے لگیں اور اُمُّ المومنین کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئیں۔

حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عقل و فہم کے کمال کا بھی ایک بے مثال نمونہ تھیں۔ امام الحرمین کا بیان ہے کہ میں حضرت اُمِ سلمہ کے سوا کسی عورت کو نہیں جانتا کہ اس کی رائے ہمیشہ درست ثابت ہوئی ہو۔ صلح حدیبیہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی قربانیاں کر کے سب لوگ احرام کھول دیں اور بغیر عمرہ ادا کئے سب لوگ مدینہ واپس چلے جائیں۔ کیونکہ اسی شرط پر صلح حدیبیہ ہوئی ہے۔ تو لوگ اس قدر رنج و غم میں تھے کہ ایک شخص بھی قربانی کے لئے تیار نہیں تھا حضورِ اقدس ﷺ کو صحابہ کرام کے اس طرزِ عمل سے روحانی کوفت ہوئی اور آپ نے معاملہ کا حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تذکرہ کیا تو انہوں نے یہ رائے دی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کسی سے کچھ بھی نہ فرمائیں اور خود اپنی قربانی ذبح کر کے اپنا احرام اتار دیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے احرام کھول دیا ہے سب صحابہ کرام مایوس ہو گئے کہ اب حضور ﷺ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو ہرگز ہرگز نہ بدلیں گے اس لئے سب صحابہ نے بھی اپنی اپنی قربانیاں کر کے احرام اتار دیا اور سب لوگ مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔

حسن و جمال اور عقل و رائے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ان کی مہارت خصوصی طور پر ممتاز تھی۔ تین سو اٹھہتر حدیثیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں۔ اور بہت سے صحابہ و تابعین حدیث میں ان کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل ہیں۔ مدینہ منورہ میں چوراسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور ان کی وفات کا سال ۵۳ھ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں ازواجِ مطہرات کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ ان کے وصال کا سال سن ۵۹ھ ہے اور ابراہیم حربی نے فرمایا کہ ۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ سن ۶۳ھ کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(زُرقانی جلد ۳ ص ۲۳۸ تا ۲۴۲ و اکمال وحاشیہ اکمال ص ۵۹۹)

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصلی نام "رملہ" ہے یہ سردار مکہ ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی ہیں اور ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت العاص ہے جو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی ہیں۔

یہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ لیکن حبشہ پہنچ کر ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش پر ایسی بدنصیبی سوار ہوگئی کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا۔ اور شراب پیتے پیتے نصرانیت ہی پر وہ مر گیا۔

ابن سعد نے حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حبشہ میں ایک رات میں خواب دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش کی صورت اچانک بہت ہی بدنما اور بدشکل ہوگئی وہ اس خواب سے بہت زیادہ گھبرا گئیں۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اچانک یہ دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی دین قبول کر لیا' حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر کو اپنا خواب سنا کر ڈرایا اور اسلام کی طرف بلایا مگر اس بدنصیب نے اس پر کان نہیں دھرا اور مرتد ہونے ہی کی حالت میں مر گیا۔ مگر حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اسلام پر استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی حالت معلوم ہوئی تو قلب نازک پر بے حد صدمہ گزرا اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے حضرت عمر بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت اُمِ حبیبہ کے ساتھ میرا نکاح کر دو نجاشی کو جب یہ فرمان نبوت پہنچا تو اس نے اپنی ایک خاص لونڈی کو جس کا نام "ابرہہ" تھا حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام کی خبر دی۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس خوشخبری کو سن کر اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنے کچھ زیورات اس بشارت کے انعام میں ابرہہ لونڈی کو انعام کے طور پر دے دیئے اور حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص کو جو ان کے ماموں کے لڑکے تھے اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیج دیا۔ نجاشی نے اپنے شاہی محل میں نکاح کی مجلس منعقد کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے اس مجلس میں بلایا اور خود ہی خطبہ پڑھ کر سب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت بی بی اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا اور چار سو دینار اپنے پاس سے مہر ادا کیا جو اسی وقت حضرت

خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی گئی۔ جب صحابہ کرام اس نکاح کی مجلس سے اٹھنے لگے تو نجاشی بادشاہ نے کہا کہ آپ لوگ بیٹھے رہیے انبیاء علیہم السلام کا یہ طریقہ ہے کہ نکاح کے وقت کھانا کھلایا جاتا ہے' یہ کہہ کر نجاشی نے کھانا منگایا اور تمام صحابہ کرام شکم سیر کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے' پھر نجاشی نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ منورہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حرم نبوی میں داخل ہو کر اُم المومنین کا معزز لقب پالیا۔

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت پاکیزہ ذات وحمیدہ صفات کی جامع اور نہایت ہی بلند ہمت اور سخی طبیعت کی مالک تھیں اور بہت ہی قوی الایمان تھیں۔ ان کے والد ابوسفیان جب کفر کی حالت میں تھے اور صلح حدیبیہ کی تجدید کے لئے مدینہ آئے تو بے تکلف ان کے مکان میں جا کر بستر نبوت پر بیٹھ گئے۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے باپ کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور یہ کہہ کر اپنے باپ کو بستر سے اٹھا دیا کہ یہ بستر نبوت ہے۔ میں کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ ایک ناپاک مشرک اس پاک بستر پر بیٹھے۔

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پینسٹھ حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں موجود ہیں اور ایک حدیث وہ ہے جس کو تنہا مسلم نے روایت کی ہے۔ باقی حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان کے شاگردوں میں ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی صاحبزادی حضرت حبیبہ اور ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت مشہور ہیں۔

سن ۴۴ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں ازواجِ مطہرات کے خطیرہ میں مدفون ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۴۲ تا ۲۴۵ و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۸۱ تا ۴۸۲)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں حضور ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح کرا دیا تھا مگر چونکہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاندانِ قریش کی ایک بہت ہی شاندار خاتون تھیں اور حسن و جمال میں بھی یہ خاندانِ قریش کی بے مثال عورت تھیں اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گو کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر کے اپنا متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا تھا مگر پھر بھی چونکہ وہ پہلے غلام تھے اس لئے

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے خوش نہیں تھیں اور اکثر میاں بیوی میں ان بن رہا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی اس واقعہ سے فطری طور پر حضور ﷺ کے قلب نازک پر صدمہ گزرا۔ چنانچہ جب ان کی عدت گزر گئی تو محض حضرت زینب کی دلجوئی کے لئے حضور ﷺ نے حضرت زینب کے پاس اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ روایت ہے کہ یہ پیغام بشارت سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تیرے رسول نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اگر میں تیرے نزدیک ان کی زوجیت میں داخل ہونے کے لائق عورت ہوں تو یا اللہ! تو ان کے ساتھ میرا نکاح فرما دے ان کی یہ دعا فوراً ہی قبول ہوگئی اور یہ آیت نازل ہوگئی کہ۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب)

جب زید نے اس سے حاجت پوری کر لی (زینب کو طلاق دے دیا اور عدت گزر گئی) تو ہم نے اس (زینب) کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کون ہے جو زینب کے پاس جائے اور اس کو یہ خوشخبری سنائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح اس کے ساتھ فرما دیا ہے۔ یہ سن کر آپ کی ایک خادمہ دوڑتی ہوئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچیں اور یہ آیت سنا کر خوشخبری دی حضرت زینب اس بشارت سے اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنا زیور اتار کر اس خادمہ کو انعام میں دے دیا اور خود سجدہ میں گر پڑیں اور اس نعمت کے شکریہ میں دو ماہ لگاتار روزہ دار رہیں۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ناگہاں حضرت زینب کے مکان میں تشریف لے گئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) بغیر خطبہ اور بغیر گواہ کے آپ نے میرے ساتھ نکاح فرما لیا؟ ارشاد فرمایا کہ تیرے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے اس نکاح کے گواہ ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے نکاح پر جتنی بڑی دعوت ولیمہ فرمائی اتنی بڑی دعوت ولیمہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے نکاح کے موقع پر بھی نہیں فرمائی آپ نے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کی دعوت ولیمہ میں تمام صحابہ کرام کو نان و گوشت کھلایا۔

ان کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک

دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم ازواج مطہرات میں سے میری وہ بیوی سب سے پہلے وفات پا کر مجھ سے آن ملے گی جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے یہ سن کر تمام ازواجِ مطہرات نے ایک لکڑی سے اپنا ہاتھ ناپا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا نکلا لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت زینب نے وفات پائی تو اس وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ ہاتھ لمبا ہونے سے مراد کثرت سے صدقہ دینا تھا۔ کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے کچھ دستکاری کا کام کرتی تھیں اور اس کی آمدنی فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔

ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ہائے ایک قابل تعریف عورت جو سب کے لئے نفع بخش تھی اور یتیموں اور بوڑھی عورتوں کا دل خوش کرنے والی تھی آج دنیا سے چلی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے بھلائی اور سچائی میں اور رشتہ داروں کے ساتھ مہربانی کے معاملہ میں حضرت زینب سے بڑھ کر کسی عورت کو نہیں دیکھا۔

منقول ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات سے اکثر یہ کہا کرتی تھیں کہ مجھ کو خداوند تعالیٰ نے ایک ایسی فضیلت عطا فرمائی ہے جو ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ تمام ازواجِ مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ داداؤں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا لیکن حضور ﷺ کے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔

انہوں نے گیارہ حدیثیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں باقی نو حدیثیں دوسری کتب احادیث میں لکھی ہوئی ہیں۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کا حال امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دے دیا کہ مدینہ کے ہر کوچہ و بازار میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام اہل مدینہ اپنی مقدس ماں کی نمازِ جنازہ کے لئے حاضر ہو جائیں۔ امیر المومنین نے خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں ۵۳ برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

(مدارج النبوۃ جلد۲ ص۴۷۶ تا ۴۷۸ وغیرہ)

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

زمانہ جاہلیت میں چونکہ یہ غرباء اور مساکین کو بکثرت کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لئے ان کا لقب ''اُمّ المساکین'' (مسکینوں کی ماں) ہے پہلے ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا مگر جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ۳ھ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرما لیا اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد صرف دو مہینے یا تین مہینے زندہ رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں تیس برس کی عمر پا کر وفات پا گئیں اور جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن ہوئیں یہ ماں کی جانب سے حضرت اُمّ المومنین بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۴۹)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے والد کا نام حارث بن حزن ہے اور ان کی والدہ ہند بنت عوف ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام پہلے ''برہ'' تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر ''میمونہ'' (برکت دہندہ) رکھ دیا۔

یہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں مگر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو یہ بیوہ ہو چکی تھیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ نے ان سے نکاح فرما لیا اور عمرۃ القضاء سے واپسی پر مقام ''سرف'' میں ان کو اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی بہنیں چار ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱- ام الفضل لبابۃ الکبریٰ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ہی کے شکم سے پیدا ہوئے۔

۲- لبابۃ الصغریٰ: یہ حضرت خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں۔

۳- عصماء: یہ ابی بن خلف سے بیاہی گئی تھیں انہوں نے اسلام قبول کیا اور صحابیات میں ان کا شمار ہے۔

۴- غرہ: یہ بھی صحابیہ ہیں جو زیاد بن مالک کے گھر میں تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ان سگی بہنوں کے علاوہ وہ بہنیں جو صرف ماں کی جانب سے ہیں وہ بھی چار ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱- اسماء بنت عمیس: یہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھیں ان سے عبداللہ وعون ومحمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم تین فرزند پیدا ہوئے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''جنگ موتہ'' میں شہید ہو گئے تو ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور ان سے محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے عقد فرما لیا اور ان سے بھی ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام ''یحیٰ'' تھا۔

۲- سلمٰی بنت عمیس: یہ پہلے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا نام ''امۃ اللہ'' تھا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان سے شداد بن الہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا اور ان سے عبداللہ وعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو فرزند پیدا ہوئے۔

۳- سلامہ بنت عمیس: ان کا نکاح عبداللہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا۔

۴- اُمّ المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اُمّ المساکین کے لقب سے مشہور تھیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ''ہند بنت عوف'' کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ دامادوں کے اعتبار سے روئے زمین پر کوئی بڑھیا ان سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کے دامادوں کی فہرست میں مندرجہ ذیل ہستیاں ہیں۔

۱- رسول اللہ ﷺ۔ ۲- حضرت ابوبکر۔ ۳- حضرت علی۔ ۴- حضرت حمزہ۔ ۵- حضرت عباس۔ ۶- حضرت شداد بن الہاد یہ سب کے سب بزرگوار ''ہند بنت عوف'' رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے داماد ہیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۵۱ و مدارج جلد۲ ص۴۸۴)

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کل چھہتر حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری ومسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں اور ایک حدیث صرف بخاری میں ہے اور ایک ایسی حدیث ہے جو صرف مسلم میں ہے اور باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ حضور ﷺ کی آخری زوجہ مبارکہ ہیں ان کے بعد حضور اقدس ﷺ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا ان کے انتقال کے سال میں مورخین کا اختلاف ہے۔ مگر قول مشہور یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں بمقام ''سرف'' وفات پائی جہاں رسول اللہ ﷺ نے

ان سے زفاف فرمایا تھا ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ۶۱ ھ میں وفات پائی اور ابن اسحاق کا قول ہے کہ ۶۳ ھ ان کے انتقال کا سال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان کی وفات کے وقت ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما موجود تھے اور انہوں ہی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتارا' محدث عطا کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں شریک تھے۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہ آواز بلند فرمایا کہ اے لوگو! یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔ تم لوگ ان کے جنازہ کو بہت آہستہ آہستہ لے کر چلو اور ان کی مقدس لاش کو نہ جھنجھوڑو۔ حضرت یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مقام سرف میں اسی چھپر کی جگہ میں دفن کیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو پہلی بار اپنی قربت سے سرفراز فرمایا تھا۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۵۳)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی ہیں ''غزوہ مریسیع'' میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے تھے ان ہی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ جب قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دیا گیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے مکاتب کر لی یعنی یہ لکھ کر دے دیا کہ تم اتنی اتنی رقم مجھے دے دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا' حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم) میں اپنے قبیلے کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور مسلمان ہو چکی ہوں ثابت بن قیس نے مجھے مکاتبہ بنا دیا ہے۔ مگر میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جاؤں اس لئے آپ اس وقت میں میری مالی امداد فرمائیں کیونکہ میرا تمام خاندان اس جنگ میں گرفتار ہو چکا ہے اور ہمارے تمام مال و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں میں مالِ غنیمت بن چکے ہیں اور میں اس وقت بالکل ہی مفلسی و بے کسی کے عالم میں ہوں۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو ان کی فریاد سن کر ان پر رحم آ گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم اس کو منظور کر لو گی؟ انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے ساتھ اس سے بہتر

سلوک کیا فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے بدل کتابت کی تمام رقم میں خود تمہاری طرف سے ادا کردوں اور پھر تم کو آزاد کر کے میں خود تم سے نکاح کرلوں تا کہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادمانی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی انہوں نے اس اعزاز کو خوشی خوشی منظور کرلیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کتابت کی ساری رقم ادا فرما کر اور ان کو آزاد کر کے اپنی ازواجِ مطہرات میں شامل فرمالیا اور یہ اُم المومنین کے اعزاز سے سرفراز ہو گئیں۔

جب اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا تو تمام مجاہدین ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی غلام نہیں رہ سکتا' چنانچہ اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام مجاہدین اسلام کے قبضہ میں تھے فوراً ہی سب کے سب آزاد کر دیئے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر مبارک نہیں ثابت ہوا کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندان بنی مصطلق کو غلامی سے نجات حاصل ہوگئی۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۵۴)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میرے قبیلے میں تشریف لانے سے تین رات پہلے میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی جانب سے ایک چاند چلتا ہوا آیا اور میری گود میں گر پڑا میں نے کسی سے اس خواب کا تذکرہ نہیں کیا لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمالیا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔

(زُرقانی جلد۳ ص۲۵۴)

ان کا اصلی نام ''برہ'' (نیکوکار) تھا لیکن چونکہ اس نام سے بزرگی اور بڑائی کا اظہار ہوتا تھا اس لئے آپ نے ان کا نام بدل کر ''جویریہ'' (چھوٹی لڑکی) رکھ دیا یہ بہت ہی عبادت گزار عورت تھیں نماز فجر سے نماز چاشت تک ہمیشہ اپنے ورد و وظائف میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ (مدارج جلد۲ ص۴۷۹)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بھائی عبداللہ بن حارث اور ان کی ایک بہن عمرہ بنت حارث یہ تینوں بھی مسلمان ہو کر شرف صحابیت سے سربلند ہوئے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن حارث کے اسلام لانے کا واقعہ بہت ہی تعجب خیز بھی ہے اور

دلچسپ بھی، یہ اپنی قوم کے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ چند اونٹنیاں اور لونڈی تھی۔ انہوں نے ان سب کو ایک پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا دیا اور تنہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیرانِ جنگ کی رہائی کے لئے درخواست پیش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم قیدیوں کے فدیہ کے لئے کیا لائے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تمہاری وہ اونٹنیاں کیا ہوئیں؟ اور تمہاری وہ لونڈی کدھر گئی؟ جسے تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ زبان رسالت سے یہ علم غیب کی خبر سن کر عبداللہ بن حارث حیران رہ گئے کہ آخر حضور ﷺ کو میری لونڈی اور اونٹنیوں کی خبر کس طرح ہوگئی ایک دم ان کے اندھیرے دل میں حضور اکرم ﷺ کی صداقت اور آپ کی نبوت کا نور چمک اٹھا اور وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

(کتاب الاستیعاب)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے سات حدیثیں بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری شریف میں اور دو حدیثیں مسلم شریف میں ہیں باقی تین حدیثیں دوسری کتابوں میں مذکور ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبید بن صباع اور ان کے بھتیجے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

(زرقانی جلد۳ ص۲۵۵ و مدارج النبوۃ جلد۲ ص۴۸۱)

سن ۵۰ ہجری میں پینسٹھ برس کی عمر پا کر انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور حاکم مدینہ مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

(زرقانی جلد۳ ص۲۵۵ و مدارج جلد۲ ص۴۸۱)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام زینب تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام ''صفیہ'' رکھ دیا۔ یہ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں اور ان کی ماں کا نام ''ضرہ'' بنت سموئل ہے یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنو نضیر کا رئیس اعظم تھا جو جنگ خیبر میں قتل ہوگیا۔

محرم سن ۷ھ میں جب خیبر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور تمام اسیران جنگ گرفتار

کر کے اکٹھا جمع کئے گئے تو اس وقت حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک لونڈی طلب کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی پسند سے ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے لیا۔ مگر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) حضرت صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی شہزادی ہیں۔ ان کے خاندانی اعزاز کا تقاضا ہے کہ آپ ان کو اپنی ازواجِ مطہرات میں شامل فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے لیا اور ان کے بدلے میں انہیں ایک دوسری لونڈی عطا فرمادی پھر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا اور جنگ خیبر سے واپسی میں تین دنوں تک منزل صہبا میں ان کو اپنے خیمے کے اندر اپنی قربت سے سرفراز فرمایا۔ اور دعوت ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ صحابہ کرام کو کھلایا جس کا مفصل تذکرہ جنگ خیبر میں گزر چکا۔ حضور اکرم ﷺ حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہت ہی خصوصی توجہ اور انتہائی کریمانہ عنایت فرماتے تھے۔ اور اس قدر ان کا خیال رکھتے تھے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غیرت سوار ہو جایا کرتی تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت بی بی صفیہ کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ''وہ تو پستہ قد ہے'' تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! تو نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر تیرے اس کلام کو دریا میں ڈال دیا جائے تو دریا متغیر ہو جائے گا (یعنی یہ غیبت ہے جو بہت ہی گندی بات ہے) اسی طرح ایک مرتبہ ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ زخمی ہو گیا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک فاضل اونٹ تھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے زینب! تم اپنا اونٹ صفیہ کو دے دو، حضرت زینب نے طیش میں آ کر کہہ دیا کہ میں اس یہودیہ کو اپنی کوئی چیز نہیں دوں گی۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ حضرت زینب پر اس قدر خفا ہو گئے کہ دو تین ماہ تک ان کے بستر پر آپ نے قدم نہیں رکھا۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص ۴۸۳)

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی ہیں آپ نے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے یہ کہا ہے کہ ہم دونوں دربار رسالت میں تم سے بہت زیادہ عزت دار ہیں۔ کیونکہ ہمارا خاندان حضور ﷺ سے ملتا ہے یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے صفیہ! تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیونکر ہو

سکتی ہو۔ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں اور حضرت محمد ﷺ میرے شوہر ہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۹)

انہوں نے دس حدیثیں بھی حضور ﷺ سے روایت کی ہیں جن میں سے ایک حدیث بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہے اور باقی نو حدیثیں دوسری کتابوں میں درج ہیں۔

ان کی وفات کے سال میں اختلاف ہے واقدی کا قول ہے کہ سن ۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ سن ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا بوقت رحلت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی یہ بھی مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۹ و مدارج جلد ۲ ص ۴۸۳)

یہ شہنشاہ مدینہ ﷺ کی وہ گیارہ ازواجِ مطہرات ہیں جن پر تمام مورخین کا اتفاق ہے ان میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تو ہجرت سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا جن کا لقب ''اُمّ المساکین'' ہے ہم پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ نکاح کے دو تین ماہ بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی یہ وفات پا گئی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت آپ کی نو بیویاں موجود تھیں جن میں سے آٹھ کی آپ باریاں مقرر فرماتے رہے کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان نو مقدس ازواج میں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور سب کے بعد آخر میں ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں حضرت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی ان کی وفات کے بعد دنیا اُمہات المومنین سے خالی ہو گئی۔

مقدس باندیاں

مذکورہ بالا ازواجِ مطہرات کے علاوہ حضورِ اقدس ﷺ کی چار باندیاں بھی تھیں جو آپ کے زیر تصرف تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ان کو مصر و سکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہِ اقدس میں چند ہدایات اور تحائف کے ساتھ بطور ہبہ کے نذر کیا تھا۔ ان کی ماں رومی تھیں اور باپ مصری اس لیے یہ بہت ہی

حسین وخوبصورت تھیں۔ یہ حضور ﷺ کی اُمِ ولد ہیں۔ کیونکہ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ؓ ان ہی کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔

کنیز ہونے کے باوجود حضور اقدس ﷺ ان کو پردہ میں رکھتے تھے اور ان کیلئے مدینہ طیبہ کے قریب مقام عالیہ میں آپ نے ایک الگ گھر بنوا دیا تھا جس میں یہ رہا کرتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق ؓ اپنی زندگی بھر ان کے نان ونفقہ کا انتظام کرتے رہے۔ اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین عمر فاروق ؓ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم ؓ نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کیلئے خاص طور پر لوگوں کو جمع فرمایا اور خود ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھا کر ان کو جنت البقیع میں مدفون کیا۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۷۱ تا ۲۷۲)

حضرت ریحانہ ؓ

یہ یہود کے خاندانِ بنو قریظہ سے تھیں' گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں مگر انہوں نے کچھ دنوں تک اسلام قبول نہیں کیا۔ جس سے حضور اقدس ﷺ ان سے ناراض رہا کرتے تھے۔ مگر ناگہاں ایک دن ایک صحابی نے آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ریحانہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اس خبر سے آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اے ریحانہ! اگر تم چاہو تو میں تم کو آزاد کر کے تم سے نکاح کر لوں مگر انہوں نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے اپنی لونڈی ہی بنا کر رکھیں۔ یہی میرے اور آپ دونوں کے حق میں اچھا اور آسان رہے گا۔

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہی جب آپ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے۔ ۱۰ھ میں وفات پا کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۷۳)

حضرت نفیسہ ؓ

یہ پہلے حضرت زینب بنتِ جحش ؓ کی مملوکہ لونڈی تھیں۔ انہوں نے ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بطور ہبہ کے نذر کر دیا اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاشانہ نبوت میں باندی کی حیثیت سے رہنے لگیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۷۴)

چوتھی باندی صاحبہ

مذکورہ بالا باندیوں کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک چوتھی باندی صاحبہ بھی تھیں۔ جن کے بارے میں عام طور پر مورخین نے لکھا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں۔ یہ بھی کسی جہاد میں گرفتار ہو کر بارگاہِ اقدس میں آئی تھیں اور حضورِ اقدس ﷺ کی باندی بن کر آپ کی صحبت سے سرفراز ہوتی رہیں۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۷۴)

اَولادِ کرام

اس بات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی اولاد کرام کی تعداد چھ ہے۔ دو فرزند حضرت قاسم و حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب و حضرت رقیہ و حضرت اُمِ کلثوم و حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم وعنہن) لیکن بعض مورخین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے عبداللہ بھی ہیں جن کا لقب طیب و طاہر ہے۔ اس قول کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس اولاد کی تعداد سات ہے۔ تین صاحبزادگان اور چار صاحبزادیاں' حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو زیادہ صحیح بتایا ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کی مقدس اولاد کے بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں۔

حضور ﷺ کی ان ساتوں مقدس اولاد میں سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے تولد ہوئے تھے۔ باقی تمام اولادِ کرام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔ (زُرقانی جلد ۲ ص ۱۹۳ و مدارج النبوۃ جلد ۳ ص ۴۵۱)

اب ہم ان اولادِ کرام کے ذکرِ جمیل پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

یہ سب سے پہلے فرزند ہیں جو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آغوش مبارک میں اعلانِ نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔ حضورِ اقدس ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔ جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ یہ پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ اور ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کی عمر شریف دو برس کی ہوئی مگر علامہ غلابی کہتے ہیں کہ یہ فقط سترہ ماہ زندہ رہے۔ واللہ اعلم (زُرقانی جلد ۳ ص ۱۹۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

ان ہی کا لقب طیب و طاہر ہے۔ اعلانِ نبوت سے قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پاگئے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

یہ حضورِ اکرم ﷺ کی اولادِ مبارکہ میں سب سے آخری فرزند ہیں۔ یہ ذوالحجہ 8ھ میں مدینہ منورہ کے قریب مقام "عالیہ" کے اندر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکمِ مبارک سے پیدا ہوئے۔ اس لیے مقامِ عالیہ کا دوسرا نام مشربۂ ابراہیم بھی ہے۔ ان کی ولادت کی خبر حضورِ اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقامِ عالیہ سے مدینہ آ کر بارگاہِ اقدس میں سنائی۔ یہ خوشخبری سن کر حضورِ اکرم ﷺ نے انعام کے طور پر حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو "یااباابراھیم" (اے ابراہیم کے باپ) کہہ کر پکارا' حضور ﷺ بے حد خوش ہوئے اور ان کے عقیقہ میں دو مینڈھے آپ نے ذبح فرمائے۔ اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی اور ان کے بالوں کو دفن کرادیا۔ اور "ابراہیم" نام رکھا' پھر ان کو دودھ پلانے کے لیے حضرت "اُمِ سیف" رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد فرمایا ان کے شوہر حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ کو حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر گئے تو یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابراہیم جان کنی کے عالم میں تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ ﷺ بھی روتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! یہ میرا رونا ایک شفقت کا رونا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جب چشمانِ مبارک سے آنسو بہے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوگئے کہ

اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا	آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم وہی
نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا	بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب
بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ	خوش ہوجائے اور بلاشبہ اے ابراہیم ہم تمہاری

جدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔

جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اتفاق سے اسی دن سورج میں گرہن لگا۔ عربوں کے دلوں زمانہ جاہلیت کا یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت سے چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں جاہلیت کے اس عقیدہ کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھَا فَادْعُوا اللّٰہَ وَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ

یقیناً چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کے مرنے یا جینے سے ان دونوں میں گرہن نہیں لگتا جب تم لوگ گرہن دیکھو تو دعائیں مانگو اور نماز کسوف پڑھو۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱۴۵ باب الدعاء فی الکسوف)

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے فرزند ابراہیم نے دودھ پینے کی مدت پوری نہیں کی اور دنیا سے چلے گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہشت میں ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرما دیا جو مدت رضاعت بھر اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۵۴)

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ علیہ عنہ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۵۳)

بوقت وفات حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۱۷ یا ۱۸ ماہ کی تھی۔ واللہ اعلم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

یہ حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ اعلانِ نبوت سے دس سال قبل جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تیس سال کی تھی۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں اور جنگ بدر کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بلا لیا تھا اور یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اعلانِ نبوت سے قبل ہی ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے

ہوگئی تھی۔ ابوالعاص حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص کے ساتھ نکاح فرما دیا تھا۔ حضرت زینب تو مسلمان ہوگئی تھیں مگر ابوالعاص شرک و کفر پر اڑا رہا۔ رمضان سن 2 ھ میں جب ابوالعاص جنگِ بدر سے گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ اس وقت تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں۔ چنانچہ ابوالعاص کو قید سے چھڑانے کے لیے انہوں نے مدینہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جہیز میں دیا تھا۔ یہ ہار حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر صحابہ کرام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لے کر ان کو رہا کر دیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیں گے چنانچہ ابوالعاص نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں ’بطن یا‘‘جج‘‘ تک بھیج دیا۔ اِدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے ساتھ پہلے ہی مقام ’بطن یاجج‘‘ میں بھیج دیا تھا چنانچہ یہ دونوں حضرات ’بطن یاجج‘‘ سے اپنی حفاظت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لائے۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئیں تو کفارِ قریش نے ان کا راستہ رُکا یہاں تک کہ ایک بدنصیب ظالم ’’ہبار بن الاسود‘‘ نے ان کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا جس کے صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ مگر ان کے دیور کنانہ نے اپنے ترکش سے تیروں کو باہر نکال کر یہ دھمکی دی کہ جو شخص بھی حضرت زینب کے اونٹ کا پیچھا کرے گا۔ وہ میرے ان تیروں سے بچ کر نہ جائے گا۔ یہ سن کر کفارِ قریش سہم گئے۔ پھر سردارِ مکہ ابوسفیان نے درمیان میں پڑ کر حضرت زینب کے لیے مدینہ منورہ کی روانگی کے لیے راستہ صاف کرا دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کرنے میں یہ دردناک مصیبت پیش آئی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل میں یہ ارشاد فرمایا کہ هِیَ اَفْضَلُ بَنَاتِیْ اُصِیْبَتْ نِیَّ یعنی یہ میری بیٹیوں میں اس اعتبار سے بہت ہی زیادہ فضیلت والی ہیں کہ میری جانب ہجرت کرنے میں اتنی بڑی مصیبت اٹھائی۔ اس کے بعد ابوالعاص محرم ۷ ھ میں مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔

(زرقانی جلد۳ ص۱۹۵ تا ۱۹۶)

سن ۸ ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور حضرت اُمِ ایمن و حضرت سودہ بنت زمعہ و حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہن نے ان کو غسل دیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفن کے لیے اپنا تہبند شریف عطا فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کو قبر میں اتارا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد میں ایک لڑکا جس کا نام "علی" اور ایک لڑکی حضرت "امامہ" تھیں۔ "علی" کے بارے میں ایک روایت ہے کہ اپنی والدہ ماجدہ کی حیات ہی میں بلوغ کے قریب پہنچ کر وفات پا گئے۔ لیکن ابن عساکر کا بیان ہے کہ نسب ناموں کے بیان کرنے والے بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (زُرقانی جلد۳ ص۱۹۷)

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی محبت تھی۔ آپ ان کو اپنے دوش مبارک پر بٹھا کر مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے ایک حلہ بھیجا جس کے ساتھ سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انگوٹھی حضرت امامہ کو عطا فرمائی۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک بہت ہی خوبصورت سونے کا ہار کسی نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کیا جس کی خوبصورتی کو دیکھ کر تمام ازواجِ مطہرات حیران رہ گئیں۔ آپ نے اپنی مقدس بیویوں سے فرمایا کہ میں یہ ہار اس کو دوں گا جو میرے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تمام ازواجِ مطہرات نے یہ خیال کرلیا کہ یقیناً یہ ہار حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائیں گے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو قریب بلایا اور اپنی پیاری نواسی کے گلے میں اپنے دستِ مبارک سے یہ ہار ڈال دیا۔ (زُرقانی جلد۳ ص۱۹۷)

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا

یہ اعلان نبوت سے سات برس پہلے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا تینتیسواں سال تھا' پیدا ہوئیں اور ابتداء اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔ پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے "عتبہ" سے ہوا تھا لیکن ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ "سورہ تبت یدا" نازل ہوگئی۔ ابولہب قرآن میں اپنی اس دائمی رسوائی کا بیان سن کر غصہ میں آگ بگولا ہوگیا اور

اپنے بیٹے عتبہ کو مجبور کر دیا کہ وہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے۔ چنانچہ عتبہ نے طلاق دے دی۔

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ نکاح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مکہ واپس آ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور یہ میاں بیوی دونوں "صاحب الہجرتین" (دو ہجرتوں والے) کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئے۔ جنگِ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت سخت بیمار تھیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگِ بدر میں شریک ہونے سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کریں۔ حضرت زینب بن حارثہ رضی اللہ عنہ جس دن جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے۔ اسی دن حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا نے بیس سال کی عمر پا کر وفات پائی۔ حضور ﷺ جنگِ بدر کے سبب سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اگرچہ جنگِ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن حضور اقدس ﷺ نے ان کو جنگِ بدر کے مجاہدین میں شمار فرمایا اور جنگِ بدر کے مالِ غنیمت میں سے ان کو مجاہدین کے برابر حصہ بھی عطا فرمایا اور شرکاءِ جنگِ بدر کے برابر اجرِ عظیم کی بشارت بھی دی۔

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے تھے جن کا نام "عبداللہ" تھا۔ یہ اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس کی عمر پا کر انتقال کر گئے (رضی اللہ عنہ) (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۸ تا ۱۹۹)

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ پہلے ابولہب کے بیٹے "عتیبہ" کے نکاح میں تھیں لیکن ابولہب کے مجبور کر دینے سے بدنصیب عتیبہ نے ان کو رخصتی کے قبل ہی طلاق دے دی اور اس ظالم نے بارگاہِ نبوت میں انتہائی گستاخی بھی کی۔ یہاں تک کہ بدزبانی کرتے ہوئے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ پر جھپٹ پڑا اور آپ کے مقدس پیراہن کو پھاڑ ڈالا۔ اس گستاخ کی بے ادبی سے آپ کے قلب نازک پر انتہائی رنج و صدمہ گزرا اور جوشِ غم میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ

''یا اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط فرما دے''

اس دعاءِ نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ابولہب اور عتیبہ دونوں تجارت کے لیے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام گئے اور مقامِ ''زرقا'' میں ایک راہب کے پاس رات میں ٹھہرے۔ راہب نے قافلہ والوں کو بتایا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔ آپ لوگ ذرا ہوشیار ہو کر سوئیں۔ یہ سن کر ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ ''اے لوگو! محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے عتیبہ کے لیے ہلاکت کی دعا کر دی ہے۔ لہٰذا تم لوگ تمام تجارتی سامانوں کو اکٹھا کر کے اس کے اوپر عتیبہ کا بستر لگا دو اور سب لوگ اس کے اردگرد چاروں طرف سو رہو' تاکہ میرا بیٹا درندوں کے حملہ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ قافلہ والوں نے عتیبہ کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا لیکن رات میں بالکل ناگہاں ایک شیر آیا اور سب کو سونگھتے ہوئے کود کر عتیبہ کے بستر پر پہنچا اور اس کے سر کو چبا ڈالا۔ لوگوں نے ہر چند شیر کو تلاش کیا مگر کچھ بھی پتا نہیں چل سکا کہ یہ شیر کہاں سے آیا تھا؟ اور کدھر چلا گیا۔ (زُرقانی جلد۳ ص۱۹۷ تا ۱۹۸)

خدا کی شان دیکھیے کہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے حضور ﷺ کی دونوں شہزادیوں کو اپنے باپ کے مجبور کرنے سے طلاق دے دی مگر عتبہ نے چونکہ بارگاہِ نبوت میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ قہرِ الٰہی میں مبتلا نہیں ہوا بلکہ فتح مکہ کے دن اس نے اور اس کے ایک دوسرے بھائی ''معتب'' دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور دستِ اقدس پر بیعت کر کے شرفِ صحابیت سے سرفراز ہو گئے اور ''عتیبہ'' نے اپنی خباثت سے چونکہ بارگاہِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کی تھی اس لیے وہ قہرِ قہار و غضبِ جبار میں گرفتار ہو کر کفر کی حالت میں ایک خونخوار شیر کے حملہ کا شکار بن گیا۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ربیع الاول سن ۳ ھ میں حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت بی بی اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر دیا مگر ان کے شکم مبارک سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ شعبان ۹ ھ میں حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی اور حضورِ اقدس ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یہ جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(زُرقانی جلد۳ ص۲۰۰)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ شہنشاہِ کونین ﷺ کی سب سے چھوٹی مگر سب سے زیادہ پیاری اور لاڈلی شہزادی

ہیں۔ ان کا نام ''فاطمہ'' اور لقب ''زہرا'' اور ''بتول'' ہے۔ ان کی پیدائش کے سال میں علماء مورخین کا اختلاف ہے۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اعلان نبوت کے پہلے سال جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی' یہ پیدا ہوئیں اور بعض نے لکھا ہے کہ اعلان نبوت سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی اور علامہ ابن الجوزی نے یہ تحریر فرمایا کہ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زُرقانی جلد۳ ص۲۰۲ تا ۲۰۳)

اللہ اکبر! ان کے فضائل و مناقب کا کیا کہنا؟ ان کے مراتب و درجات کے حالات سے کتب احادیث کے صفحات مالا مال ہیں۔ جن کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب ''حقانی تقریریں'' میں تحریر کر دیا ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ سیدۃ نساء العالمین۔ (تمام جہان کی عورتوں کی سردار) اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ (اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار) ہیں۔ ان کے حق میں ارشاد نبوی ہے کہ فاطمہ میری بیٹی میرے بدن کی ایک بوٹی ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(مشکوٰۃ ۵۶۸ مناقب اہل بیت و زُرقانی جلد۳ ص۲۰۴)

۲ھ میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا اور ان کے شکم مبارک سے تین صاحبزادگان حضرت حسن' حضرت حسین' حضرت محسن رضی اللہ عنہم اور تین صاحبزادیوں زینب و اُمِ کلثوم و رقیہ رضی اللہ عنہن کی ولادت ہوئی۔ حضرت محسن و رقیہ تو بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ جن کے شکم مبارک سے آپ کے ایک فرزند حضرت زید اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہ کی پیدائش ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص۴۶۰)

حضورِ اقدس ﷺ کے وصال شریف کا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک پر بہت ہی جانکاہ صدمہ گزرا۔ چنانچہ وصال اقدس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کبھی ہنستی ہوئی نہیں دیکھی گئیں۔ یہاں تک کہ وصال نبوی کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ منگل کی رات میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور سب سے زیادہ صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص۴۶۱)

چچاؤں کی تعداد

حضورِ اقدس ﷺ کے چچاؤں کی تعداد میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کے

نزدیک ان کی تعداد نو بعض نے کہا کہ دس اور بعض کا قول ہے کہ گیارہ مگر صاحب مواہب لدنیہ نے ''ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ'' سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے علاوہ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

حارث، ابوطالب، زبیر، حمزہ، عباس، ابولہب، غیداق، مقوم، ضرار، قثم، عبدالکعبہ، جحل

ان میں سے صرف حمزہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے۔ ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسد اللہ و اسد الرسول (اللہ و رسول کا شیر) کے معزز و ممتاز لقب سے سرفراز فرمایا۔ یہ ۳ھ میں جنگِ اُحد کے اندر شہید ہو کر ''سید الشہداء'' کے لقب سے مشہور ہوئے اور مدینہ منورہ سے تین میل دور خاص جنگِ اُحد کے میدان میں آپ کا مزارِ پرانوار زیارت گاہ عالم اسلام ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کی اولاد کے بارے میں بہت سی بشارتیں دیں اور اچھی اچھی دعائیں بھی فرمائی ہیں۔

۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ستاسی یا اٹھاسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۷۰ تا ۲۸۵ و مدارج جلد ۲ ص ۲۸۸)

آپ کی پھوپھیاں

آپ کی پھوپھیوں کی تعداد چھ ہے جن کے نام یہ ہیں۔

عاتکہ، امیمہ، اُمِ حکیم، برہ، صفیہ، اروی، ان میں سے تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ یہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ بہت ہی بہادر اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ غزوہ خندق میں انہوں نے ایک مسلح اور حملہ آور یہودی کو تنہا ایک چوب سے مار کر قتل کر دیا تھا۔ جس کا تذکرہ غزوہ خندق میں گزر چکا اور یہ بھی روایت ہے کہ جنگِ اُحد میں بھی جب مسلمانوں کا لشکر بکھر چکا تھا۔ یہ اکیلی کفار پر نیزہ چلاتی رہیں۔ یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی غیر معمولی شجاعت پر انتہائی تعجب ہوا اور آپ نے ان کے فرزند حضرت زبیر کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ذرا اس عورت کی بہادری اور جان نثاری تو دیکھو۔ سن ۲۰ھ میں تہتر برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات پا کر جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (زُرقانی جلد ۳ ص ۲۸۸)

حضرت صفیہ کے علاوہ اروی و عاتکہ و امیمہ کے اسلام میں مورخین کا اختلاف ہے بعضوں نے ان تینوں کو مسلمان تحریر کیا ہے اور بعضوں کے نزدیک ان کا اسلام ثابت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی جلد۳ ص ۲۸۷)

خدامِ خاص

یوں تو تمام ہی صحابہ کرام حضور ﷺ کی شمع نبوت کے پروانے تھے اور انتہائی جان نثاری کے ساتھ آپ کی خدمت گزاری کے لیے بھی تن من دھن سے حاضر رہتے تھے۔ مگر پھر بھی چند ایسے خوش نصیب ہیں جن کا شمار حضور تاجدارِ رسالت ﷺ کے خصوصی خدام میں ہے۔ ان خوش بختوں کی مقدس فہرست میں مندرجِ ذیل صحابہ کرام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حضورِ اقدس ﷺ کے سب سے زیادہ مشہور و ممتاز خادم ہیں۔ انہوں نے دس برس مسلسل ہر سفر و حضر میں آپ کی وفادارانہ خدمت گزاری کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان کے لیے حضور ﷺ نے خاص طور پر یہ دعا فرمائی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ یعنی اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت عطا فرما اور اس کو جنت میں داخل فرما۔

۱ - حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی ان تین دعاؤں میں سے دو دعاؤں کی مقبولیت کا جلوہ تو میں نے دیکھ لیا کہ ہر شخص کا باغ سال میں ایک مرتبہ پھلتا ہے اور میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھلتا ہے۔ اور پھلوں میں مشک کی خوشبو آتی ہے۔ اور میری اولاد کی تعداد ایک سو چھ ہے جن میں ستر لڑکے اور باقی لڑکیاں ہیں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں تیسری دعا کا جلوہ بھی ضرور دیکھوں گا یعنی جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ انہوں نے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں حضور ﷺ سے روایت کی ہیں اور حدیث میں ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی عمر سو برس سے زائد ہوئی۔ بصرہ میں ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں وفات پائی۔ (زرقانی جلد۳ ص ۲۹۶ تا ص ۲۹۷)

۲- حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ یعنی پانی اور مسواک وغیرہ کا انتظام کرتے تھے حضور ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ ۶۳ھ میں وفات پائی۔ (زرقانی جلد۳ ص ۲۹۷)

۳- حضرت ایمن بن اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک چھٹی مشک جس سے آپ استنجا اور وضو فرمایا کرتے تھے ہمیشہ آپ ہی کی تحویل میں رہا کرتی تھی۔ یہ جنگ حنین کے دن شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (زُرقانی جلد۳ ص ۲۹۷)

۴- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نعلین شریفین اور وضو کا برتن اور مسند و مسواک اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور سفر و حضر میں ہمیشہ یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ ساٹھ برس سے زیادہ عمر پا کر ۳۲ یا ۳۳ھ میں بعض کا قول ہے کہ مدینہ میں اور بعض کے نزدیک کوفہ میں وصال فرمایا۔ (زُرقانی جلد۳ ص ۲۹۷ تا ۲۹۸)

۵- حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کے خچر کی لگام تھامے رہتے تھے۔ قرآن مجید اور فرائض کے علوم میں بہت ہی ماہر تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کے فصیح خطیب اور شعلہ بیان شاعر تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت کے دور میں ان کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔ ۵۸ھ میں مصر کے اندر ہی ان کا وصال ہوا۔

(زُرقانی جلد۳ ص ۲۹۹)

۶- حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

۷- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ یہ بہت ہی قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ انتہائی تارک الدنیا اور عابد و زاہد تھے اور دربارِ نبوت کے بہت ہی خاص خادم تھے۔ ان کے فضائل میں چند حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ ۳۱ھ میں مدینہ منورہ سے کچھ دور ''ربذہ'' نامی گاؤں میں ان کا وصال ہوا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (زُرقانی جلد۳ ص ۳۰۰)

۸- حضرت مہاجر مولیٰ اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ شرف صحابیت کے ساتھ ساتھ پانچ برس تک حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کا بھی شرف حاصل کیا۔ بہت ہی بہادر مجاہد بھی تھے۔ مصر کو فتح کرنے والی فوج میں شامل تھے۔ کچھ دنوں تک مصر میں رہے۔ پھر ''طحا'' چلے گئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے۔ (زُرقانی جلد۳ ص ۳۰۱)

۹- حضرت حنین مولیٰ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام تھے اور دن رات آپ کی

خدمت کرتے تھے۔ پھر آپ نے انہیں اپنے چچا حضرت عباس کو عطا فرما دیا اور یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ہو گئے لیکن چند ہی دنوں کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس لیے آزاد کر دیا تاکہ یہ دن رات بارگاہِ نبوت میں حاضر رہیں اور خدمت کرتے رہیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۳۰۱)

۱۰- حضرت نعیم بن ربیعہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی خادمانِ بارگاہِ رسالت کی فہرست خاص میں شمار کیے جاتے ہیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۳۰۱)

۱۱- حضرت ابو الحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا نام ہلال بن الحارث تھا۔ یہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص ہیں۔ وفات نبوی کے بعد یہ مدینہ سے ''حمص'' چلے گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (زُرقانی جلد۳ ص۳۰۱)

۱۲- حضرت ابو اسمع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کے غلام تھے پھر آپ نے ان کو آزاد فرما دیا مگر یہ دربارِ نبوت سے جدا نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اکثر یہی غسل کرایا کرتے تھے۔ ان کا نام ''آیاذ'' تھا۔

(زُرقانی جلد۳ ص۳۰۱)

خصوصی محافظین

کفار چونکہ حضورِ اقدس ﷺ کے جانی دشمن تھے اور ہر وقت اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ اگر اک ذرا بھی موقع مل جائے تو آپ کو شہید کر ڈالیں۔ بلکہ بارہا قاتلانہ حملہ بھی کر چکے تھے۔ اس لیے کچھ جان نثار صحابہ کرام باری باری سے راتوں کو آپ کی مختلف خوابگاہوں اور قیام گاہوں کا شمشیر بکف ہو کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا۔ جب کہ یہ آیت نازل ہو گئی کہ **واللہ یعصمك من الناس** یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب پہرہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ مجھ کو میرے تمام دشمنوں سے بچائے گا۔ ان جاں نثار پہرہ داروں میں چند خوش نصیب صحابہ کرام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر صدیق' (۲) حضرت سعد بن معاذ انصاری (۳) حضرت محمد بن مسلمہ (۴) حضرت ذکوان بن عبداللہ (۵) حضرت زبیر بن العوام (۶) حضرت سعد بن

ابی وقاص (۷) حضرت عباد بن بشر (۸) حضرت ابوایوب انصاری (۹) حضرت بلال (۱۰) حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

کاتبین وحی

جو صحابہ کرام قرآن کی نازل ہونے والی آیتوں اور دوسری خاص خاص تحریروں کو حضورِ اقدس ﷺ کے حکم کے مطابق لکھا کرتے تھے۔ ان معتمد کاتبوں میں خاص طور پر مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان غنی (۴) حضرت علی مرتضیٰ (۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہ (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص (۷) حضرت زبیر بن العوام (۸) حضرت عامر بن فہیر (۹) حضرت ثابت بن قیس (۱۰) حضرت حنظلہ بن ربیع (۱۱) حضرت زید بن ثابت (۱۲) حضرت ابی بن کعب (۱۳) حضرت امیر معاویہ (۱۴) حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہم اجمعین) (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۲۹ تا ۵۴۰)

دربارِ نبوت کے شعرا

یوں تو بہت سے صحابہ کرام حضورِ اقدس ﷺ کی مدح وثنا میں قصائد لکھنے کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ مگر دربار نبوی کے مخصوص شعراء کرام تین ہیں جو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ کفار کے شاعرانہ حملوں کا اپنے قصائد کے ذریعہ دندان شکن جواب بھی دیا کرتے تھے۔

(۱) حضرت کعب بن مالک انصاری سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے معتوب ہوئے مگر پھر ان کی توبہ کی مقبولیت قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ مومن اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا رہتا ہے اور تمہارے اشعار گویا کفار کے حق میں تیروں کی مار کے برابر ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت کے دور میں ان کی وفات ہوئی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے فضائل و مناقب میں چند احادیث بھی ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو "سید الشعراء" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ یہ جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(۳) حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن عمرو انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ یہ دربار رسالت کے شعراء کرام میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی یا اللہ! حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرما اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ میری طرف سے کفار مکہ کو اپنے اشعار کے ذریعہ جواب دیتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۵۴ھ میں وفات پائی۔ ساٹھ برس کی عمر زمانہ جاہلیت میں گزاری اور ساٹھ برس کی عمر خدمت اسلام میں صرف کی۔ یہ ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ ان کی اور ان کے والد ''ثابت'' اور ان کے دادا ''منذر'' اور نگڑ دادا ''حرام'' سب کی عمریں ایک سو بیس برس کی ہوئیں۔ (زُرقانی جلد۳ ص۳۷۲ تا ۳۷۳)

خصوصی موذنین

حضور اقدس ﷺ کے خصوصی موذنوں کی تعداد چار ہے۔

(۱) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا' یہ دونوں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے موذن ہیں۔

(۳) حضرت سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ جو ''سعد قرظ'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ مسجد قبا کے موذن ہیں۔

(۴) حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ یہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں اذان پڑھا کرتے تھے۔

(زُرقانی جلد۳ ص۳۶۹ تا ص۳۷۱)

بیسواں باب

معجزاتِ نبوت

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر !
نائب دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
فرش تا عرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

معجزہ کیا ہے؟

حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی نبوت کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے کسی ایسی تعجب خیز چیز کا ظاہر ہونا جو عادتاً نہیں ہوا کرتی۔ اسی خلاف ظاہر ہونے والی چیز کا نام معجزہ ہے۔

معجزہ چونکہ نبی کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے ایک خداوندی نشان ہوا کرتا ہے۔ اس لیے معجزہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ خارق عادت ہو۔ یعنی ظاہری علل و اسباب اور عادات جاریہ کے بالکل ہی خلاف ہو' ورنہ ظاہر ہے کہ کفار اس کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے' اور ایسا تو ہمیشہ عادتاً ہوا ہی کرتا ہے۔ اس بنا پر معجزہ کے لیے یہ لازمی شرط ہے بلکہ یہ معجزہ کے مفہوم میں داخل ہے کہ وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اسباب عادیہ اور عادات جاریہ کے خلاف ہو۔ اور ظاہری اسباب و علل کے عمل دخل سے بالکل ہی بالاتر ہو تاکہ اس کو دیکھ کر کفار یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ چونکہ اس چیز کا کوئی ظاہری سبب بھی نہیں ہے اور عادتاً کبھی ایسا ہوا بھی نہیں کرتا۔ اس لیے بلاشبہ اس چیز کا کسی شخص سے ظاہر ہونا انسانی طاقتوں سے بالاتر کارنامہ ہے۔ لہٰذا یقیناً یہ شخص اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا اور اس کا نبی ہے۔

معجزات کی چار قسمیں

جب معجزہ کے لیے یہ ضروری اور لازمی شرط ہے کہ وہ کسی نہ کسی لحاظ سے انسانی طاقتوں سے بالاتر اور عادات جاریہ کے خلاف ہو۔ اس بنا پر اگر بغور دیکھا جائے تو خارق عادت ہونے کے اعتبار سے معجزات کی چار قسمیں ملیں گی جو حسب ذیل ہیں۔

اول:- بذات خود وہ چیز ہی ایسی ہو جو ظاہری اسباب و عادات کے بالکل ہی خلاف ہو جیسے حضور اقدس ﷺ کا چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل جانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کر دینا وغیرہ وغیرہ۔

دوم:- بذات خود وہ چیز تو خلاف عادت نہیں ہوتی مگر کسی خاص وقت پر بالکل ہی ناگہاں نبی سے اس کا ظہور ہو جانا اس اعتبار سے یہ چیز خارق عادت ہو جایا کرتی ہے۔ لہٰذا

یہ بھی معجزہ کہلائے گا مثلاً جنگ خندق میں اچانک ایک خوفناک آندھی کا آجانا جس سے کفار کے خیمے اکھڑ اکھڑ کر اُڑ گئے اور بھاری بھاری دیگیں چولھوں پر سے الٹ پلٹ کر دور جا کر گر پڑیں یا جنگ بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے ایک ہزار لشکر جرار کا جو مکمل طور پر مسلح تھے۔ شکست کھا کر مقتول و گرفتار ہو جانا ظاہر ہے کہ آندھی کا آنا یا کسی لشکر کا شکست کھا جانا۔ یہ بذات خود کوئی خلاف عادت بات نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمیشہ ہوا ہی کرتا ہے لیکن اس ایک خاص موقع پر جب کہ رسول کو تائید ربانی کی خاص ضرورت محسوس ہوئی بغیر کسی ظاہری سبب کے بالکل ہی اچانک آندھی کا آجانا اور کفار کا باوجود کثرت تعداد کے قلیل مسلمانوں سے شکست کھا جانا اس کو تائید خداوندی اور غیبی امداد و نصرت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لحاظ سے یقیناً یہ عادات جاریہ کے خلاف اور ظاہری اسباب و علل سے بالاتر ہے لہٰذا یہ بھی یقیناً معجزہ ہے۔

سوم:- ایک صورت یہ بھی ہے کہ نہ تو بذات خود وہ واقعہ خلاف عادت ہوتا ہے نہ اس کے ظاہر ہونے کے وقت خاص میں خلاف عادت کوئی بات ہوتی ہے۔ مگر اس واقعہ کے ظاہر ہونے کا طریقہ بالکل ہی نادر الوجود اور خلاف عادت ہوا کرتا ہے۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بالکل ہی ناگہاں پانی کا برسنا' بیماروں کا شفایاب ہو جانا' آفتوں کا ٹل جانا۔

ظاہر ہے کہ یہ باتیں نہ تو خلاف عادت ہیں۔ نہ ان کے ظاہر ہونے کا کوئی خاص وقت ہے بلکہ یہ باتیں تو ہمیشہ ہوا ہی کرتی ہیں لیکن جن طریقوں اور جن اسباب سے یہ چیزیں وقوع پذیر ہوئیں کہ ایک دم ناگہاں نبی نے دعا مانگی اور بالکل ہی اچانک یہ چیزیں ظہور میں آگئیں۔ اس اعتبار سے یقیناً بلاشبہ یہ ساری چیزیں خارق عادات اور ظاہری اسباب سے الگ اور بالاتر ہیں لہٰذا یہ چیزیں بھی معجزات ہی کہلائیں گے۔

چہارم: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ تو خود واقعہ عادات جاریہ کے خلاف ہوتا ہے نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے لیکن بلا کسی ظاہری سبب کے نبی کو اس واقعہ کا قبل از وقت علم غیب حاصل ہو جانا اور واقعہ کے وقوع سے پہلے ہی نبی کا اس واقعہ کی خبر دے دینا۔ یہ خلاف عادت ہوتا ہے مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام نے واقعات کے ظہور سے بہت پہلے

جو غیب کی خبریں دی ہیں۔ یہ سب واقعات اس اعتبار سے خارق عادات اور معجزات ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک روز بہت ہی زوردار آندھی چلی۔ اس وقت حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسی جگہ فرمایا کہ یہ آندھی مدینہ کے ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ کا ایک منافق اس آندھی سے ہلاک ہو گیا۔ (مشکوۃ شریف جلد۲ ص ۵۳۷ باب المعجزات)

غور کیجئے کہ اس واقعہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خلاف عادت ہے نہ کسی آدمی کا آندھی سے ہلاک ہونا اسباب و عادات کے خلاف ہے کیونکہ آندھی ہمیشہ آتی ہی رہتی ہے اور آندھی میں ہمیشہ آدمی مرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کا قبل از وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہو جانا اور آپ کا لوگوں کو اس غیب کی خبر پر قبل از وقت مطلع کر دینا یقیناً بلاشبہ یہ خرق عادات اور معجزات میں سے ہے۔

انبیاء سابقین اور خاتم النبیین کے معجزات

ہر نبی کا معجزہ چونکہ اس کی نبوت کے ثبوت کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ اس لیے خداوند عالم نے ہر نبی کو اس دور کے ماحول اور اسی کی امت کے مزاج عقل و فہم کے مناسب معجزات سے نوازا چنانچہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں چونکہ جادو اور ساحرانہ کارنامے اپنی ترقی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو "ید بیضا" اور عصا کے معجزات عطا فرمائے جن سے آپ نے جادوگروں کے ساحرانہ کارناموں پر اس طرح غلبہ حاصل فرمایا کہ تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب انتہائی معراج ترقی پر پہنچا ہوا تھا اور اس دور کے طبیبوں اور ڈاکٹروں نے بڑے بڑے امراض کا علاج کر کے اپنی فنی مہارت سے تمام انسانوں کو مسحور کر رکھا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا جس کو دیکھ کر دور مسیحی کے اطباء اور ڈاکٹروں کے ہوش اڑ گئے اور وہ حیران و ششدر رہ گئے اور بالآخر انہوں نے ان معجزات کو انسانی کمالات سے بالاتر مان کر آپ کی نبوت کا اقرار کر لیا۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کے دور بعثت میں سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کے کمالات کا بہت ہی چرچا تھا۔ اس لیے خداوند قدوس نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرما کر بھیجا کہ

آپ نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ فرما دیا تو اس کی ایک چٹان شق ہو گئی اور اس میں سے ایک بہت ہی خوبصورت اور تندرست اونٹنی اور اس کا بچہ نکل پڑا اور آپ نے فرمایا کہ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے معجزہ بن کر آئی ہے) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائی۔

الغرض اسی طرح ہر نبی کو اس دور کے ماحول کے مطابق اور اس کی قوم کے مزاج اور ان کی افتاد طبع کے مناسب کسی کو ایک' کسی کو دو' کسی کو اس سے زیادہ معجزات ملے۔ مگر ہمارے حضور نبی آخر الزمان ﷺ چونکہ تمام نبیوں کے بھی نبی ہیں اور آپ کی سیرتِ مقدسہ تمام انبیاء علیہم السلام کی مقدس زندگیوں کا خلاصہ' اور آپ کی تعلیم تمام انبیاءِ کرام کی تعلیمات کا عطر ہے اور آپ دنیا میں ایک عالمگیر اور ابدی دین لے کر تشریف لائے تھے اور عالم کائنات میں اولین و آخرین کے تمام اقوام و ملل آپ کی مقدس دعوت کے مخاطب تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ کو انبیاء سابقین کے تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا اور آپ کو قسم قسم کے ایسے بے شمار معجزات سے سرفراز فرمایا جو ہر طبقہ' ہر گروہ ہر قوم اور تمام اہل مذاہب کے مزاجِ عقل و فہم کے لیے ضروری تھے۔ اس لیے آپ کی صورت و سیرت آپ کی سنت و شریعت' آپ کے اخلاق و عادات آپ کے دن رات کے معمولات غرض آپ کی ذات و صفات کی ہر ہر ادا اور ایک ایک بات اپنے دامن میں معجزات کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے۔ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی۔ وہ آپ کا سب سے بڑا اور قیامت تک باقی رہنے والا ایسا ابدی معجزہ ہے۔ جس کی ہر ہر آیت آیاتِ بینات کی کتاب اور جس کی سطر سطر معجزات کا دفتر ہے۔ آپ کے معجزات عالم اعلیٰ اور عام اسفل کی کائنات میں اس طرح جلوہ فگن ہوئے کہ فرش سے عرش تک آپ کے معجزات کی عظمت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ روئے زمین پر جمادات نباتات' حیوانات کے تمام عالموں میں آپ کے طرح طرح کے معجزات کی ایسی ہمہ گیر حکمرانی و سلطنت کا پرچم لہرایا کہ بڑے بڑے منکروں کو بھی آپ کی صداقت و نبوت کے آگے سرنگوں ہونا پڑا۔ اور معاندین کے سوا ہر انسان خواہ وہ کسی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور اپنی افتاد طبع اور مزاج عقل کے لحاظ سے کتنی ہی منزل بلند پر فائز کیوں نہ ہو مگر آپ کے معجزات کی کثرت اور ان کی نوعیت و عظمت کو دیکھ کر اس کو اس بات پر ایمان لانا ہی پڑا کہ بلاشبہ آپ نبی برحق اور خدا کے سچے رسول ہیں۔ خود آپ کے جسمانی و روحانی

خداداد طاقتوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ آپ کی حیات مقدسہ کے مختلف دور کے محیر العقول کارنامے بجائے خود عظیم سے عظیم تر معجزات ہی معجزات ہیں۔ کبھی عرب کے ناقابل تسخیر پہلوانوں سے کشتی لڑ کر ان کو پچھاڑ دینا' کبھی دم زدن میں فرش زمین سے سدرۃ المنتہیٰ پر گزرتے ہوئے عرشِ معلیٰ کی سیر' کبھی انگلیوں کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا' کبھی ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹا دینا۔ کبھی خندق کی چٹان پر پھاوڑہ مار کر روم و فارس کی سلطنتوں میں اپنی امت کو پرچم اسلام لہراتا ہوا دکھا دینا کبھی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دینا کبھی مٹھی بھر کھجور سے ایک بھوکے لشکر کو اس طرح راشن دینا کہ ہر سپاہی نے شکم سیر ہو کر کھالیا وغیرہ وغیرہ معجزات کا ظاہر کر دینا یقیناً بلاشبہ یہ وہ معجزانہ واقعات ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی سلیم العقل انسان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

معجزات کثیرہ میں سے چند

حضور اقدس ﷺ کے معجزات کی تعداد کا ہزار دو ہزار کی گنتیوں سے شمار کرنا انتہائی دشوار ہے۔ کیونکہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ آپ کی ذات مقدسہ تمام انبیاء سابقین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کا مجموعہ و برزخ کبریٰ ہے۔ اور ان کے علاوہ خداوند قدوس نے آپ کو دوسرے ایسے بے شمار معجزات بھی عطا فرمائے ہیں جو کسی نبی و رسول کو نہیں دیئے گئے۔ اس لیے یہ کہنا آفتاب سے زیادہ تابناک حقیقت ہے کہ آپ کی مقدس زندگی کے تمام لمحات درحقیقت معجزات کی ایک دنیا اور خوارق عادات کا ایک عالم اکبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب بڑی بڑی عظیم و ضخیم کتابوں کے مصنفین حضور ﷺ کے تمام معجزات کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع نہیں فرما سکے تو ہماری اس مختصر کتاب کا تنگ دامن بھلا ان معجزات کثیرہ کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے؟ لیکن مثل مشہور ہے کہ مَالَا یُدْرِکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ یعنی جس چیز کو پورا پورا نہ حاصل کیا جا سکے۔ اس کو بالکل ہی چھوڑ دینا بھی نہیں چاہیے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی اس مختصر کتاب میں چند معجزات کا بھی ذکر کروں۔ تاکہ اس کتاب کا دامن معجزات نبوت کے گلہائے رنگارنگ سے بالکل ہی خالی نہ رہ جائے۔ چونکہ ہم عرض کر چکے کہ ہمارے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے معجزات عالم اسفل ہی تک محدود نہیں بلکہ عالم اسفل و عالم اعلیٰ دونوں جہانوں میں معجزات نبویہ کی حکمرانی ہے۔ اس لیے ہم چند اقسام کے معجزات کی چند مثالیں مختلف عنوانوں کے تحت درج کرتے ہیں۔

آسمانی معجزات

چاند دو ٹکڑے ہو گیا

حضور خاتم النبیین ﷺ کے معجزات میں ''شق القمر'' کا معجزہ بہت ہی عظیم الشان اور فیصلہ کن معجزہ ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ کفار مکہ نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنی نبوت کی صداقت پر بطور دلیل کے کوئی معجزہ اور نشانی دکھایئے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں کو ''شق القمر'' کا معجزہ دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت انس بن مالک و حضرت جبیر بن مطعم و حضرت علی بن ابی طالب و حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ (زُرقانی علی المواہب' جلد۵ ص۱۲۴)

ان روایات میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ

حضور ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے نیچے نظر آ رہا تھا۔ آپ نے کفار کو یہ منظر دکھا کر ان سے ارشاد فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ گواہ ہو جاؤ۔ (بخاری جلد۲ ص۷۲۱' ۷۲۲ باب قولہ وانشق القمر)

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ اس عظیم الشان معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (سورۃ القمر)	قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور یہ کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

اس آیت کا صاف وصریح مطلب یہی ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا کیونکہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا جو علامات قیامت میں سے تھا' وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا مگر یہ واضح ترین اور فیصلہ کن معجزہ دیکھ کر بھی کفار مکہ مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ظالموں نے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے ہم لوگوں پر جادو کر دیا اور اس قسم کی جادو کی چیزیں تو ہمیشہ ہوتی ہی رہتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آیت مذکورہ بالا کے بارے میں بعض ان ملحدین کا جو معجزہ شق القمر کے منکر ہیں۔ یہ خیال ہے کہ اس شق القمر سے مراد خالص قیامت کے دن چاند کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے جب کہ آسمان پھٹ جائے گا اور چاند ستارے جھڑ کر بکھر جائیں گے۔

مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ ان ملحدوں کی یہ بکواس سراسر لغو اور بالکل ہی بے سروپا خرافات والی بات ہے کیونکہ اولاً تو اس صورت میں بلا کسی قرینہ کے انشق (چاند پھٹ گیا) ماضی کے صیغہ کو ینشق (چاند پھٹ جائے گا) مستقبل کے معنی میں لینا پڑے گا جو بالکل ہی بلا ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ چاند شق ہونے کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا کہ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ یعنی شق القمر کی عظیم الشان نشانی کو دیکھ کر کفار نے یہ کہا کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کفار مکہ نے شق القمر کا معجزہ دیکھا تو اس کو جادو کہا ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا اور چاند ستارے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جھڑ جائیں گے اور تمام انسان مر جائیں گے تو اس وقت اس کو جادو کہنے والا بھلا کون ہوگا؟ اس لیے بلا شبہ یقیناً اس آیت کے یہی معنی متعین ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا اور اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے اس کو جادو کا کرتب بتایا۔

ایک سوال و جواب

ہاں البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ جب مکہ میں ظاہر ہوا تو آخر یہ معجزہ دوسرے ممالک اور دوسرے شہروں میں کیوں نہیں نظر آیا؟

اس سوال کا یہ جواب ہے کہ اولاً تو مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے لوگوں نے بھی جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس معجزہ کو دیکھا چنانچہ حضرت مسروق نے حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ معجزہ دیکھ کر کفار مکہ نے کہا کہ ابو کبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) نے تم لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ باہر سے آنے والے لوگوں سے پوچھنا چاہئے کہ دیکھیں وہ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ محمد ﷺ کا جادو تمام انسانوں پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ باہر سے آنے والے مسافروں نے بھی یہ گواہی دی کہ ''ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے۔'' (شفاء قاضی عیاض جلد ۱ ص ۱۸۳)

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دوسرے ممالک اور شہروں کے باشندوں نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو کسی چیز کو نہ دیکھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ چیز ہوئی ہی نہیں۔ آسمان پر روزانہ قسم قسم کے آثار نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً رنگ برنگ کے بادل قوس قزح، ستاروں کو ٹوٹنا، مگر یہ سب آثار انہی لوگوں کو نظر آتے ہیں جو اتفاق سے اس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوں۔ دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آتے۔

اسی طرح دوسرے ممالک اور شہروں میں یہ معجزہ نظر نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے بعض مقامات پر ایک وقت میں چاند کا طلوع ہوتا ہے اور اس وقت میں دوسرے شہروں کے اندر چاند کا طلوع ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے جب چاند میں گرہن لگتا ہے تو تمام ممالک میں گرہن نظر نہیں آتا۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں اور شہروں میں ابر یا پہاڑ وغیرہ کے حائل ہو جانے سے کسی کسی وقت چاند نظر نہیں آتا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں وہ نقشہ بعینہٖ نقل کر دیں جو قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں تحریر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ میں ''معجزہ شق القمر'' واقع ہوا۔ اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے؟ اس نقشہ کی ذمہ داری مصنف رحمۃ للعالمین کے اوپر ہے۔ ہم صرف نقل مطابق اصل ہونے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی عبادت اور نقشہ حسب ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

''اس سے بڑھ کر اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعہ رات کو ۹ بجے وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے۔

نام ملک	گھنٹہ	منٹ	دن یا رات
ہندوستان	۱۲	۵۰	رات
ماریشس	۱۱	۲۰	رات
رومانیا، بلگیریا، ٹرکی، یونان، جرمن	۸	۲۰	دن
لکسمبرگ، ڈنمارک، سویڈن	۸	۲۰	دن
آئس لینڈ، مڈیریا	۵	۲۰	دن
مشرقی برازیل	۳	۲۰	بعد نیم شب
متوسط برازیل و چلی	۲	۲۰	بعد نیم شب
برٹش کولمبیا	۱۰	۲۰	قبل دوپہر
لوکون	۹	۲۴	قبل دوپہر
برہما	۱	۵۰	بعد نیم شب
سمالی لینڈ مڈغاسکر	۱۰	۲۰	رات
ریاستہائے ملایا	۲	۲۰	بعد نیم شب
جزائر سنڈوک	۷	۵۰	دن
انگلستان، آئرلینڈ، فرانس، بلجیم، اسپین پرتگال، جبل الطارق، الجیریا	۶	۲۰	دن "
پیرو، پنامہ، جمیکا، بھاہن، امریکہ	۱	۲۰	بعد نیم شب
سموآ	۶	۲۰	دن
نیوزی لینڈ	۶	۵۰	صبح
تسمانیہ، وکٹوریا، نیوساؤتھ ویلز	۵	۲۲	صبح
جنوبی آسٹریلیا	۴	۵۰	صبح
جاپان، کوریا	۴	۲۰	بعد دوپہر
مغربی آسٹریلیا، شمالی بورنیو، جزائر	۳	۲۰	بعد دوپہر
فلپائن، ہانگ کانگ، چین	"	"	"

یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔

(رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۱۹۰)

سورج پلٹ آیا

حضورِ اقدس ﷺ کے آسمانی معجزات میں سورج پلٹ آنے کا معجزہ بھی بہت ہی عظیم الشان معجزہ اور صداقتِ نبوت کا ایک واضح ترین نشان ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت بی بی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ''خیبر'' کے قریب ''منزل صہبا'' میں حضور ﷺ نماز عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سرِ اقدس رکھ کر سو گئے اور آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سرِ اقدس کو اپنی آغوش میں لیے بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ''یا اللہ یقیناً'' علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے لہٰذا تو سورج کو واپس لوٹا دے تا کہ علی نماز عصر ادا کر لیں۔''

حضرت بی بی اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور زمین کے اوپر ہر طرف دھوپ پھیل گئی۔

(زُرقانی جلد ۵ ص ۱۱۳ و شفاء جلد ۱ ص ۱۸۵ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۵۲)

اس میں شک نہیں کہ بخاری کی روایتوں میں اس معجزہ کا ذکر نہیں ہے لیکن یاد رکھیے کہ کسی حدیث کا بخاری میں نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حدیث بالکل ہی بے اصل ہے۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ انہی حدیثوں میں سے چن کر انہوں نے بخاری شریف میں اگر مکررات و متابعات کو شامل کر کے شمار کی جائیں تو صرف نو ہزار بیاسی حدیثیں لکھی ہیں اور اگر مکررات و متابعات کو چھوڑ کر گنتی کی جائے تو کل حدیثوں کی تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) رہ جاتی ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری)

باقی حدیثیں جو حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کو زبانی یاد تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہ بے اصل اور موضوع نہ ہوں گی بلکہ وہ بھی یقیناً صحیح یا حسن ہی ہوں گی تو آخر وہ سب کہاں ہیں؟ اور کیا ہوئیں؟ تو اس بارے میں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ دوسرے محدثین نے انہی حدیثوں کو اور کچھ دوسری حدیثوں کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ صہبا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کے لیے سورج پلٹ آنے کی حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں

لکھا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضرت امام ابوجعفر طحاوی، احمد بن صالح، و امام طبرانی، و قاضی عیاض نے اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے اور امام طحاوی نے تو یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ امام احمد بن صالح جو امام احمد بن حنبل کے ہم پلہ ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ روایت عظیم ترین معجزہ اور علامات نبوت میں سے ہے۔ لہٰذا اس کو یاد کرنے میں اہل علم کو نہ پیچھے رہنا چاہئے نہ غفلت برتنی چاہئے۔

(مدارج النبوۃ جلد۲ ص۲۵۴)

بہرحال جن جن محدثین نے اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے ان کی ایک مختصر فہرست یہ ہے۔

نام محدث	نام کتاب	
۱- حضرت امام ابوجعفر طحاوی نے	مشکل الآثار	میں
۲- حضرت امام حاکم نے	مستدرک	میں
۳- حضرت امام طبرانی نے	معجم کبیر	میں
۴- حضرت حافظ ابن مردویہ نے	اپنی مرویات	میں
۵- حضرت حافظ ابوالبشر نے	الذریۃ الطاہرہ	میں
۶- حضرت قاضی عیاض نے	شفاء شریف	میں
۷- حضرت خطیب بغدادی نے	تلخیص المتشابہ	میں
۸- حضرت حافظ مغلطائی نے	الزہر الباسم	میں
۹- حضرت علامہ عینی نے	عمدۃ القاری	میں
۱۰- حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے	کشف اللبس	میں
۱۱- حضرت علامہ ابن یوسف دمشقی نے	مزیل اللبس	میں
۱۲- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے	ازالۃ الخفاء	میں
۱۳- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے	مدارج النبوۃ	میں
۱۴- حضرت علامہ محمد بن عبدالباقی نے	زُرقانی علی المواہب	میں
۱۵- حضرت علامہ قسطلانی نے	مواہب لدنیہ	میں

اس حدیث پر علامہ ابن جوزی نے اپنی عادت کے موافق جو جرحیں کی ہیں اور اس

حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ حضرت علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۱۴۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ ابن جوزی کی جرحیں قابل التفات نہیں ہیں' حضرت امام ابوجعفر طحاوی نے اس حدیث کو سندیں لکھ کر فرمایا کہ هٰذَانِ الْحَدِيْثَانِ ثَابِتَانِ وَرُوَاتُهُمَا ثِقَاتٌ یعنی یہ دونوں روایتیں ثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۱۸۵)

اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی علامہ ابن جوزی کی جرحوں کو رد کر دیا ہے اور اس حدیث کے صحیح اور حسن ہونے کی پرزور تائید فرمائی ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۵۴)

اسی طرح ازالۃ الخفاء میں علامہ محمد بن یوسف دمشقی کی کتاب ''مزیل اللبس عن رد الشمس'' کی یہ عبارت منقول ہے کہ

اعلم ان هذا الحديث رواه الطحاوی فی کتابه شرح مشکل الاثار عن اسماء بنت عمیس من طریقین وقال هذا ان الحدیثان ثابتان ورواتهما ثقات ونقله القاضی عیاض فی الشفاء و

تم جان لو کہ اس حدیث کو امام طحاوی نے اپنی کتاب ''شرح مشکل الآثار'' میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان دونوں کے روایت کرنے والے ثقہ ہیں اور اس

الحافظ ابن سید الناس فی بشری اللبیب والحافظ علاء الدین مغلطائی فی کتابه الذهر الباسم و صححه ابو الفتح الازدی وحسنه ابوزرعة بن العراقی و شیخنا الحافظ جلال الدین السیوطی فی الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة وقال الحافظ احمد بن صالح و ناهیك به لا ینبغی لمن سبیله العلم التخلف عن حدیث اسماء لانه من اجل علامات النبوة وقد انکر الحفاظ علی ابن الجوزی ایراده الحدیث فی کتاب الموضوعات

حدیث کو قاضی عیاض نے ''شفاء'' میں اور حافظ ابن سید الناس نے ''بشری اللبیب'' میں اور حافظ علاء الدین مغلطائی نے اپنی کتاب ''الزہرالباسم میں نقل کیا ہے اور ابوالفتح ازدی نے اس حدیث کو'' صحیح بتایا اور ابوزرعہ عراقی اور ہمارے شیخ جلال الدین سیوطی نے ''الدرالمنتشرہ فی الاحادیث المشتہرہ میں اس حدیث کو ''حسن'' بتایا اور حافظ احمد بن صالح نے فرمایا کہ تم کو یہی کافی ہے اور علماء کو اس حدیث سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے کیونکہ یہ نبوت کے بہت بڑے معجزات میں سے ہے اور حدیث کے حفاظ نے اس بات کو برا مانا ہے کہ ''ابن جوزی نے اس حدیث کو'' کتاب الموضوعات'' میں ذکر کر دیا ہے۔

(التقریر المعقول فی فضل الصحابۃ واہل بیت الرسول ص ۸۸)

سورج ٹھہر گیا

حضور اقدس ﷺ کے آسمانی معجزات میں سے سورج پلٹ آنے کے معجزہ کی طرح چلتے ہوئے سورج کا ٹھہر جانا بھی ایک بہت ہی عظیم معجزہ ہے۔ جو معراج کی رات گزر کر دن میں وقوع پذیر ہوا۔ چنانچہ یونس بن بکیر نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ جب کفار قریش نے حضور اقدس ﷺ سے اپنے اس قافلہ کے حالات دریافت کیے جو ملک شام سے مکہ آ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے تمہارے اس قافلہ کو بیت المقدس کے راستہ میں دیکھا ہے اور وہ بدھ کے دن مکہ آ جائے گا۔ چنانچہ قریش نے بدھ کے دن شہر سے باہر نکل کر اپنے قافلہ کی آمد کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا دیا اور ایک گھڑی دن کو

بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ وہ قافلہ آن پہنچا۔ (زُرقانی جلد ۵ ص ۱۱۶ و شفاء جلد ۱ ص ۱۸۵)

واضح رہے کہ ''حبس الشمس'' یعنی سورج کو ٹھہرا دینے کا معجزہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین میں سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے بھی یہ معجزہ ظاہر ہو چکا ہے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن وہ بیت المقدس میں قوم جبارین سے جہاد فرما رہے تھے۔ ناگہاں سورج ڈوبنے لگا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر سورج غروب ہو گیا تو سنیچر کا دن آ جائے گا اور سنیچر کے دن موسوی شریعت کے حکم کے مطابق جہاد نہ ہو سکے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک گھڑی تک سورج کو چلنے سے روک دیا۔ یہاں تک کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام قوم جبارین پر فتح یاب ہو کر جہاد سے فارغ ہو گئے۔ (تفسیر جلالین سورہ مائدہ ص ۹۸ و تفسیر جمل جلد ۱ ص ۴۸۰)

معراج شریف

حضور اکرم ﷺ کے آسمانی معجزات میں سے معراج کا واقعہ بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل اور ہماری مادی دنیا سے بالکل ہی ماوراء اور عقل انسانی کے قیاس و گمان کی سرحدوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔

معراج کا دوسرا نام ''اسراء'' بھی ہے۔ اسراء کے معنی رات کو چلانا یا رات کو لے جانا چونکہ حضور اقدس ﷺ کے واقعہ معراج کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اس لیے معراج کا نام ''اسراء'' پڑ گیا اور چونکہ حدیثوں میں معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ نے ''عُرِجَ بِی'' (مجھ کو اوپر چڑھایا گیا) کا لفظ ارشاد فرمایا۔ اس لیے اس واقعہ کا نام ''معراج'' پڑا۔

احادیث و سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کو بہت کثیر التعداد صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ زُرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے جنہوں نے حدیث معراج کو روایت کیا ہے جیسا کہ ہم اپنی کتاب ''نورانی تقریریں'' میں اس کا کسی قدر مفصل تذکرہ تحریر کر چکے ہیں۔

معراج کب ہوئی؟

معراج کی تاریخ، دن اور مہینہ میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ لیکن اتنی بات پر بلا

اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ معراج نزول وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظّمہ میں پیش آیا اور ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ ھ اور ابن عبدالبرؔ المتوفی ۴۶۳ ھ) اور امام افعی و امام نووی نے تحریر فرمایا کہ واقعہ معراج رجب کے مہینے میں ہوا اور محدث عبدالغنی مقدسی نے رجب کی ستائیسویں بھی متعین کر دی ہے اور علامہ زُرقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہی سب سے زیادہ قوی روایت ہے۔ (زُرقانی جلد ۱ ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۸)

معراج کتنی بار اور کیسے ہوئی

جمہور علماء ملت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ صرف ایک بار ہوئی جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء محدثین نیز صوفیہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ علامہ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (استاد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ) نے تحریر فرمایا کہ

والاصح انه كان في اليقظة بجسده مع روحه و عليه اهل السنة والجماعة فمن قال انه بروح فقط اوفي النوم فقط فمبتدع ضال‘ مضل‘ فاسق

(تفسیرات احمدیہ بنی اسرائیل ص ۴۰۸)

اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ ہوئی یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روحانی ہوئی یا معراج فقط خواب میں ہوئی وہ شخص بدعتی و گمراہ اور گمراہ کن و فاسق ہے۔

دیدارِ الٰہی

کیا معراج میں حضور ﷺ نے خداوند تعالیٰ کو دیکھا؟ اس مسئلہ میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ معراج میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور ان حضرات نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ آپ نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام کو انکی اصلی شکل و صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے اور بعض سلف مثلاً حضرت سعید بن جبیر تابعی نے اس مسئلہ میں کہ دیکھا یا نہ دیکھا کچھ بھی کہنے سے توقف فرمایا مگر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ فرمایا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ (شفاء جلد ۱ ص ۱۲۰ تا ۱۲۱)

چنانچہ عبداللہ بن الحارث نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت کعب رضی اللہ عنہم ایک مجلس میں جمع ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ کوئی کچھ بھی کہتا رہے لیکن ہم بنی ہاشم کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت محمد ﷺ نے یقیناً اپنے رب کو معراج میں دو مرتبہ دیکھا۔ یہ سن کر حضرت کعب نے اس زور کے ساتھ نعرہ مارا کہ پہاڑیاں گونج اٹھیں اور فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا اور حضرت محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ما کذب الفوائر ما رای کی تفسیر میں فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ رایت ربی یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا!

محدث عبدالرزاق ناقل ہیں کہ حضرت امام حسن بصری اس بات پر حلف اٹھاتے تھے کہ یقیناً محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض متکلمین نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا اور ابن اسحٰق ناقل ہیں کہ حاکم مدینہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ''جی ہاں''

اس طرح نقاش نے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کا قائل ہوں کہ حضور ﷺ نے خدا کو دیکھا' دیکھا اتنی دیر تک وہ کہتے رہے کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی۔ (شفاء جلد ۱ ص ۱۱۹ تا ص ۱۲۰)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شریک بن عبداللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ

حَتّٰی جَآءَ سِدْرَۃَ الْمُنْتَھٰی وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّۃِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی کَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی

(بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۰ باب توحی اللہ وکلم اللہ۔ الخ)

حضور ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لائے اور عزت والا جبار (اللہ تعالیٰ) یہاں تک قریب ہوا اور نزدیک آیا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

بہر حال علماء اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا دیدار کیا۔

اس معاملہ میں رویئت کے علاوہ ایک روایت بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی شوکت وشان اور آن بان کے ساتھ اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر بلایا اور خلوت گاہ راز میں کے ناز ونیاز کے کلاموں سے سرفراز بھی فرمایا مگر ان بے پناہ عنایتوں کے باوجود اپنے حبیب کو اپنا دیدار نہیں دکھایا اور حجاب فرمایا یہ ایک ایسی بات ہے جو مزاج عشق ومحبت کے نزدیک مشکل ہی سے قابل قبول ہوسکتی ہے۔ کیونکہ کوئی شاندار میزبان اپنے شاندار مہمان کو اپنی ملاقات سے محروم رکھے اور اس کو اپنا دیدار نہ دکھائے یہ عشق ومحبت کا ذوق رکھنے والوں کے نزدیک بہت ہی ناقابل فہم بات ہے۔ لہٰذا ہم عشق بازوں کا گروہ تو امام احمد بن حنبل کی طرح اپنی آخری سانس تک یہی کہتا رہے گا کہ

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروروں درود

(اعلیٰ حضرتؒ)

مختصر تذکرۂ معراج

معراج کی رات آپ کے گھر کی چھت کھلی اور ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آپ کو حرم کعبہ میں لے جا کر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب انور کو نکال کر آب زمزم سے دھویا پھر ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ کے سینے میں انڈیل کر شکم کا چاک برابر کر دیا۔ پھر آپ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو آپ نے اس حلقہ میں باندھ دیا۔ جس میں انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے تمام انبیاء اور رسولوں کو جو وہاں حاضر تھے۔ دو رکعت نماز نفل جماعت سے پڑھائی۔

(تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۱۱۲)

جب یہاں سے نکلے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کیے آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ

کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو ساتھ لے کر آسمان پر چڑھے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے۔ دوسرے آسمان میں حضرت یحیٰی و حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ ملاقاتیں ہوئیں اور کچھ گفتگو بھی ہوئی۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام ملے اور ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ وہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں بوقت ملاقات ہر پیغمبر نے خوش آمدید! اے پیغمبر صالح کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ اس درخت پر جب انوار الٰہی کا پر تو پڑا تو ایک دم اس کی صورت بدل گئی اور اس میں رنگ برنگ کے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کی کیفیتوں کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے، یہاں پہنچ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ کہہ کر ٹھہر گئے کہ اب اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت حق جل جلالہ نے آپ کو عرش بلکہ عرش کے اوپر جہاں تک اس نے چاہا بلا کر آپ کو باریاب فرمایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ قرآن مجید فاوحی الی عبدہ ما اوحی کے رمز و اشارہ میں خداوند قدوس نے اس حقیقت کو بیان فرما دیا ہے۔

بارگاہ الٰہی میں بے شمار عطیات کے علاوہ تین خاص انعامات مرحمت ہوئے جن کی عظمتوں کو اللہ و رسول کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

۱- سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ۲- یہ خوشخبری کہ آپ کی امت کا ہر وہ شخص جس نے شرک نہ کیا ہو بخش دیا جائے گا۔ ۳- امت پر پچاس وقت کی نماز۔

جب آپ ان خداوندی عطیات کو لے کر واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی امت سے ان پچاس نمازوں کا بار نہ اٹھ سکے گا۔ لہٰذا آپ واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے چند بار آپ بارگاہ الٰہی میں آتے جاتے اور عرض پرواز ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ میرا قول بدل نہیں سکتا۔ اے محبوب! آپ کی امت کے لیے یہ پانچ نمازیں بھی پچاس ہوں

گی۔ نمازیں تو پانچ ہوں گی مگر میں آپ کی امت کو ان پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا اجر و ثواب عطا کروں گا۔

پھر آپ عالم ملکوت کی اچھی طرح سیر فرما کر اور آیات الٰہیہ کا معاینہ و مشاہدہ فرما کر آسمان سے زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ نے بیت المقدس سے مکہ تک کی تمام منزلوں اور قریش کے قافلہ کو بھی دیکھا۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام میں پہنچ کر چونکہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی تھا' سوئے اور صبح کو بیدار ہوئے اور جب رات کے واقعات کا آپ نے قریش کے سامنے تذکرہ فرمایا تو روسائے قریش کو سخت تعجب ہوا۔ یہاں تک کہ بعض کور باطنوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور بعض نے مختلف سوالات کیے چونکہ اکثر روسائے قریش نے بار بار بیت المقدس کو دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ کبھی بھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں۔ اس لیے امتحان کے طور پر ان لوگوں نے آپ سے بیت المقدس کے در و دیوار اور اس کی محرابوں وغیرہ کے بارے میں سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ کی نگاہ نبوت کے سامنے بیت المقدس کی پوری عمارت کا نقشہ پیش فرما دیا چنانچہ کفار قریش آپ سے سوال کرتے جاتے تھے اور آپ عمارت کو دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جاتے تھے۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ کتاب الانبیاء کتاب التوحید باب المعراج وغیرہ مسلم باب المعراج وشفاء جلد ص ۱۸۵ و تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ ص ۴ ص ۱۰ وغیرہ کا خلاصہ)

سفر معراج کی سواریاں

امام علائی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ معراج میں حضور ﷺ نے پانچ قسم کی سواریوں پر سفر فرمایا۔ مکہ سے بیت المقدس تک براق پر' بیت المقدس سے آسمان اول تک نور کی سیڑھیوں پر آسمان اول سے ساتویں آسمان تک فرشتوں کے بازوؤں پر' ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بازو پر' سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک رفرف پر۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ ص ۱۰)

سفر معراج کی منزلیں

بیت المقدس سے مقام قاب قوسین تک پہنچنے میں آپ نے دس منزلوں پر قیام فرمایا'

اور ہر منزل پر کچھ گفتگو ہوئی اور بہت سی خداوندی نشانیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ ۱- آسمان اول ۲- دوسرا آسمان ۳- تیسرا آسمان ۴- چوتھا آسمان ۵- پانچواں آسمان ۶- چھٹا آسمان ۷- ساتواں آسمان ۸- سدرۃ المنتہیٰ ۹- مقام مستویٰ جہاں آپ نے قلم قدرت کے چلنے کی آوازیں سنیں۔ ۱۰- عرش اعظم۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ ص ۱۰)

بادل کٹ گیا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عرب میں نہایت ہی سخت قسم کا قحط پڑا ہوا تھا۔ اس وقت جب کہ آپ خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر فریاد کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بارش نہ ہونے سے جانور ہلاک اور بال بچے بھوک سے تباہ ہو رہے ہیں۔ لہٰذا آپ دعا فرمایئے۔ اس وقت آسمان میں کہیں بدلی کا نام و نشان نہیں تھا مگر جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اٹھایا ہر طرف سے پہاڑوں کی طرح بادل آ کر چھا گئے اور ابھی آپ منبر پر سے اترے بھی نہ تھے کہ بارش کے قطرات آپ کی نورانی داڑھی پر ٹپکنے لگے اور آٹھ دن تک مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ جب دوسرے جمعہ کو آپ خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوئے تو وہی اعرابی یا کوئی دوسرا کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے فریاد کرنے لگا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مکانات منہدم ہو گئے اور مال مویشی غرق ہو گئے لہٰذا دعا فرمایئے کہ بارش بند ہو جائے۔ یہ سن کر آپ نے پھر اپنا مقدس ہاتھ اٹھا دیا اور یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ۔ اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو اور ہم پر نہ بارہو پھر آپ نے بدلی کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا تو مدینہ کے اردگرد سے بادل کٹ کر چھنٹ گیا اور مدینہ اور اس کے اطراف میں بارش بند ہو گی۔ (بخاری جلد ا ص ۱۲۷ باب الاستسقاء فی الجمعہ)

ایک ضروری تبصرہ

یہ چند آسمانی معجزات جو مذکور ہوئے۔ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی عطا کی ہوئی طاقت سے آسمانی کائنات میں بھی تصرفات فرماتے ہیں اور آپ کی خداداد سلطنت کی حکمرانی زمین ہی تک محدود نہیں' بلکہ آسمانی مخلوقات میں بھی آپ کی حکومت کا سکہ چلتا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوا

کرتے ہیں اور میرے دونوں آسمانی وزیر "جبرائیل و میکائیل" ہیں اور میرے زمین کے دونوں وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۶۰ باب مناقب ابوبکر و عمر)

ظاہر ہے کہ کسی بادشاہ کے وزیر اس کی سلطنت کے حدود ہی میں رہا کرتے ہیں اگر آسمانوں میں حضور ﷺ کی سلطنت خداداد نہ ہوتی تو حضرت جبرائیل و میکائیل علیہ السلام آپ کے دو وزیروں کی حیثیت سے بھلا آسمانوں میں کس طرح مقیم رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ شہنشاہ مدینہ ﷺ کی بادشاہی بہ عطاء الٰہی زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر ہے۔

صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

قرآن مجید

رسول اعظم ﷺ کے معجزات نبوت میں سے قرآن مجید بھی ایک بہت ہی جلیل القدر معجزہ اور آپ کی صداقت کا ایک فیصلہ کن نشان ہے۔ بلکہ اگر اس کو اعظم المعجزات کہہ دیا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا انکشاف ہوگا جس کی پردہ پوشی ناممکن ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے دوسرے معجزات تو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوئے اور آپ کے زمانے ہی کے لوگوں نے اس کو دیکھا مگر قرآن مجید آپ کا وہ عظیم الشان معجزہ ہے کہ قیامت تک باقی رہے گا۔

کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے فصحاء عرب کو قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بار اس طرح چیلنج دیا کہ

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل)

(اے محبوب) فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان و جن اس کام کے لیے جمع ہو جائیں کہ قرآن کا مثل لائیں تو نہ لاسکیں گے اگرچہ ان کے بعض بعض کی مدد کریں۔

مگر کوئی بھی اس خداوندی چیلنج کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوا پھر قرآن نے ایک بار

اس طرح چیلنج دیا کہ

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ۔ (ہود)	یعنی اگر تم لوگ پورے قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔

تو قرآن جیسی دس ہی سورتیں بنا کر لاؤ مگر انتہائی جدوجہد کے باوجود یہ بھی نہ ہو سکا

پھر قرآن نے اس طرح للکارا کہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ط (سورۃ البقرہ)	(اے حبیب) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگوں کو اس میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل فرمایا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورہ لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتیوں کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اللہ اکبر! قرآن عظیم کی عظیم الشان و معجزانہ فصاحت و بلاغت کا بول بالا تو دیکھو کہ عرب کے تمام وہ فصحاء و بلغاء جن کی فصیحانہ شعر گوئی اور خطیبانہ بلاغت کا چاردانگ عالم میں ڈنکا بج رہا تھا مگر وہ اپنی پوری پوری کوششوں کے باوجود قرآن کی ایک سورۃ کے مثل بھی کوئی کلام نہ لا سکے۔ حد ہو گئی کہ قرآن مجید نے فصحاءِ عرب سے یہاں تک کہہ دیا کہ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ (سورہ طور) یعنی اگر کفار عرب سچے ہیں تو قرآن جیسی کوئی ایک ہی بات لائیں۔ الغرض چار چار مرتبہ قرآن کریم نے فصاءِ عرب کو للکارا، چیلنج دیا۔ جھنجھوڑا کہ وہ قرآن کا مثل بنا کر لائیں مگر تاریخ عالم گواہ ہے کہ چودہ سو برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک کوئی شخص بھی اس خداوندی چیلنج کو قبول نہ کر سکا اور قرآن کے مثل ایک سورۃ بھی بنا کر نہ لا سکا۔ یہ آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ قرآن مجید حضور خاتم النبیین ﷺ کا ایک لاثانی معجزہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی کر سکا ہے نہ قیامت تک کر سکتا ہے۔

علم غیب

حضورِ اقدس ﷺ کے معجزات میں سے آپ کا ''علم غیب'' بھی ہے' اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ علم غیب ذاتی تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں مگر اللہ اپنے برگزیدہ بندوں یعنی اپنے نبیوں اور رسولوں وغیرہ کو علم غیب عطا فرماتا ہے۔ یہ علم غیب عطائی کہلاتا ہے قرآن مجید میں ہے کہ

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (سورۂ جن)	(اللہ) عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران)	اللہ کی شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ کو بے شمار غیوب کا علم عطا فرمایا اور آپ نے ہزاروں غیب کی خبریں اپنی امت کو دیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ تو قرآن مجید میں ہے۔ باقی ہزاروں غیب کی خبروں کا ذکر احادیث کی کتابوں اور سیر و تواریخ کے دفتروں میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ (سورۂ ھود)	یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

ہم یہاں ان بے شمار غیب کی خبروں میں سے مثال کے طور پر چند کا ذکر تحریر کرتے ہیں۔ پہلے ان چند غیب کی خبروں کا تذکرہ ملاحظہ فرمایئے۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غالب مغلوب ہوگا

سن ۶۱۴ء میں روم اور فارس کے دونوں بادشاہوں میں ایک جنگِ عظیم شروع ہوئی' چھبیس ہزار یہودیوں نے بادشاہ فارس کے لشکر میں شامل ہو کر ساٹھ ہزار عیسائیوں کا قتل عام کیا۔ یہاں تک کہ ۶۱۶ء میں بادشاہ فارس کی فتح ہوگئی اور بادشاہ روم کا لشکر بالکل ہی

مغلوب ہو گیا اور رومی سلطنت کے پرزے پرزے ہو گئے۔ بادشاہ روم اہل کتاب اور مذہبا عیسائی تھا اور بادشاہ فارس مجوسی مذہب کا پابند اور آتش پرست تھا۔ اس لیے بادشاہ روم کی شکست سے مسلمانوں کو رنج و غم ہوا اور کفار کو انتہائی شادمانی و مسرت ہوئی۔ چنانچہ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا اور کہنے لگے کہ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو اور ہم اور اہل فارس بے کتاب ہیں جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر فتح یاب ہو کر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی ایک دن تم لوگوں پر غالب آ جائیں گے۔ کفار کے ان طعنوں سے مسلمانوں کو اور زیادہ رنج و صدمہ ہوا۔

اس وقت رومیوں کی یہ افسوسناک حالت تھی کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے۔ خزانہ خالی تھا۔ فوج منتشر تھی ملک میں بغاوتوں کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ شہنشاہ روم بالکل نالائق تھا۔ ان حالات میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ روم بادشاہ فارس پر غالب ہو سکتا تھا مگر ایسے وقت میں نبی صادق نے قرآن کی زبان سے کفار مکہ کو یہ پیش گوئی سنائی کہ

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی	رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور وہ
الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ م بَعْدِ غَلَبِهِمْ	اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے
سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ (سورہ روم)	چند برسوں میں۔ (سورہ الروم نمبر ۱ تا ۴)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صرف نو سال کے بعد خاص ''صلح حدیبیہ'' کے دن بادشاہِ رُوم کا لشکر اہل فارس پر غالب آ گیا اور مخبر صادق کی یہ خبر غیب عالم وجود میں آ گئی۔

ہجرت کے بعد قریش کی تباہی

حضور اقدس ﷺ نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اور صحابہ کرام جس کسمپرسی اور بے کسی کے عالم میں کچھ حبشہ' کچھ مدینہ چلے گئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر بھلا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ آ سکتا تھا کہ یہ بے سروسامانی اور غریب الدیار مسلمانوں کا قافلہ ایک دن مدینہ سے اتنا طاقتور ہو کر نکلے گا کہ وہ کفار قریش کی ناقابل تسخیر عسکری طاقت کو تہس نہس کر ڈالے گا۔ جس سے کافروں کی عظمت و شوکت کا چراغ گل ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں کی جان کے دشمن مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ لیکن خداوند علام الغیوب کا محبوب دانائے غیوب ﷺ ہجرت سے ایک سال

پہلے ہی قرآن پڑھ پڑھ کر اس خبر غیب کا اعلان کر رہا تھا کہ

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل)

اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے تا کہ تم کو اس سے نکال دیں تو وہ اہل مکہ تمہارے بعد بہت ہی کم مدت تک باقی رہیں گے۔

چنانچہ یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین نے کفار قریش کے سرداروں کا خاتمہ کر دیا اور کفار مکہ کی لشکری طاقت کی جڑ کٹ گئی اور ان کی شان و شوکت کا جنازہ نکل گیا۔

مسلمان ایک دن شہنشاہ ہوں گے

ہجرت کے بعد کفارِ قریش جوشِ انتقام میں آپے سے باہر ہو گئے اور بدر کی شکست کے بعد تو جذبۂ انتقام نے ان کو پاگل بنا ڈالا تھا۔ چنانچہ مسلسل آٹھ برس تک خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں مسلمانوں کو تنگ دستی فاقہ مستی، قتل و خونریزی قسم قسم کی حوصلہ شکن مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لیے سکون میسر نہیں تھا۔ مسلمان خوف و ہراس کے عالم میں راتوں کو جاگ جاگ کر وقت گزارتے تھے اور رات رات بھر رحمت عالم کے کاشانہ نبوت کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ لیکن عین اس پریشانی اور بے سروسامانی کے ماحول میں دونوں جہان کے سلطان نے قرآن کا یہ اعلان نشر فرمایا کہ مسلمانوں کو ''خلافت ارض'' یعنی دین و دنیا کی شہنشاہی کا تاج پہنایا جائے گا۔ چنانچہ غیب داں رسول نے اپنے دلکش اور شیریں لہجہ میں قرآن کی ان روح پرور اور ایمان افروز آیتوں کو علی الاعلان تلاوت فرمانا شروع کر دیا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط (سورہ نور)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان کے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور جو دین ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

مسلمان جن نامساعد حالات اور پریشان کن ماحول کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ان

حالات میں خلافتِ ارض اور دین و دنیا کی شہنشاہی کی یہ عظیم بشارت انتہائی حیرت ناک خبر تھی۔ بھلا کون تھا جو یہ سوچ سکتا تھا کہ مسلمانوں کا ایک مظلوم و بے کس گروہ جس کو کفار مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر کچل ڈالا تھا اور اس نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ آ کر چند نیک بندوں کے زیر سایہ پناہ لی تھی، اور اس کو یہاں آ کر بھی سکون و اطمینان کی نیند نصیب نہیں ہوئی تھی۔ بھلا ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس گروہ کو ایسی شہنشاہی مل جائے گی کہ خدا کے آسمان کے نیچے اور خدا کی زمین پر خدا کے سوا ان کو کسی اور کا ڈر نہ ہوگا۔ بلکہ ساری دنیا ان کے جاہ و جلال سے ڈر کر لرزہ براندام رہے گی؟ مگر ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بشارت پوری ہوئی اور ان مسلمانوں نے شہنشاہ بن کر دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے دنیا کی تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا اور تمام سلاطین عالم کی سلطانی کے پرچم عظمت اسلام کی شہنشاہی کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ کیا اب بھی کسی کو اس پیشین گوئی کی صداقت میں بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی شک و شبہ ہو سکتا ہے؟

فتح مکہ کی پیشگوئی

حضورِ اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ سے اس طرح ہجرت فرمائی تھی کہ رات کی تاریکی میں اپنے یارِ غار کے ساتھ نکل کر غارِ ثور میں رونق افروز رہے۔ آپ کی جان کے دشمنوں نے آپ کی تلاش میں سرزمین مکہ کے چپے چپے کو چھان مارا اور آپ ان دشمنوں کی نگاہوں سے چھپتے اور بچتے ہوئے غیر معروف راستوں سے مدینہ منورہ پہنچے۔ ان حالات میں بھلا کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ آ سکتا تھا کہ رات کی تاریکی میں چھپ کر روتے ہوئے اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ کو خیر باد کہنے والا رسولِ برحق ایک دن فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ شہر مکہ میں اپنی فتح مبین کا پرچم لہرائے گا اور اس کے دشمنوں کی قاہر فوج اس کے سامنے قیدی بن کر دست بستہ سر جھکائے لرزہ براندام کھڑی ہوگی۔ مگر نبی غیب داں نے قرآن کی زبان سے اس پیشین گوئی کا اعلان فرمایا کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

جب اللہ کی مدد اور فتح (مکہ) آ جائے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اُس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو

(سورۂ نصر)

بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا ہے۔

چنانچہ یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی کہ سن ۸ ھ میں مکہ فتح ہوگیا اور آپ فاتح مکہ ہونے کی حیثیت سے افواجِ الٰہی کے جاہ وجلال کے ساتھ مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہوئے اور کعبہ معظّمہ میں داخل ہو کر آپ نے دوگانہ ادا فرمایا اور اہل عرب فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے حالانکہ اس سے قبل اِکاڈُکا لوگ اسلام قبول کرتے تھے۔

جنگِ بدر میں فتح کا اعلان

جنگ بدر میں جب کہ کل تین سو تیرہ مسلمان تھے جو بالکل ہی نہتے، کمزور اور بے سروسامان تھے۔ بھلا کسی کے خیال میں بھی آ سکتا تھا کہ ان کے مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر جرار جس کے پاس ہتھیار اور عسکری طاقت کے تمام سامان واوزار موجود تھے۔ شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ اور مقتول اور ستر گرفتار ہو جائیں گے؟ مگر جنگ بدر سے برسوں پہلے مکہ مکرمہ میں آیتیں نازل ہوئیں اور رسول برحق نے اقوام عالم کو کئی برس پہلے جنگ بدر میں اس طرح اسلامی فتح مبین کی بشارت سنائی کہ

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ
سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ
وَلَوْ تَاتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَتَوُا
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَایَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا
نَصِیْرًا ○

(سورہ فتح)

کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب متحد اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ لشکر عنقریب شکست کھا جائیگا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور اگر کفار تم (مسلمانوں) سے لڑینگے تو یقیناً وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

یہودی مغلوب ہوں گے

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف کے یہودی قبائل بہت ہی مالدار، انتہائی جنگجو اور بہت بڑے جنگ باز تھے۔ اور ان کو اپنی لشکری طاقت پر بڑا گھمنڈ اور ناز تھا۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کا حال سن کر ان یہودیوں نے مسلمانوں کو یہ طعنہ دیا کہ قبائل قریش فنون جنگ سے ناواقف اور بیڈھنگے تھے۔ اس لیے وہ جنگ ہار گئے اگر مسلمانوں کو ہم جنگ بازوں اور بہادروں سے پالا پڑا تو مسلمانوں کو ان کی چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا اور واقعی صورتحال ایسی ہی تھی کہ سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا کہ مٹھی بھر کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں

سے قبائل یہود کا یہ مسلح و منظم لشکر کبھی شکست کھا جائے گا۔ مگر اس حال و ماحول میں غیب داں رسول نے قرآن کی زبان سے اس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا کہ

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ○ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّا اَذًى ط
وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا
يُنْصَرُوْنَ -

(آلِ عمران)

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں کچھ ایماندار اور اکثر فاسق ہیں اور وہ تم مسلمانوں کو بجز تھوڑی تکلیف دینے کے لیے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو یقیناً پشت پھیر دیں گے پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود کے قبائل میں سے بنو قریظہ قتل کر دیے گئے اور بنو نضیر جلا وطن کر دیے گئے اور خیبر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور باقی یہود ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

عہد نبوی کے بعد کی لڑائیاں

قرآن مجید کی پیشگوئیاں اور غیب کی خبریں صرف انہیں جنگوں کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں تھیں جو عہد نبوی میں ہوئیں بلکہ اس کے بعد خلفاء کے دور خلافت میں عرب و عجم میں جو عظیم و خوں ریز لڑائیاں ہوئیں ان کے متعلق بھی قرآن مجید نے پہلے سے پیشگوئی کر دی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ مسلمانوں کو رُوم و ایران کی زبردست حکومتوں سے جو لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ وہ تاریخ اسلام کے بہت ہی زریں اوراق اور نمایاں واقعات ہیں۔ مگر قرآن مجید نے برسوں پہلے ان جنگوں کے نتائج کا اعلان ان لفظوں میں کر دیا تھا۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ
تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ .

(سورہ الفتح)

جہاد میں پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم کو ایک سخت جنگجو قوم سے جنگ کرنے کے لیے بلایا جائے گا تم لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اس پیشگوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ روم و ایران کی جنگجو اقوام سے مسلمانوں کو جنگ کرنی پڑی۔ جس میں بعض جگہ خونریز معرکے ہوئے اور بعض جگہ کے کفار نے اسلام قبول کر لیا۔ الغرض اس قسم کی بہت سی غیب کی خبریں قرآن مجید میں مذکور ہیں جن کو غیب داں

رسول نے واقعات کے واقع ہونے سے بہت پہلے اقوام عالم کے سامنے بیان فرما دیا اور یہ تمام غیب کی خبریں آفتاب کی طرح ظاہر ہو کر اہل عالم کے سامنے زبان حال سے اعلان کر رہی ہیں اور قیامت تک اعلان کرتی رہیں گی کہ

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شانِ رفعنا لك ذِكرك دیکھے

احادیث میں غیب کی خبریں

اسلامی فتوحات کی پیش گوئیاں

ابتداء اسلام میں مسلمان جن آلام و مصائب میں گرفتار اور جس بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ اس وقت کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند نہتے، فاقہ کش اور بے سروسامان مسلمان قیصر و کسریٰ کی جابر حکومتوں کا تختہ الٹ دیں گے۔ لیکن غیب جاننے والے پیغمبر صادق نے اس حالت میں پورے عزم و یقین کے ساتھ اپنی امت کو یہ بشارتیں دیں کہ اے مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ کو فتح کرو گے اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں تمہارے دست تصرف میں ہوں گی، مصر پر تمہاری حکومت کا پرچم لہرائے گا۔ تم سے اور ترکوں جنگ ہوگی جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور چہرے چوڑے چوڑے ہوں گے اور ان جنگوں میں تم کو فتح مبین حاصل ہوگی۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۰۴ باب علامات النبوة)

تاریخ گواہ ہے کہ غیب داں نبی کی دی ہوئی یہ سب غیب کی خبریں عالم ظہور میں آ گئیں۔

قیصر و کسریٰ کی بربادی

عین اس وقت جب کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے پرچم انتہائی جاہ و جلال کے ساتھ دُنیا پر لہرا رہے تھے اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نظر نہیں آ رہا تھا مگر غیب داں نبی نے اپنی امت کو یہ غیب کی خبر سنائی کہ

اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ	جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی
وَاِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ	کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس
وَلَتُنْفَقَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور ضرور ان دونوں

کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں (مسلمانوں کے ہاتھ سے) خرچ کیے جائیں گے۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۱ باب علامات النبوۃ)

دنیا کا ہر مورخ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کسریٰ اور قیصر کی تباہی کے بعد نہ پھر کسی نے سلطنت فارس کا تاج خسروی دیکھا نہ رومی سلطنت کا روئے زمین پر کہیں وجود نظر آیا کیوں نہ ہو کہ یہ غیب داں نبی صادق کی وہ غیب کی خبریں ہیں جو خداوند علام الغیوب کی وحی سے آپ نے دی ہیں۔ بھلا کیونکر ممکن ہے کہ غیب داں نبی کی دی ہوئی غیب کی خبریں بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی خلاف واقع ہوسکیں گی؟

یمن، شام، عراق فتح ہوں گے

حضور اکرم ﷺ نے یمن و شام و عراق کے فتح ہونے سے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی تھی کہ

یمن فتح کیا جائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل و عیال اور متبعین کو لے کر (مدینہ سے) یمن چلے آئیں گے حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لیے بہتر تھا۔ کاش وہ لوگ اس بات کو جان لیتے۔

پھر شام فتح کیا جائے گا تو ایک قوم اپنے گھر والوں اور اپنے پیروی کرنے والوں کو لے کر سواریوں کو ہنکاتے ہوئے (مدینہ سے) شام چلے آئیں گے حالانکہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر تھا۔ کاش وہ لوگ اس کو جان لیتے۔ پھر عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنے گھر والوں اور جو ان کا کہنا مانیں گے ان سب کو لے کر سواریوں کو ہنکاتے ہوئے (مدینہ سے) عراق آ جائیں گے حالانکہ مدینہ ہی کی سکونت ان کے لیے بہتر تھی۔ کاش! وہ ان کو جان لیتے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۴۴۵ باب ترغیب الناس فی سکنی المدینہ)

یمن سن ۸ ھ میں فتح ہوا اور شام و عراق اس کے بعد فتح ہوئے لیکن غیب جاننے والے مخبر صادق ﷺ نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبریں دے دی تھیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

فتح مصر کی بشارت

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

تم لوگ عنقریب مصر کو فتح کرو گے اور وہ ایسی زمین ہے جہاں کا سکہ ''قیراط'' کہلاتا ہے جب تم لوگ اس کو فتح کرو تو اس کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ ہے۔ (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مصر کی تھیں جن کی اولاد میں سارا عرب ہے)

اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لیے دو آدمی جھگڑا کرتے ہوں تو تم مصر سے نکل جانا۔ چنانچہ حضرت ابوذر نے خود اپنی آنکھ سے مصر میں یہ دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن شرجیل اور ان کے بھائی ربیعہ ایک اینٹ بھر جگہ کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق مصر چھوڑ کر چلے آئے۔

(مسلم جلد ۲ ص ۳۱۱ باب وصیۃ النبی ﷺ)

بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس کی فتح ہونے سے برسوں پہلے حضور اقدس مخبر صادق ﷺ نے غیب کی خبر دیتے ہوئے اپنی امت سے ارشاد فرمایا کہ

قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن رکھو (۱) میری وفات (۲) بیت المقدس کی فتح (۳) پھر طاعون کی وبا جو بکریوں کی گلٹیوں کی طرح تمہارے اندر شروع ہو جائے گی۔ (۴) اس قدر مال کی کثرت ہو جائے گی کہ کسی آدمی کو سو دینار دینے پر بھی وہ خوش نہیں ہوگا۔ (۵) ایک ایسا فتنہ اٹھے گا کہ عرب کا کوئی گھر باقی نہیں رہے گا جس میں فتنہ داخل نہ ہوا ہو۔ (۶) تمہارے اور رومیوں کے درمیان ایک صلح ہوگی اور رومی عہد شکنی کریں گے وہ اسی جھنڈے لے کر تمہارے اوپر حملہ آور ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۴۵۰ باب ما یحذر من الغدر)

خوفناک راستے پر امن ہو جائیں گے

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا تو ایک شخص نے آ کر فاقہ کی شکایت کی پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے راستوں میں ڈاکہ زنی کا شکوہ کیا۔ یہ سن کر شہنشاہ مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوگی تو تم یقیناً دیکھو گے کہ ایک پردہ نشین عورت اکیلی حیرہ سے چلے گی اور مکہ آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا کوئی ڈر نہیں ہوگا۔

حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا قبیلہ ''طی'' کے وہ ڈاکو جنہوں نے شہروں میں آگ لگا رکھی ہے کہاں چلے جائیں گے

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے لمبی عمر پائی تو یقیناً تم دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانوں کو مسلمان اپنے ہاتھوں سے کھولیں گے۔ اور اے عدی! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ضرور ضرور دیکھو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر تلاش کرتا پھرے گا کہ کوئی اس کے صدقہ کو قبول کرے مگر کوئی شخص ایسا نہیں آئے گا جو اس کے صدقہ کو قبول کرے (کیونکہ ہر شخص کے پاس بکثرت مال ہوگا اور کوئی فقیر نہ ہوگا) حضرت عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ اے لوگو! یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ واقعی حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت اکیلی طوافِ کعبہ کے لیے چلی آئی ہے اور وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو کھول کر نکالا۔ یہ دو چیزیں تو میں نے دیکھ لیں اے لوگوں! اگر تم لوگوں کی عمریں دراز ہوئیں تو یقیناً تم لوگ تیسری چیز کو بھی دیکھ لو گے کہ کوئی فقیر نہیں ملے گا جو صدقہ قبول کرے۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۰۷ تا ۵۰۸ باب علامات النبوۃ)

فاتح خیبر کون ہوگا

جنگ خیبر کے دوران ایک دن غیب داں نبی نے یہ فرمایا کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور اسی کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوگا۔ اس خوشخبری کو سن کر لشکر کے تمام مجاہدین نے اس انتظار میں نہایت ہی بے قراری کے ساتھ رات گزاری کہ دیکھیں کون وہ خوش نصیب ہے جس کے سر اس بشارت کا سہرا بندھتا ہے۔ صبح کو ہر مجاہد اس امید پر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کہ شاید وہی خوش نصیبی کا تاجدار بن جائے۔ ہر شخص گوش بر آواز تھا کہ ناگہاں شہنشاہ مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ ارشاد فرمایا کہ قاصد بھیج کر انہیں بلاؤ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا کر دعا فرما دی جس سے فی الفور وہ اس طرح شفایاب ہو گئے کہ گویا انہیں کبھی آشوب چشم ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر آپ نے ان کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرمایا اور خیبر کا

میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہو گیا۔ (بخاری جلد۲ص ۶۰۵ باب غزوہ خیبر)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن قبل ہی یہ بتا دیا کہ کل حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کو فتح کریں گے۔ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا یعنی ''کل کون کیا کرے گا'' کا علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا۔

تیس برس خلافت پھر بادشاہی

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس برس تک خلافت رہے گی۔ اس کے بعد بادشاہی ہو جائے گی۔ اس حدیث کو سنا کر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ گن لو۔ حضرت ابو بکر کی خلافت دو برس اور حضرت عمر فاروق کی خلافت دس برس اور حضرت عثمان کی خلافت بارہ برس اور حضرت علی کی خلافت چھ برس یہ کل تیس برس ہو گئے۔ (مشکوٰۃ جلد۲ص ۴۶۲ کتاب الفتن)

سن ۷۰ھ اور لڑکوں کی حکومت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن ۷۰ھ کے شروع اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگو۔ (مشکوٰۃ جلد۲ص ۳۲۳)

اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو ان لڑکوں کے نام بتا سکتا ہوں۔ وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بیٹے ہیں۔

(بخاری جلد۱ص ۵۹۰ باب علامات النبوۃ)

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ۷۰ھ میں بنو امیہ کے کم عمر حاکموں نے جو فتنے برپا کیے واقعی یہ ایسے فتنے تھے کہ جن سے ہر مسلمان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔ ان واقعات کی برسوں پہلے نبی برحق ﷺ نے خبر دی جو یقیناً غیب کی خبر ہے۔

ترکوں سے جنگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم لوگ ایسی قوم سے نہ لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے اور جب تک تم لوگ قوم ترک سے نہ لڑو گے جو چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہروں والے چپٹی ناکوں والے ہوں گے۔ ان کے چہرے گویا ہتھوڑوں سے پٹی ہوئی ڈھالوں

کے مانند (چوڑے چپٹے) ہوں گے اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ تم لوگ ''خوز و کرمان'' کے عجمیوں سے جنگ کرو گے جن کے چہرے سرخ ناکیں چپٹی آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔

اور تیسری روایت میں یہ ہے کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسی قوم سے جنگ کرو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے وہ اہل ''بارز'' ہیں (یعنی صحراؤں اور میدانوں میں رہنے والے ہیں۔) (بخاری جلد ۱ ص ۵۰۷ باب علامات النبوۃ)

غیب داں نبی نے یہ خبریں اس وقت دی تھیں جب اسلام ابھی پورے طور پر زمین حجاز میں بھی نہیں پھیلا تھا مگر تاریخ گواہ ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام پیشگوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہو گئیں کہ مجاہدین اسلام کے لشکروں نے ترکوں اور صحراؤں میں رہنے والے بربریوں سے جہاد کیا اور اسلام کی فتح مبین ہوئی اور ترک و بربری اقوام دامن اسلام میں آ گئیں۔

ہندوستان میں مجاہدین

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سناتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ

میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جہنم سے آزاد فرما دیا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور ایک وہ جو حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مسلمانوں سے ہندوستان میں جہاد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پا لیا جب تو میں اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا اور اگر میں اس جہاد میں شہید ہو گیا تو میں بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر میں زندہ لوٹا تو میں دوزخ سے آزاد ہونے والا ابو ہریرہ ہوں گا۔

(نسائی جلد ۲ ص ۶۳ باب غزوۃ الہند)

امام نسائی نے ۳۰۲ھ میں وفات پائی اور انہوں نے اپنی کتاب سلطان محمود غزنوی کے حملہ ہندوستان ۳۶۲ھ سے تقریباً سو برس پہلے تحریر فرمائی۔

تمام دنیا کے مورخین گواہ ہیں کہ غیب داں نبی نے اپنی زبان قدسی بیان سے

ہندوستان کے بارے میں سینکڑوں برس پہلے جس غیب کی خبر کا اعلان فرمایا تھا۔ وہ حرف بحرف پوری ہو کر رہی کہ محمد بن قاسم نے سرزمین سندھ و مکران پر جہاد فرمایا اور محمود غزنوی و شہاب الدین غوری نے ہندوستان کے سومنات و اجمیر وغیرہ پر جہاد کر کے اس ملک میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ یہاں تک کہ سرزمین ہند میں ناگالینڈ کی پہاڑیوں سے کوہ ہندوکش تک اور راس کماری سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک اسلام کا پرچم لہرا چکا حالانکہ مخبر صادق ﷺ نے یہ پیشگوئی اس وقت دی تھی جب اسلام سرزمین حجاز سے بھی آگے نہیں پہنچ پایا تھا۔ ان غیب کی خبروں کو لفظ بلفظ پورا ہوئے دیکھ کر کون ہے جو غیب داں نبی کے دربار میں اس طرح نذرانہ عقیدت نہ پیش کرے گا کہ

سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک ہیں کوئی شے نہیں وہ تجھ پہ عیاں نہیں

(اعلیٰ حضرت بریلوی)

کون کہاں مرے گا؟

جنگِ بدر میں لڑائی سے پہلے ہی حضورِ اقدس ﷺ صحابہ کو لے کر میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور اپنی چھڑی سے لکیر کھینچ کھینچ کر بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے۔ یہ ابوجہل کا مقتل ہے۔ اس جگہ قریش کا فلاں سردار مارا جائے گا۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہر سردار قریش کے قتل ہونے کے لیے آپ نے جو جو جگہیں مقرر فرما دی تھیں۔ اسی جگہ اس کافر کی لاش خاک وخون میں لتھڑی ہوئی پائی گئی۔ (مسلم جلد۲ ص۱۰۲ باب غزوہ بدر)

حضرت فاطمہ کی وفات کب ہوگی

حضرت رسول خدا ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پاس بلا کر ان کے کان میں کوئی بات فرمائی تو وہ رونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کے کان میں ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا؟ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوبارہ دریافت کرنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے پہلی مرتبہ میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ میں اپنی اسی بیماری میں وفات پا جاؤں گا۔ یہ سن کر

میں فرطِ غم سے رو پڑی۔ پھر فرمایا کہ اے فاطمہ! میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم وفات پا کر مجھ سے ملوگی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی کہ حضور ﷺ سے میری جدائی کا زمانہ بہت ہی کم ہوگا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۲)

اہل علم جانتے ہیں کہ یہ دونوں غیب کی خبریں حرف بحرف پوری ہوئیں کہ آپ نے اپنی اسی بیماری میں وفات پائی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی صرف چھ مہینے کے بعد وفات پا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع

جس سال حضورِ اقدس ﷺ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ پہلے ہی سے آپ نے اپنی وفات کا اعلان فرمانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے پہلے ہی حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو ان کے رخصت کرتے وقت آپ نے ان سے فرمایا کہ اے معاذ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے جب تم واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۵)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ عرفات میں ایک لاکھ پچیس ہزار سے زائد مسلمانوں کا اجتماعِ عظیم تھا۔ آپ نے وہاں دورانِ خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ شاید آئندہ سال تم لوگ مجھ کو نہ پاؤ گے۔

اسی طرح مرضِ وفات سے کچھ دنوں پہلے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ چاہے تو دنیا کی زندگی کو اختیار کر لے اور چاہے تو آخرت کی زندگی قبول کرلے' تو اس بندے نے آخرت کو قبول کرلیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ آپ تو ایک بندے کے بارے میں یہ خبر دے رہے ہیں تو اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے کا کیا موقع ہے؟ مگر جب حضور ﷺ نے اس کے چند ہی دنوں کے بعد وفات پائی تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ اختیار دیا ہوا بندہ حضور ﷺ ہی تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ہم لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم والے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ہم سب لوگوں سے پہلے یہ جان لیا تھا کہ وہ اختیار دیا ہوا بندہ خود حضورِ اقدس ﷺ ہی ہیں)

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۹ باب قول النبی ﷺ سدوا الابواب الخ)

حضرت عمر و حضرت عثمان شہید ہوں گے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ اس وقت پہاڑ ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے احد! ٹھہر جا، اور یقین رکھ کہ تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو (عمرو عثمان) شہید ہیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۹ باب فضل ابی بکر)

نبی اور صدیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے بعد سب کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔

حضرت عمار کو شہادت ملے گی

حضرت ابوسعید خدری و حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ خندق کھود رہے تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیر کر ارشاد فرمایا کہ افسوس! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ (مسلم جلد ۲ ص ۳۹۵ کتاب الفتن)

یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ یقیناً خطا کا مرتکب تھا۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کی خطا اجتہادی تھی لہٰذا یہ لوگ گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں صحیح اور درست مسئلہ تک پہنچ گیا تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا اور اگر مجتہد نے اپنے اجتہاد میں خطا کی جب بھی اس کو ایک ثواب ملے گا۔ (حاشیہ بخاری بحوالہ کرمانی جلد ۱ ص ۵۰۹ باب علامات النبوۃ)

اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں لعن طعن ہرگز ہرگز جائز نہیں کیونکہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔

پھر یہ بات بھی یہاں ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ مصری باغیوں کا گروہ جنہوں نے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر کے ان کو شہید کر دیا تھا۔ یہ لوگ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑ رہے تھے تو ممکن ہے کہ گھمسان کی جنگ میں انہی باغیوں کے ہاتھ سے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے ہوں۔

اس صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہوگا کہ ''افسوس اے عمار! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور اس قتل کی ذمہ داری سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن پاک رہے گا۔ واللہ اعلم

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں لعن طعن کرنا رافضیوں کا مذہب ہے۔ حضرات اہل سنت کو اس سے پرہیز کرنا لازم و ضروری ہے۔

حضرت عثمان کا امتحان

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ کھلوا کر اندر آئے تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت دی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو آپ نے ان کو بھی جنت کی خوشخبری سنائی۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ ساتھ ایک امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہونے کی بھی اطلاع دی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر کی دعا مانگی اور یہ کہا کہ خدا مددگار ہے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۲۷۷ باب فضائل عثمان)

حضرت علی کی شہادت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بتادوں کہ سب سے بڑھ کر دو بدبخت انسان کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بتایئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک قوم ثمود کا سرخ رنگ والا وہ بدبخت جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا اور دوسرا وہ بدبخت انسان جو اے علی تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴۰ مطبوعہ حیدرآباد)

یہ غیب کی خبر اس طرح ظہور پذیر ہوئی کہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تلوار سے قاتلانہ حملہ کیا۔ جس سے زخمی ہو کر دو دن بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت سعد کے لیے خوشخبری

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ جا کر اس قدر شدید بیمار ہوگئے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ ان کو اس بات کی بہت زیادہ بے چینی تھی کہ اگر

میں مر گیا تو میری ہجرت نامکمل رہ جائے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے ان کی بے قراری دیکھ کر تسلی دی اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی اور یہ بشارت دی کہ امید ہے کہ تم ابھی نہیں مرو گے بلکہ تمہاری زندگی لمبی ہوگی اور بہت سے لوگوں کو تم سے نفع اور بہت سے لوگوں کو تم سے نقصان پہنچے گا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۸۳ کتاب الوصایا)

یہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے فتوحاتِ عجم کی بشارت تھی کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی لشکر کا سپہ سالار بن کر ایران پر فوج کشی کی اور چند سال میں بڑے بڑے معرکوں کے بعد بادشاہ ایران کسریٰ کے تخت و تاج کو چھین لیا۔ اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے بڑا فائدہ اور کفار مجوس کو ان کی ذات سے نقصانِ عظیم پہنچا۔ ایران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح ہوا اور اس لڑائی کا نقشۂ جنگ خود امیر المومنین نے ماہرین جنگ کے مشوروں سے تیار فرمایا تھا۔

حجاز کی آگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حجاز کی زمین سے ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔ (مسلم جلد ۲ ص ۳۹۳ کتاب الفتن)

اس غیب کی خبر کا ظہور سن ۶۵۴ھ میں ہوا چنانچہ حضرت امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا کہ یہ آگ ہمارے زمانے میں سن ۶۵۴ھ میں مدینہ کے اندر ظاہر ہوئی۔ یہ آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی جانب سے لے کر ''حرہ'' کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس آگ کا حال ملک شام اور تمام شہروں میں تواتر کے طریقے پر معلوم ہوا ہے اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا۔

(شرح مسلم نووی جلد ۲ ص ۳۹۳ کتاب الف لفتن)

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ۳ جمادی الآخرۃ سن ۶۵۴ھ کو مدینہ منورہ میں ناگہاں ایک گھڑ گھڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی پھر نہایت ہی زوردار زلزلہ آیا جس کے جھٹکے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دو دن تک محسوس کیے جاتے رہے۔ پھر بالکل اچانک قبیلہ قریظہ کے قریب پہاڑوں میں ایک ایسی خوفناک آگ نمودار

ہوئی جس کے بلند شعلے مدینہ سے ایسے نظر آ رہے تھے کہ گویا یہ آگ مدینہ منورہ کے گھروں میں لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ آگ بہتے ہوئے نالوں کی طرح سیلاب کے مانند پھیلنے لگی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ پہاڑیاں آگ بن کر بہتی چلی جا رہی ہیں۔ اور پھر اس کے شعلے اس قدر بلند ہو گئے کہ آگ کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا اور آگ کے شرارے ہر چہار طرف فضاؤں میں اڑنے لگے۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ سے نظر آنے لگی اور بہت سے لوگوں نے شہر بصریٰ میں رات کو اسی آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنوں کو دیکھ لیا۔ اہل مدینہ آگ کے اس ہولناک منظر سے لرزہ براندام ہو کر دہشت اور گھبراہٹ کے عالم میں توبہ اور استغفار کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس پناہ لینے کے لیے مجتمع ہو گئے۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک یہ آگ جلتی رہی اور پھر خود بخود رفتہ رفتہ اس طرح بجھ گئی کہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۴)

فتنوں کے علمبردار

حضرت حذیفہ بن یمان صحابی ؓ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا جانتے ہوئے انجان بن رہے ہیں۔ واللہ دنیا کے خاتمہ تک جتنے فتنوں کے ایسے قائدین ہیں جن کے متبعین کی تعداد تین سو یا اس سے زائد ہوں۔ ان سب فتنوں کے علمبرداروں کا نام ان کے باپوں کا نام ان کے قبیلوں کا نام رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو بتا دیا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۱ کتاب الفتن)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے گمراہوں اور فتنوں کے ہزاروں' لاکھوں' سرداروں اور علمبرداروں کے نام مع ولدیت وسکونت حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔

قیامت تک کے واقعات

مسلم شریف کی حدیث ہیں حضرت عمرو بن اخطب انصاری ؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ ہم لوگوں کو نماز فجر پڑھا کر منبر پر تشریف لے گئے اور ہم لوگوں کو خطبہ سناتے رہے۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آ گیا پھر آپ نے منبر سے اتر کر نماز ظہر ادا فرمائی پھر خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اس وقت آپ نے منبر

سے اتر کر نماز عصر پڑھائی پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس دن بھر کے خطبہ میں حضور ﷺ نے ہم لوگوں کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے تھے تو جس شخص نے جس قدر زیادہ اس خطبہ کو یاد رکھا وہ ہم صحابہ میں سب سے زیادہ علم والا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد۲ ص ۵۴۴)

ضروری انتباہ

مذکورہ بالا واقعات ان ہزاروں واقعات میں سے صرف چند ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے غیب کی خبریں دی ہیں۔ بلاشبہ ہزاروں واقعات جو صحاح ستہ اور احادیث کی دوسری کتابوں میں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ امت کو جھنجھوڑ کر متنبہ کر رہے ہیں کہ اول سے ابد تک کے تمام علوم غیبیہ کے خزانوں کو علام الغیوب جل جلالہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کے سینہ نبوت میں ودیعت فرما دیا ہے۔ لہٰذا ہر امتی کو یہ عقیدہ رکھنا لازمی اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن مجید کی مقدس تعلیم کا وہ عطر ہے جس سے اہل سنت کی دنیائے ایمان معطر ہے جیسا کہ خود خداوند عالم جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (پارہ۴: رکوع۱۴)	اللہ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم عطا فرما دیا جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔

اس موضوع پر سیر حاصل بحث ہماری کتاب (قرآنی تقریریں) میں پڑھیے۔

عالم جمادات کے معجزات

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضور شہنشاہ کونین ﷺ کے معجزات کی حکمرانی کا پرچم عالم کائنات کی تمام مخلوقات پر لہرا چکا ہے۔ چنانچہ چند آسمانی معجزات کا تذکرہ تو ہم تحریر کر چکے ہیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر ظاہر ہونے والے بے شمار معجزات کی چند مثالیں بھی تحریر کر دی جائیں تا کہ ناظرین کے ذہنوں میں اس حقیقت کی تجلی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے کہ خدا کی مخلوقات میں کوئی ایسا عالم نہیں جہاں رحمۃ للعالمین ﷺ کے معجزات وتصرفات کی سلطنت کا سکہ نہ چلتا ہو۔

چٹان کا بکھر جانا

غزوہ خندق کے بیان میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام مدینہ شریف کے چاروں طرف کفار کے حملوں سے بچنے کے لیے خندق کھود رہے تھے کہ اتفاق سے ایک بہت ہی سخت چٹان نکل آئی۔ صحابہ کرام نے اپنی اجتماعی طاقت سے ہر چند اس کو توڑنا چاہا مگر وہ کسی طرح نہ ٹوٹ سکی۔ پھاوڑے اس پر پڑ پڑ کر اُچٹ جاتے تھے۔ جب لوگوں نے مجبور ہو کر خدمت اقدس میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ خود اٹھ کر تشریف لائے اور پھاوڑا ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریت کے بھر بھرے ٹیلوں کی طرح چور ہو کر بکھر گئی۔ (بخاری جلد۲ ص۵۸۸ خندق)

اشارہ سے بتوں کا گر جانا

ہر شخص جانتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ فتح مکہ کے دن حضورِ اقدس ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اور آپ زبان اقدس سے یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا ۝ (۸۱:۱۷)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل مٹنے ہی کے قابل تھا۔

آپ اپنی چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ فرماتے تھے وہ بغیر چھوئے ہوئے فقط اشارہ کرتے ہی دھم سے زمین پر گر پڑتا تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص۲۹۰ بخاری جلد۲ ص۶۱۴)

پہاڑوں کا سلام کرنا

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورِ انور ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو درخت اور پہاڑ بھی سامنے آتا ہے اس سے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ'' کی آواز آتی ہے اور میں خود اس آواز کو اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ (ترمذی جلد۲ ص۲۰۳ باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی)

اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ میں ایک پتھر ہے جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔ (ترمذی جلد۲ ص۲۰۲)

پہاڑ کا ہلنا

بخاری شریف کی یہ روایت چند اوراق پہلے ہم تحریر کر چکے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ

اپنے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو لے کر اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ (جوشِ مسرت میں) جھوم کر ہلنے لگا اس وقت آپ نے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر یہ فرمایا کہ ''ٹھہر جا'' اس وقت تیری پشت پر ایک پیغمبر ہے اور ایک صدیق ہے اور دو (حضرت عمر و حضرت عثمان) شہید ہیں۔ (بخاری جلد ا ص ۵۱۹ باب فضل ابی بکر)

مٹھی بھر خاک کا شاہکار

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین میں جب کفار نے حضور ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنی سواری سے اتر پڑے اور زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینکا اور ''شَاهَتِ الْوَجُوْه'' فرمایا تو کاروں کے لشکر میں کوئی ایک انسان بھی باقی نہیں رہا۔ جس کی دونوں آنکھیں اِسی مٹی سے نہ بھر گئی ہوں چنانچہ وہ سب اپنی اپنی آنکھیں ملتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور شکست کھا گئے اور حضور ﷺ نے ان کے اموال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔

(مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۳۴ باب المعجزات)

اسی طرح ہجرت کی رات میں حضور ﷺ نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کافروں پر جب ایک مٹھی خاک پھینکی تو یہ مٹھی بھر مٹی تمام کافروں کے سروں پر پڑ گئی۔

(مدارج جلد ۲ ص ۵۷)

تبصرہ

مذکورہ بالا پانچوں مستند واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و تصرفات کی حکمرانی عالم جمادات پر بھی ہے اور عالم جمادات کی ہر ہر چیز جانتی پہچانتی اور مانتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کو عالم جمادات کا ہر ہر فرد اپنے لیے لازم الایمان اور واجب العمل جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا اشارہ پا کر کنکریوں نے کلمہ پڑھا آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے خدا کی تسبیح پڑھی۔ آپ کی دعا پر دیواروں نے ''آمین'' کہا۔

(دلائل النبوت و شفاء جلد ا ص ۲۰۱ تا ۲۰۲)

عالم نباتات کے معجزات

خوشہ درخت سے اُتر پڑا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کھجور کے درخت پر جو خوشہ لٹک رہا ہے اگر میں اس کو اپنے پاس بلاؤں اور وہ میرے پاس آ جائے تو کیا تم میری نبوت پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا کہ ہاں بے شک میں آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور آپ کو خدا کا رسول مان لوں گا۔ آپ نے کھجور کے اس خوشہ کو بلایا تو وہ فوراً ہی چل کر درخت سے اترا اور آپ کے پاس آ گیا پھر آپ نے حکم دیا تو وہ واپس جا کر درخت میں اپنی جگہ پر پیوست ہو گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی فوراً ہی دامن اسلام میں آ گیا۔ (ترمذی جلد۲ص۲۰۳باب ما جاء فی آیات نبوۃ النبی الخ)

درخت چل کر آیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس اعرابی نے سوال کیا کہ کیا آپ کی نبوت پر کوئی گواہ بھی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ درخت جو میدان کے کنارے پر ہے۔ میری نبوت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ آپ نے اس درخت کو بلایا اور وہ فوراً ہی زمین چیرتا ہوا اپنی جگہ سے چل کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گیا اور اس نے بہ آواز بلند تین مرتبہ آپ کی نبوت کی گواہی دی پھر آپ نے اس کو اشارہ فرمایا تو وہ درخت زمین میں چلتا ہوا اپنی جگہ پر چلا گیا۔

محدث بزار و امام بیہقی و امام بغوی نے اس حدیث میں یہ روایت بھی تحریر فرمائی ہے کہ اس درخت نے بارگاہِ اقدس میں آ کر ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کہا اعرابی یہ معجزہ دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا اور جوشِ عقیدت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں خدا کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ یہ فرما کر آپ نے اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا

کہ یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے دست مبارک اور مقدس پاؤں کو بوسہ دوں آپ نے اس کو اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اس نے آپ کے مقدس ہاتھ اور مبارک پاؤں کو والہانہ عقیدت کے ساتھ چوم لیا۔

(زرقانی جلد ۵ ص ۱۲۸ تا ۱۳۱)

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سفر میں ایک منزل پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء فرمانے کے لیے میدان میں تشریف لے گئے مگر کہیں کوئی آڑ کی جگہ نظر نہیں آئی۔ ہاں البتہ اس میدان میں دو درخت نظر آئے جو ایک دوسرے سے کافی دوری پر تھے۔ آپ نے ایک درخت کی شاخ پکڑ کر چلنے کا حکم دیا تو وہ درخت اس طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا جس طرح مہار والا اونٹ مہار پکڑنے والے کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا ہے پھر آپ نے دوسرے درخت کی ٹہنی تھام کر اس کو بھی چلنے کا اشارہ فرمایا تو وہ بھی چل پڑا اور دونوں درخت ایک دوسرے سے مل گئے اور آپ نے اس کی آڑ میں اپنی حاجت رفع فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا تو وہ دونوں درخت زمین چیرتے ہوئے چل پڑے اور اپنی اپنی جگہ پر پہنچ کر جا کھڑے ہوئے۔ (زرقانی جلد ۵ ص ۱۳۱ تا ۱۳۲)

انتباہ

یہی وہ معجزہ ہے کہ جس کو حضرت علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ نے اپنے قصیدہ بردہ میں تحریر فرمایا کہ

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

یعنی آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے اور بلا قدم کے اپنی پنڈلی سے چلتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے نیز پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ دیندار بزرگوں مثلاً علماء و مشائخ کی تعظیم کے لیے ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت امام نووی نے اپنی کتاب ''اذکار'' میں اور ہم نے اپنی کتاب ''نوادر الحدیث'' میں اس مسئلہ کو مفصل تحریر کیا ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

چھڑی روشن ہوگئی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو صحابی حضرت اُسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما

اندھیری رات میں بہت دیر تک حضور ﷺ سے بات کرتے رہے۔ جب یہ دونوں بارگاہ رسالت سے اپنے گھروں کے لیے روانہ ہوئے تو ایک کی چھڑی ناگہاں خود بخود روشن ہوگئی اور وہ دونوں اسی چھڑی کی روشنی میں چلتے رہے۔ جب کچھ دور چل کر دونوں کے گھروں کا راستہ الگ الگ ہوگیا تو دوسرے کی چھڑی بھی روشن ہوگئی اور دونوں اپنی اپنی چھڑیوں کی روشنی کے سہارے سخت اندھیری رات میں اپنے اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔

(مشکوٰۃ جلد۲ ص۵۴۴ و بخاری جلد۱ ص۵۳۷)

اسی طرح امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی رات سخت اندھیری تھی اور آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ بوقت روانگی حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں درخت کی ایک شاخ عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم بلاخوف وخطر اپنے گھر جاؤ یہ شاخ تمہارے ہاتھ میں ایسی روشن ہو جائے گی کہ دس آدمی تمہارے آگے اور دس آدمی تمہارے پیچھے اس کی روشنی میں چل سکیں اور جب تم گھر پہنچو گے تو ایک کالی چیز کو دیکھو گے۔ اس کو مار کر گھر سے نکال دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جوں ہی حضرت قتادہ کاشانہ نبوت سے نکلے۔ وہ شاخ روشن ہوگئی اور وہ اسی کی روشنی میں چل کر اپنے گھر پہنچ گئے اور دیکھا کہ وہاں ایک کالی چیز موجود ہے آپ نے فرمان نبوت کے مطابق اس کو مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔

(الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین ص۱۱۶)

لکڑی کی تلوار

جنگِ بدر کے دن حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو ایک درخت کی ٹہنی دے کر فرمایا کہ ”تم اس سے جنگ کرو“ وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں آتے ہی ایک نہایت نفیس اور بہترین تلوار بن گئی جس سے وہ عمر بھر تمام لڑائیوں میں جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں وہ شہادت سے سرفراز ہوگئے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جنگِ اُحد کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ تو ان کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک کھجور کی شاخ دے کر ارشاد فرمایا کہ ”تم اس سے لڑو“ وہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں آتے ہی ایک براق تلوار بن گئی حضرت عبداللہ

بن جحش ؓ کی اس تلوار کا نام ''عرجون'' تھا یہ خلفاء بنو العباس کے دورِ حکومت تک باقی رہی یہاں تک کہ خلیفہ معتصم باللہ کے ایک امیر نے اس تلوار کو بائیس دینار میں خریدا اور حضرت عکاشہ ؓ کی تلوار کا نام ''عون'' تھا یہ دونوں تلواریں حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کے تصرفات کی یادگار تھیں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۲۳)

رونے والا ستون

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہیں تھا۔ کھجور کے تنہ کا ایک ستون تھا اسی سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب ایک انصاری عورت نے ایک منبر بنوا کر مسجد نبوی میں رکھا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کر دیا ناگہاں اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی یہ راویانِ حدیث کے مختلف ذوق کی بنا پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں۔ راویوں کا مقصود یہ ہے کہ دردِ فراق سے بلبلا کر اور بے قرار ہو کر ستون زار زار رونے لگا اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ستون اس قدر زور زور سے رونے لگا کہ قریب تھا کہ جوشِ گریہ سے پھٹ جائے اور اس رونے کی آواز کو مسجد نبوی کے تمام مصلیوں نے اپنے کانوں سے سنا ستون کی گریہ وزاری کو سن کر حضور رحمۃ للعالمین ﷺ منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین دینے کے لئے اپنا مقدس ہاتھ رکھ دیا اور اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا تو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لے لے کے رونے لگا جس طرح رونے والے بچے کو جب چپ کرایا جاتا ہے تو وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر جب آپ نے ستون کو اپنے سینہ سے چمٹا لیا تو وہ سکون پا کر خاموش ہو گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ستون کا یہ رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنتا تھا اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۲۸۱ باب النجار و ص ۵۰۶ باب علامات النبوۃ)

اور حضرت بریدہ ؓ کی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر یہ فرمایا کہ اے ستون! اگر تو چاہے تو میں تجھ کو پھر اس باغ میں تیری پہلی جگہ پر پہنچا دوں تا کہ تو پہلے کی طرح ہرا بھرا درخت ہو جائے اور ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے اور اگر تیری خواہش ہو تو میں تجھ کو باغ بہشت کا ایک درخت بنا دینے کے لئے خدا سے دعا کر دوں۔ تا کہ جنت میں خدا کے اولیاء تیرا پھل کھاتے رہیں۔ یہ سن کر ستون نے

اتنی بلند آواز سے جواب دیا کہ آس پاس کے لوگوں نے بھی سن لیا ستون کا جواب یہ تھا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میری یہی تمنا ہے کہ میں جنت کا ایک درخت بنا دیا جاؤں تا کہ خدا کے اولیاء میرا پھل کھاتے رہیں اور مجھے حیات جاودانی مل جائے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ستون! میں نے تیری اس آرزو کو منظور کر لیا۔ پھر آپ نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! دیکھو اس ستون نے دار الفناء کی زندگی کو ٹھکرا کر دار البقاء کی حیات کو اختیار کر لیا۔ (شفاء شریف جلد ۱ ص ۲۰۰)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ستون کو اپنے سینہ سے لگا کر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میں اس ستون کو اپنے سینہ سے نہ چمٹا تا تو یہ قیامت تک روتا ہی رہتا۔

واضح رہے کہ گریہ ستون کا یہ معجزہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں گیارہ صحابیوں سے منقول ہے جن کے نام یہ ہیں۔ ۱- جابر بن عبداللہ ۲- اُبی بن کعب ۳- انس بن مالک ۴- عبداللہ بن عمر ۵- عبداللہ بن عباس ۶- سہل بن سعد ۷- ابوسعید خدری۔ ۸- بریدہ ۹- اُمِ سلمہ ۱۰- مطلب بن ابی وداعہ ۱۱- عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر دورِ صحابہ کے بعد بھی ہر زمانے میں راویوں کی ایک جماعت کثیرہ اس حدیث کو روایت کرتی رہی یہاں تک کہ علامہ قاضی عیاض اور علامہ تاج الدین سبکی نے فرمایا کہ گریہ ستون کی حدیث ''خبر متواتر'' ہے۔

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۱۹۹ و الکلام المبین ص ۱۱۶)

اس ستون کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپ نے اس کو اپنے منبر کے نیچے دفن فرما دیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے اس کو مسجد نبوی کی چھت میں لگا دیا ان دونوں روایتوں میں شارحین حدیث نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلے حضور ﷺ نے اس کو دفن فرما دیا پھر اس خیال سے کہ یہ لوگوں کے قدموں سے پامال ہو گا لہٰذا اس کو زمین سے نکال کر چھت میں لگا دیا اس طرح زمین میں دفن کرنے اور چھت میں لگانے کی دونوں روایتیں دو وقتوں میں ہونے کے لحاظ سے دونوں درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حضورِ اقدس ﷺ کے بعد جب تعمیر جدید کے لئے مسجد نبوی منہدم کی گئی اور یہ ستون چھت سے نکالا گیا تو اس کو مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقدس تبرک سمجھ کر اٹھا لیا اور اس کو اپنے پاس رکھ لیا یہاں تک کہ یہ بالکل ہی کہنہ اور پرانا ہو کر چور چور ہو گیا۔

اس ستون کو دفن کرنے کے بارے میں علامہ زُرقانی نے یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر چہ یہ خشک لکڑی کا ایک ستون تھا مگر یہ درجات و مراتب میں ایک مومن کے مثل قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق و محبت میں رویا تھا اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کا برتاؤ یہ ایمان والوں ہی کا خاصہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

(شفاء شریف جلد ۱ ص ۲۰۰ و زُرقانی جلد ۵ ص ۱۳۸)

عالم حیوانات کے معجزات

جانوروں کا سجدہ کرنا

احادیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ بگڑ گیا تھا اور وہ کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا بلکہ لوگوں کو کاٹنے کے لئے حملہ کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے حضور ﷺ کو مطلع کیا۔ آپ نے خود اس اونٹ کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کو روکا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ اونٹ لوگوں کو دوڑ کر کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''مجھے اس کا کوئی خوف نہیں ہے'' یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آکر اپنی گردن ڈال دی اور آپ کو سجدہ کیا آپ نے اس کے سر اور گردن پر اپنا دست شفقت پھیر دیا تو وہ بالکل ہی نرم پڑ گیا اور فرمانبردار ہو گیا اور آپ نے اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ خدا کی ہر مخلوق جانتی اور مانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن جنوں اور انسانوں میں سے جو کفار ہیں وہ میری نبوت کا اقرار نہیں کرتے صحابہ کرام نے اونٹ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم انسانوں کو تو سب سے پہلے آپ کو سجدہ کرنا چاہیے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ (زُرقانی جلد ۵ ص ۱۴۰ تا ص ۱۴۱ و مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۴۰ باب المعجزات)

بارگاہ رسالت میں اونٹ کی فریاد

ایک بار حضورِ اقدس ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ کھڑا ہوا زور زور سے چلا رہا تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو ایک دم بلبلانے لگا اور

اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر اپنا دست شفقت پھیرا تو وہ تسلی پا کر بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا آپ نے فوراً ان کو بلوایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضہ میں دے کر ان کو تمہارا محکوم بنا دیا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم ان جانوروں پر رحم کیا کرو تمہارے اس اونٹ نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے کر اس کو تکلیف دیتے ہو۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۳۵۲ مجتبائی)

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک نوعمر لڑکا تھا اور مکہ میں کافروں کے سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے! اگر تمہاری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہو تو ہمیں بھی دودھ پلاؤ! میں نے عرض کیا کہ میں ان بکریوں کا مالک نہیں ہوں بلکہ ان کا چرواہا ہونے کی حیثیت سے امین ہوں، میں بھلا بغیر مالک کی اجازت کے کس طرح ان بکریوں کا دودھ کسی کو پلا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہاری بکریوں میں کوئی بچہ بھی ہے میں نے کہا کہ ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ میں نے لے آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بچے کی ٹانگوں کو پکڑ لیا اور آپ نے اس کے تھن کو اپنا مقدس ہاتھ لگا دیا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا پھر ایک گہرے پتھر میں آپ نے اس کا دودھ دوہا پہلے خود پیا پھر حضرت ابوبکر صدیق کو پلایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ کو بھی پلایا۔ پھر آپ نے اس بکری کے تھن میں ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے تھن! تو سمٹ جا چنانچہ فوراً ہی اس کا تھن سمٹ کر خشک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس معجزہ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ آپ پر آسمان سے جو کلام نازل ہوا ہے مجھے بھی سکھایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ضرور سیکھو۔ تمہارے اندر سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ چنانچہ میں نے آپ کی زبان مبارک سے سن کر قرآن مجید کی ستر سورتیں یاد کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام قبول کرنے میں اس معجزہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۲)

تبلیغ اسلام کرنے والا بھیڑیا

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری کو پکڑ لیا۔

لیکن بکریوں کے چرواہے نے بھیڑیئے پر حملہ کر کے اس سے بکری کو چھین لیا۔ بھیڑیا بھاگ کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے چرواہے! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رزق دیا تھا مگر تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے آج سے زیادہ کبھی کوئی حیرت انگیز اور تعجب خیز منظر نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا عربی زبان میں مجھ سے کلام کرتا ہے۔ بھیڑیا کہنے لگا کہ اے چرواہے! اس سے کہیں زیادہ عجیب بات تو یہ ہے کہ تو یہاں بکریاں چرا رہا ہے اور تو اس نبی کو چھوڑے اور ان سے منہ موڑے ہوئے بیٹھا ہے جن سے زیادہ بزرگ اور بلند مرتبہ کوئی نبی نہیں آیا۔ اس وقت جنت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں اور تمام اہل جنت اس نبی کے ساتھیوں کی شانِ جہاد کا منظر دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور اس نبی کے درمیان بس ایک گھاٹی کا فاصلہ ہے۔ کاش! تو بھی اس نبی کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ کے لشکروں کا ایک سپاہی بن جاتا۔ چرواہے نے اس گفتگو سے متاثر ہو کر کہا کہ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو میری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیئے نے جواب دیا کہ تیرے لوٹنے تک میں خود تیری بکریوں کی نگہبانی کروں گا۔ چنانچہ چرواہے نے اپنی بکریوں کو بھیڑیئے کے سپرد کر دیا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور واقعی بھیڑیئے کے کہنے کے مطابق اس نے نبی ﷺ کے اصحاب کو جہاد میں مصروف پایا۔ پھر چرواہے نے بھیڑیئے کے کلام کا حضور ﷺ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ تم اپنی سب بکریوں کو زندہ و سلامت پاؤ گے۔ چنانچہ چرواہا جب لوٹا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بھیڑیا اس کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے اور اس کی کوئی بکری بھی ضائع نہیں ہوئی ہے چرواہے نے خوش ہو کر بھیڑیئے کے لئے ایک بکری ذبح کر کے پیش کر دی اور بھیڑیا اس کو کھا کر چل دیا۔ (زُرقانی جلد ۵ ص ۱۳۵ تا ص ۱۳۶)

اعلان ایمان کرنے والی گوہ

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی ناگہاں حضورِ اقدس ﷺ کی نورانی محفل کے پاس سے گزرا آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے یہ اعرابی جنگل سے ایک گوہ پکڑ کر لا رہا تھا اعرابی نے آپ کے بارے میں لوگوں سے

سوال کیا کہ وہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اعرابی یہ سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے لات وعزیٰ کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ جب تک میری یہ گوہ آپ کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ یہ کہہ کر اس نے گوہ کو آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے گوہ کو پکارا تو اس نے ''لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ'' اتنی بلند آواز سے کہا کہ تمام حاضرین نے سن لیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تیرا معبود کون ہے؟ گوہ نے جواب دیا کہ میرا معبود وہ ہے کہ اس کا عرش آسمان میں ہے اور اس کی بادشاہی زمین میں ہے اور اس کی رحمت جنت میں ہے اور اس کا عذاب جہنم میں ہے پھر آپ نے پوچھا کہ اے گوہ! یہ بتا کہ میں کون ہوں؟ گوہ نے بلند آواز سے کہا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ جس نے آپ کو سچا مانا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ نامراد ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر اعرابی اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں جس وقت آپ کے پاس آیا تھا تو میری نظر میں روئے زمین پر آپ سے زیادہ ناپسند کوئی آدمی نہیں تھا۔ لیکن اس وقت میرا یہ حال ہے کہ آپ میرے نزدیک میری اولاد بلکہ میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے لئے حمد ہے جس نے تجھ کو ایسے دین کی ہدایت دی جو ہمیشہ غالب رہے گا' اور کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے اس کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کی تعلیم دی اعرابی قرآن کی ان دو سورتوں کو سن کر کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ' طویل و مختصر ہر قسم کے کلاموں کو سنا ہے مگر خدا کی قسم! میں نے آج تک اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک مفلس انسان ہے تم لوگ اس کی مالی امداد کر دو۔ یہ سن کر بہت سے لوگوں نے اس کو بہت کچھ دیا یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس کو دس گابھن اونٹنیاں دیں۔ یہ اعرابی تمام مال و سامان کو ساتھ لے کر جب اپنے گھر کی طرف چلا تو راستے میں دیکھا کہ اس کی قوم بنی سلیم کے ہزار سوار نیزہ اور تلوار لئے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے لئے؟ اور کس ارادہ سے چلے ہو؟ سواروں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس شخص سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے' اور ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہے! یہ سن کر اعرابی نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا اور اپنا سارا واقعہ ان سواروں سے بیان

کیاان سواروں نے جب اعرابی کی زبان سے اس کا ایمان افروز بیان سنا تو سب نے **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پڑھا پھر سب کے سب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور انور ﷺ اس قدر تیزی کے ساتھ ان لوگوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے کہ آپ کی چادر آپ کے جسم اطہر سے گر پڑی اور یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم آپ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ حضرت خالد بن الولید کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے رہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بنی سلیم کے سوا کوئی قبیلہ بھی ایسا نہیں تھا جس کے ایک ہزار آدمی بہ یک وقت مسلمان ہوئے ہوں اس حدیث کو طبرانی و بیہقی و حاکم و ابن عدی جیسے بڑے بڑے محدثین نے روایت کیا ہے۔ (زرقانی ج۵ ص۱۴۸ تا ص۱۴۹)

انتباہ

اس قسم کے سینکڑوں معجزات میں سے یہ چند واقعات اس بات کی سورج سے زیادہ روشن دلیلیں ہیں کہ روئے زمین کے تمام حیوانات حضورِ اکرم ﷺ کو جانتے پہچانتے اور مانتے ہیں۔ کہ آپ نبی آخر الزمان' خاتم پیغمبراں ہیں۔ اور یہ سب کے سب آپ کی مدح و ثنا کے خطیب اور آپ کی مقدس دعوت اسلام کے نقیب ہیں۔ اور یہ سب آپ کے امر و نہی کی حکمرانی اور آپ کے اقتدار و تصرفات کی سلطانی کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے ہر فرمان کو اپنے لئے واجب الایمان اور لازم العمل سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے اعزاز و اکرام' اور آپ کی تعظیم و احترام کو اپنے لئے سرمایہ حیات تصور کرتے ہیں کاش! اس زمانے کے مسلم نما کلمہ پڑھنے پڑھانے والے انسان ان بے زبان جانوروں سے تعظیم و احترام رسول کا سبق سیکھتے اور دل و جان سے اس روشن حقیقت پر دھیان دیتے کہ ؎

اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم' جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم' پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد' ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شترانِ ناشاد' گلۂ رنج و عناء کرتے ہیں

(اعلیٰ حضرت قدس سرہ)

عالم انسانیت کے معجزات

تھوڑی چیز زیادہ ہوگئی

تمام دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ بہت ہی فقر و فاقہ میں گزرا ہے۔ کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان لوگوں کو کوئی چیز کھانے کے لئے نہیں ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ان فاقہ زدہ مسلمانوں کی نصرت و دستگیری نہ کرتا تو بھلا ان مفلس اور فاقہ مست مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان سے اترنے والے دسترخوان کی سات روٹیوں اور سات مچھلیوں سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ یقیناً یہ ان کا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے جس کا ذکر انجیل و قرآن دونوں مقدس آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے سینکڑوں مرتبہ اس قسم کی معجزانہ برکتوں کا ظہور ہوا' کہ تھوڑا سا کھانا پانی سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کو شکم سیر اور سیراب کرنے کے لئے کافی ہو گیا۔ اس قسم کے سینکڑوں معجزات میں سے مندرجہ ذیل چند معجزات آپ کے معجزانہ تصرفات کی آیات بینات بن کر احادیث کی کتابوں میں اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آسمان پر اندھیری راتوں میں ستارے چمکتے اور جگمگاتے رہتے ہیں۔

اُم سلیم کی روٹیاں

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں آئے اور اپنی بیوی حضرت اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزور آواز سے یہ محسوس کیا کہ آپ بھوکے ہیں۔ اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بارگاہ نبوت میں پہنچے تو آپ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف فرماتھے آپ نے پوچھا کہ کیا ابوطلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ''جی ہاں'' یہ سن کر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ دوڑ کر بی بی اُمِ سلیم کو یہ خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ ہمارے گھر پر تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مکان سے نکل کر نہایت ہی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا

استقبال کیا آپ نے تشریف لا کر حضرت بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ انہوں نے وہی چند روٹیاں پیش کر دیں جن کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ آپ کے حکم سے ان روٹیوں کا چورہ بنایا گیا اور حضرت بی بی اُمِ سلیم نے اس چورہ پر بطور سالن کے گھی ڈال دیا ان چند روٹیوں میں آپ کے معجزانہ تصرفات سے اس قدر برکت ہوئی کہ آپ دس دس آدمیوں کو مکان کے اندر بلا بلا کر کھلاتے رہے اور وہ لوگ خوب شکم سیر ہو کر کھاتے اور جاتے رہے یہاں تک کہ ستر یا اسی آدمیوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھالیا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۰۵ علامات النبوۃ و بخاری جلد ۲ ص ۹۸۹)

حضرت جابر کی کھجوریں

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد یہودیوں کے قرضدار تھے اور جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر وفات پائی ہے اور کھجوروں کے سوا میرے پاس قرض ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا آپ میرے باغ میں تشریف لے چلیں تا کہ آپ کے ادب سے یہودی اپنا قرض وصول کرنے میں مجھ پر سختی نہ کریں۔ چنانچہ آپ باغ میں تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا اس کے گرد چکر لگا کر دعا فرمائی اور خود کھجوروں کے ڈھیر پر بیٹھ گئے آپ کے معجزانہ تصرف اور دعا کی تاثیر سے ان کھجوروں میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرضداروں کو دی گئیں اتنی ہی بچ رہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۰۵ علامات النبوۃ)

حضرت ابو ہریرہ کی تھیلی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے چند کھجوریں عطا فرمائیں تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم) ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرما دیجئے۔ آپ نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے دعائے برکت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ تم ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور تم جب چاہو ہاتھ ڈال کر اس میں سے نکالتے رہو لیکن کبھی توشہ دان جھاڑ کر بالکل خالی نہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس برس تک ان کھجوروں کو کھاتے اور کھلاتے رہے۔

بلکہ کئی من اس میں سے خیرات بھی کر چکے، مگر وہ ختم نہ ہوئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ اس تھیلی کو اپنی کمر سے باندھے رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن وہ تھیلی ان کی کمر سے کٹ کر کہیں گر گئی۔

(مشکوٰۃ جلد۲ص۵۴۴ معجزات و ترمذی جلد۲ص۲۲۴ مناقب ابو ہریرہ)

اس تھیلی کے ضائع ہونے کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمر بھر صدمہ اور افسوس رہا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن نہایت رقت انگیز اور درد بھرے لہجہ میں یہ شعر پڑھتے پھرتے تھے کہ۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِیْ هَمَّانِ بَیْنَهُمْ
هُمُّ الْجُرَابِ وَهَمُّ الشَّیْخِ عُثْمَانَا

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

لوگوں کے لئے ایک غم ہے اور میرے لئے دو غم ہیں ایک تھیلی کا غم دوسرے شیخ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم۔

اُمِ مالک کا کپہ

حضرت اُمِ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کپہ تھا جس میں وہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں گھی بھیجا کرتی تھیں اس کپے میں اتنی عظیم برکتوں کا ظہور ہوا کہ جب بھی اُمِ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے سالن مانگتے تھے اور گھر میں کوئی سالن نہیں ہوتا تھا تو وہ اس کپے میں سے گھی نکال کر اپنے بیٹوں کو دے دیا کرتی تھیں۔ ایک مدت دراز تک وہ ہمیشہ اس کپے میں سے گھی نکال نکال کر اپنے گھر کا سالن بنایا کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے اس کپے کو نچوڑ کر بالکل ہی خالی کر دیا جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کپے کو نچوڑ ڈالا؟ انہوں نے کہا کہ ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کپے کو نہ نچوڑتیں اور یوں ہی چھوڑ دیتیں تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلتا ہی رہتا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ جلد۲ص۵۳۷ باب المعجزات)

بابرکت پیالہ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ بھر کر کھانا تھا۔ ہم لوگ دس دس آدمی باری باری صبح سے شام تک اس پیالہ میں سے لگاتار کھاتے

رہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایک ہی پیالہ تو کھانا تھا تو وہ کہاں سے بڑھتا رہتا تھا؟ (کہ لوگ اس قدر زیادہ تعداد میں دن بھر اس کو کھاتے رہے) تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''وہاں سے'' (ترمذی جلد۲ ص۲۰۳ باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی)

تھوڑا توشہ عظیم برکت

حضورِ اقدس ﷺ چودہ سو اشخاص کی جماعت کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ صحابہ کرام نے بھوک سے بے تاب ہو کر سواری کی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ تمام لشکر والے اپنا اپنا توشہ ایک دسترخوان پر جمع کریں۔ چنانچہ جس کے پاس جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا تو تمام سامان اتنی جگہ میں آ گیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی۔ لیکن چودہ سو آدمیوں نے اس میں سے شکم سیر ہو کر کھا بھی لیا اور اپنے اپنے توشہ دانوں کو بھی بھر لیا کھانے کے بعد آپ نے پانی مانگا ایک صحابی ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے آپ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور اپنا دستِ مبارک اس میں ڈال دیا تو چودہ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (مسلم جلد۲ ص۸۱ باب استحباب خلط الازواد)

برکت والی کلیجی

ایک سفر میں حضور انور ﷺ کے ساتھ ایک سو تیس صحابہ کرام ہمراہ تھے۔ آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں کے پاس کھانے کا سامان ہے؟ یہ سن کر ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا پھر ایک بہت تندرست لمبا چوڑا کافر بکریاں ہانکتا ہوا آپ کے پاس آیا آپ نے اس سے ایک بکری خریدی اور ذبح کرنے کے بعد اس کی کلیجی کو بھوننے کا حکم دیا پھر ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک کا اس کلیجی میں سے ایک ایک بوٹی کاٹ کر حصہ لگایا۔ اگر وہ حاضر تھا تو اس کو عطا فرما دیا اور اگر وہ غائب تھا تو اس کا حصہ چھپا کر رکھ دیا۔ جب گوشت تیار ہوا تو اس میں سے دو پیالہ بھر کر الگ رکھ دیا پھر باقی گوشت اور ایک صاع آٹے کی روٹی سے ایک سو تیس آدمیوں کی جماعت شکم سیر کھا کر آسودہ ہو گئی اور دو پیالہ بھر کر گوشت فاضل بچ گیا جس کو اونٹ پر لاد لیا گیا۔ (بخاری جلد۲ ص۸۱۱ باب من اکل حتی شبع)

حضرت ابوہریرہ اور ایک پیالہ دودھ

ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک سے نڈھال ہو کر راستے میں بیٹھ گئے۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے گزرے تو ان سے انہوں نے قرآن کی ایک آیت کو دریافت کیا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ مجھے اپنے گھر لے جا کر کچھ کھلائیں گے مگر انہوں نے راستہ چلتے ہوئے آیت بتا دی اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس راستے سے نکلے ان سے بھی انہوں نے ایک آیت کا مطلب پوچھا غرض وہی تھی کہ وہ کچھ کھلا دیں گے مگر وہ بھی آیت کا مطلب بتا کر چل دیئے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوہریرہ کے چہرہ کو دیکھ کر اپنی خداداد بصیرت سے جان لیا کہ ''یہ بھوکے ہیں'' آپ نے انہیں پکارا انہوں نے جواب دیا اور ساتھ ہو لئے جب آپ کا شانۂ نبوت میں پہنچے تو گھر میں دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ دیکھا گھر والوں نے آپ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ۔ اور تمام اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ایک ہی پیالہ تو دودھ ہے اس دودھ کا سب سے زیادہ حق دار تو میں تھا۔ اگر مجھے مل جاتا تو مجھ کو بھوک کی تکلیف سے کچھ راحت مل جاتی۔ اب دیکھئے اصحاب صفہ کے آ جانے کے بعد بھلا اس میں سے کچھ مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ ان کے دل میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے مگر اللہ و رسول کی اطاعت سے کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا وہ اصحاب صفہ کو بلا کر لے گئے یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ایک قطار میں بیٹھ گئے پھر آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ''تم خود ہی ان سب لوگوں کو یہ دودھ پلاؤ۔''

چنانچہ انہوں نے سب کو پلانا شروع کر دیا جب سب کے سب شکم سیر پی کر سیراب ہو ئے تو حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے دستِ رحمت میں یہ پیالہ لے لیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اب صرف ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں آؤ بیٹھو اور تم پینا شروع کر دو۔ انہوں نے پیٹ بھر دودھ پی کر پیالہ رکھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ ''اور پیو'' چنانچہ انہوں نے پھر پیا۔ لیکن آپ بار بار فرماتے رہے کہ ''اور پیو اور پیو'' یہاں تک کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب میرے پیٹ میں بالکل ہی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جتنا دودھ بچ گیا تھا آپ بسم اللہ کر کے پی گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۹۵۵ تا ص ۹۵۶ باب کیف کان عیش النبی)

یہی وہ معجزہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ

الرحمتہ نے فرمایا کہ

کیوں جناب بوہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

شفاءامراض

آشوب چشم سے شفاء

ہم غزوہ خیبر کے بیان میں مفصل طور پر یہ معجزہ تحریر کر چکے ہیں کہ جب آپ نے فتح کا جھنڈا عطا فرمانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے اور مسند احمد بن حنبل کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ یہ آشوب چشم اتنا سخت تھا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرما دی تو وہ فوراً ہی شفاء یاب ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں اور وہ اسی وقت جھنڈا لے کر روانہ ہو گئے اور جوش جہاد میں بھرے ہوئے انتہائی جانبازی کے ساتھ جنگ کی۔ اور خیبر کا قلعہ ان کے دستِ حق پرست سے اسی دن فتح ہو گیا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵ مناقب علی بن ابی طالب)

سانپ کا زہر اُتر گیا

واقعہ ہجرت میں ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ جب غارِ ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا اور درد و کرب کی شدت سے بے تاب ہو کر رو پڑے تو آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی درد جاتا رہا اور سانپ کا زہر اتر گیا۔ (زُرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۳۳۹)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہوگئی

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابورافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو اس کے کوٹھے کے زینے سے گر پڑے جس سے ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور ان کے ساتھی ان کو اٹھا کر بارگاہ نبوت میں لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زبان سے ابورافع کے قتل کا سارا واقعہ سنا پھر ان کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیا تو وہ فوراً ہی اچھی ہوگئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ ان کی ٹانگ میں

کبھی کوئی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ (بخاری جلد۲ص ۵۷۷ باب قتل ابی رافع)

تلوار کا زخم اچھا ہو گیا

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا وہ فوراً ہی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے آپ نے ان کے زخم پر تین مرتبہ دم کر دیا پھر انہیں درد کی کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف زخم کا نشان رہ گیا تھا۔ (بخاری جلد۲ص ۶۰۵ غزوۂ خیبر)

اندھا بینا ہو گیا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکالیف بیان کرنے لگا آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اس نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میری بینائی کے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ "خداوندا! اپنے رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے" ترمذی اور حاکم کی روایت میں اتنا ہی مضمون ہے مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد بھی ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا تو فوراً ہی اچھا ہو گیا اور اس کی آنکھوں پر بھرپور روشنی آ گئی۔ (مسند ابن حنبل جلد۴ص ۱۳۸ و مستدرک جلد۱ص ۵۲۶)

گونگا بولنے لگا

حجۃ الوداع کے موقع کے پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ "خثعم" کی ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ میرا اکلوتا بیٹا بولتا نہیں ہے۔ آپ نے پانی طلب فرمایا اور اس میں ہاتھ دھو کر کلی فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ پانی اس بچے کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو دوسرے سال وہ عورت آئی تو اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ اس کا لڑکا اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔ (ابن ماجہ ص ۲۶۲ باب النشرہ)

حضرت قتادہ کی آنکھ

جنگ اُحد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ایک تیر لگا جس سے ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہہ کر آ گئی۔ یہ دوڑ کر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ نے فوراً ہی اپنے دست مبارک سے ان کی بہی ہوئی آنکھ کو آنکھ کے حلقہ میں رکھ کر اپنا مقدس ہاتھ پر پھیر دیا تو اسی وقت ان کی آنکھ اچھی ہو گئی اور یہ آنکھ ان کی دوسری آنکھ

سے زیادہ خوبصورت اور روشن رہی۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہاری آنکھ کو تمہارے حلقۂ چشم میں رکھ دوں اور وہ اچھی ہو جائے اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہیں اس کے بدلے پر جنت ملے گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جنت بلاشبہ بہت ہی بڑی نعمت ہے مگر مجھے کانا ہونا بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے آپ میری آنکھ اچھی کر دیجئے اور میرے لئے جنت کی دعا بھی فرما دیجئے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنے اس جانثار پر پیار آ گیا اور آپ نے ان کی آنکھ کو حلقۂ چشم میں رکھ کر ہاتھ پھیر دیا تو ان کی آنکھ بھی اچھی ہوگئی اور ان کے لئے جنتی ہونے کی دعا بھی فرما دی اور یہ دونوں نعمتوں سے سرفراز ہوگئے۔ (الکلام المبین ص ۸۷ بحوالہ بیہقی)

فائدہ

یہ معجزہ بہت ہی مشہور ہے اور حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہمیشہ اس بات کا تفاخر رہا کہ ان کے جدِ اعلیٰ کی آنکھ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے اچھی ہوگئی۔ چنانچہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ جب خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی رضی اللہ عنہ کے دربارِ خلافت میں پہنچے تو انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا یہ قطعہ پڑھا کہ ؎

اَنَا ابْنُ الَّذِیْ سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَیْنُہٗ
فَرُدَّتْ بِکَفِّ الْمُصْطَفٰی اَیَّمَا رَدٍّ!
فَعَادَتْ کَمَا کَانَتْ لِاَوَّلِ اَمْرِھَا
فَیَا حُسْنَ مَا عَیْنٍ وَّیَا حُسْنَ مَارَدٍّ

یعنی میں اس شخص کا بیٹا ہوں کہ جس کی آنکھ اس کے رخسار پر بہ آئی تھی' تو حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ہتھیلی سے وہ اپنی جگہ پر کیا ہی اچھی طرح سے رکھ دی گئی' تو پھر وہ جیسی پہلے تھی ویسی ہی ہوگئی' تو کیا ہی اچھی وہ آنکھ تھی اور کیا ہی اچھا حضور ﷺ کا اس آنکھ کو اس کی جگہ رکھنا تھا۔ (الکلام المبین ص ۸۹)

قے میں کالا پلا گرا

ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر حضور رسالت مآب ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا

کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے اس بچے پر صبح و شام جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ آپ نے اس بچے کے سینے پر اپنا دستِ رحمت پھیرا دیا اور دعا دی تو اس بچے کو ایک زوردار قے ہوئی اور ایک کالے رنگ کا (کتے کا) پلا قے میں گرا جو دوڑتا پھر رہا تھا اور بچہ شفایاب ہو گیا۔ (مشکوٰۃ جلد۲ ص۵۴۱ معجزات)

جنون اچھا ہو گیا

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے تین معجزات دیکھے۔ پہلا معجزہ یہ کہ ایک اونٹ کو دیکھا کہ اس نے بلبلا کر اپنی گردن آپ کے سامنے ڈال دی۔ آپ نے اس اونٹ کے مالک کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس اونٹ نے کام کی زیادتی ' اور خوراک کی کمی کا مجھ سے شکوہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔

دوسرا معجزہ یہ کہ ایک منزل میں آپ سو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت چل کر آیا اور آپ کو ڈھانپ لیا پھر لوٹ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے اور میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درخت نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ مجھے سلام کرے تو خدا نے اس کو اجازت دے دی اور وہ میرے سلام کے لئے آیا تھا۔

تیسرا معجزہ یہ کہ ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی جو جنون کا مریض تھا تو نبی ﷺ نے اس بچے کے نتھنے کو پکڑ کر فرمایا ''نکل جا کیونکہ میں محمد رسول اللہ ہوں'' پھر ہم وہاں سے چل پڑے اور جب واپسی میں ہم اس جگہ پہنچے اور آپ نے اس عورت سے اس کے بچے کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد سے اس بچے کو کوئی تکلیف ہوتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ جلد۲ ص۵۴۰ معجزات)

جلا ہوا بچہ اچھا ہو گیا

محمد بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک صحابی ہیں یہ بچپن میں اپنی ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے۔ ان کی ماں ان کو لے کر خدمتِ اقدس میں آئیں تو آپ نے اپنا لعابِ دہن ان پر مل کر دعا فرما دی۔ محمد بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ماں کہتی تھیں کہ میں بچے کو لے کر

وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم بالکل ہی اچھا ہوگیا۔

(مسند ابن حنبل جلد ۴ص ۵۹ خصائص کبریٰ جلد ۲ص ۶۹)

مرض نسیان دور ہوگیا

تغیر الفاظ اور چند جملوں کی کمی بیشی کے ساتھ بخاری شریف کی متعدد روایتوں میں اس معجزہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے پھیلایا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس چادر پر ڈالا پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد سے پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری شریف جلد ۱ص ۲۲ باب حفظ العلم)

(مقبولیتِ دُعاء)

یہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بالکل ناگہاں عادت جاریہ کے خلاف کسی غیر متوقع بات کا ظاہر ہو جانا اس کا بھی معجزات ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ حضرت انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بڑی بڑی مشکلات کو حل فرما دیتا ہے، اور قسم قسم کی بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ظہور میں آ جاتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے معجزات میں سے آپ کی دعاؤں کی مقبولیت بھی ہے کہ آپ نے جب بھی مشکلات یا طلب حاجات کے وقت خدا کی امداد غیبی کا سہارا ڈھونڈتے ہوئے دعائیں مانگیں تو ہر موقع پر حق تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کے لیے مقبولیت کا دروازہ کھول دیا۔ اور آپ کی دعاؤں سے ایسی ایسی خلاف امید اور غیر متوقع چیزیں عالم وجود میں آ گئیں کہ جن کو معجزات کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے چند معجزات کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

قریش پر قحط کا عذاب

جب کفار قریش حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب پر بے شمار مظالم ڈھانے لگے۔ جو ضبط و برداشت سے باہر تھے۔ تو آپ نے ان شریروں کی سرکشی کا علاج کرنے کے لیے ان لوگوں کے حق میں قحط کی دعا فرما دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر قحط کا ایسا عذاب بھیجا کہ اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے بے تاب ہو کر مردار جانوروں کی ہڈیاں اور سوکھے چمڑے اُبال اُبال کر کھانے لگے۔ بالآخر اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور ان کے

حضور میں اپنی فریاد پیش کریں۔ چنانچہ ابوسفیان بحالت کفر چند رؤسائے قریش کو ساتھ لے کر آپ کے آستانہ عالیہ رحمت پر حاضر ہوئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ تمہاری قوم برباد ہوگئی۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ قحط کا عذاب ٹل جائے۔ آپ کو ان لوگوں کی بے قراری اور گریہ وزاری پر رحم آ گیا۔ چنانچہ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے فوراً ہی آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اور اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ سارا عرب سیراب ہو گیا۔ اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۳۷ ابواب الاستسقاء بخاری جلد ۲ ص ۷۱۴ تفسیر سورہ دخان)

سردارانِ قریش کی ہلاکت

ایک مرتبہ حضور ﷺ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار قریش کے چند سرکش شریروں نے بحالت نماز آپ کی مقدس گردن پر ایک اونٹ کی اوجھڑی لا کر ڈال دی اور خوب زور زور سے ہنسنے لگے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آ کر اس اوجھڑی کو آپ کی پشت اطہر سے اٹھایا۔ جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ تو ان شریروں کا نام لے لے کر نام بنام یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! تو ان سبھوں کو اپنی گرفت میں پکڑ لے۔ چنانچہ یہ سب کے سب جنگِ بدر میں انتہائی ذلت کے ساتھ قتل ہو کر ہلاک ہو گئے۔ (بخاری شریف جلد ۲ ص ۵۶۵ غزوہ بدر)

مدینہ کی آب و ہوا اچھی ہوگئی

پہلے مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی۔ وہاں قسم قسم کی وباؤں کا اثر تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے اور بیماری کی حالت میں اپنے وطن مکہ کو یاد کر کے پردرد لہجے میں اشعار پڑھا کرتے تھے آپ نے ان لوگوں کا یہ حال دیکھ کر یہ دعا فرمائی کہ۔

> الٰہی! مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کر دے جیسا کہ مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے الٰہی! ہمارے "صاع" اور "مد" میں برکت دے اور مدینہ کو ہمارے لئے صحت بخش بنا دے اور یہاں کے بخار کو "جحفہ" میں منتقل کر دے۔

آپ کی دعا حرف بحرف مقبول ہوئی اور مہاجرین کو شہر مدینہ سے ایسی الفت اور والہانہ محبت ہوگئی کہ وہی حضرت ابوبکر و حضرت بلال رضی اللہ عنہما جو چند روز پہلے مدینہ کی بیماریوں

سے گھبرا اٹھے تھے اور اپنے وطن کی یاد میں خون رلانے والے اشعار گایا کرتے تھے۔ اب مدینہ کے ایسے عاشق بن گئے کہ پھر کبھی بھول کر بھی مکہ کی سکونت کا نام نہیں لیا اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ دکھلا دیا کہ مدینہ کی وبائیں مدینہ سے دفع ہوگئیں اور مدینہ کی آب و ہوا صحت بخش ہوگئی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۵۸ باب مقدم النبی و بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۲ باب المراۃ السودا)

اُمِ حرام کے لئے دعاءِ شہادت

ایک روز حضور ﷺ حضرت بی بی اُمِ حرام رضی اللہ عنہا کے مکان میں کھانے کے بعد قیلولہ فرما رہے تھے کہ ناگہاں ہنستے ہوئے نیند سے بیدار ہوئے' حضرت بی بی اُمِ حرام رضی اللہ عنہا نے ہنسی کی وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو جہاد کی غرض سے دریا میں کشتیوں پر اس طرح بیٹھا ہوا سفر کرے گا جس طرح تخت پر بادشاہ بیٹھے رہا کرتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) دعا فرما دیجئے کہ میں بھی ان مجاہدین کے گروہ میں شامل رہوں۔ آپ نے دعا فرما دی چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت بی بی اُمِ حرام رضی اللہ عنہا بھی مجاہدین کی اسی جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں اور دریا سے نکل کر جب خشکی پر آئیں تو سواری سے گر کر شہادت کا شرف حاصل کیا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۶ باب الرویا بالنہار)

ستر برس کا جوان

حضرت ابوقتادہ صحابی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور ﷺ نے یہ دعا فرمادی کہ **افلح وجهك اللهم بارك له في شعره وبشره** یعنی فلاح والا ہو جائے تیرا چہرہ یا اللہ اس کے بال اور اس کی کھال میں برکت دے۔

حضرت ابوقتادہ نے ستر برس کی عمر پا کر وفات پائی مگر ان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ نہ بدن میں جھریاں پڑی تھیں۔ چہرے پر جوانی کی ایسی رونق تھی کہ گویا ابھی پندرہ برس کے جوان ہیں۔ (الکلام المبین ص ۶۸ بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی)

برکت اولاد کی دعا

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا بڑی ہوشمند اور حضور ﷺ کی

نہایت ہی جانثار تھیں ان کا بچہ بیمار ہو گیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچے کا انتقال ہو گیا حضرت اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کو الگ مکان میں لٹا دیا اور جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان میں داخل ہوئے اور بیوی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اس کا سانس ٹھہر گیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ وہ آرام پا گیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھا کہ وہ اچھا ہے چنانچہ دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے لیکن صبح کو جب غسل کر کے مسجد نبوی میں نمازِ فجر کے لئے جانے لگے تو بیوی نے بچے کی موت کا حال سنا دیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات کا سارا ماجرا بارگاہِ نبوت میں عرض کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ خداوند تعالیٰ تمہاری آج کی رات میں برکت عطا فرمائے گا چنانچہ اس رات کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد ظاہر ہوئی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ پیدا ہوئے اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر اور عجوہ کھجور کو چبا کر ان کے منہ میں ڈالا اور ان کے چہرے پر اپنا دست رحمت پھرا دیا اور عبداللہ نام رکھا۔

ایک انصاری حضرت عبایہ بن رفاعہ کا بیان ہے کہ دعا نبوی کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہ کی نو اولادوں کو دیکھا جو سب کے سب قرآن مجید کے قاری تھے۔

(مسلم جلد ۲ ص ۲۹۲ باب فضائل اُمِ سلیم و بخاری جلد ۲ ص ۱۷۴ باب من لم یظہر حزنہ عند المصیبۃ)

حضرت جریر کے حق میں دعا

حضرت جریر بن عبداللہ صحابی گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ نہیں سکتے تھے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ''ذوالخلصہ'' کے بت خانہ کو توڑنے کے لئے بھیجنا چاہا تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور یہ دعا فرمائی کہ ''یا اللہ اس کو گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی قوت عطا فرما اور اس کو ہادی و مہدی بنا'' اس دعا کے بعد حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قبیلہ احمس کے ایک سو پچاس سواروں کا لشکر لے کر گئے اور اس بت خانہ کو توڑ پھوڑ کر جلا ڈالا اور مزاحمت کرنے والے کفار کو بھی قتل کر ڈالا جب واپس آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے اور قبیلہ احمس کے حق میں دعا فرمائی۔ (مسلم جلد ۲ ص ۲۹۷ فضائل جریر)

قبیلۂ دوس کا اسلام

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) قبیلہ دوس نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا آپ اس قبیلہ کی ہلاکت کے لئے دعا فرما دیجئے لوگوں نے آپس میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب آپ کی دعائے ہلاکت سے قبیلہ ہلاک ہو جائے گا۔ لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے قبیلہ دوس کے لئے یہ رحمت بھری دعا فرمائی کہ۔

''الٰہی! تو قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لا۔''

رحمۃ للعالمین ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی چنانچہ پورا قبیلہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گیا۔ (مسلم جلد۲ ص ۳۰۷ باب فضائل غفار و دوس وغیرہ)

ایک متکبر کا انجام

حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانے لگا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ'' اس نے غرور سے کہا کہ ''میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔'' چونکہ اس مغرور نے گھمنڈ سے ایسا کہا تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ ''خدا کرے ایسا ہی ہو'' چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔ (مسلم جلد۲ ص ۱۷۲ باب آداب الطعام)

مردے زندہ ہو گئے

خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دینا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک بہت ہی مشہور معجزہ ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جامع بنایا ہے۔ اس لئے آپ کو بھی اس معجزہ کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے چند معجزات احادیث اور سیرت نبویہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

لڑکی قبر سے نکل آئی

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لا سکتا جب تک کہ میری مردہ بچی زندہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے اس کی قبر دکھاؤ؟ اس نے اپنی لڑکی کی قبر دکھا دی حضورِ اکرم ﷺ نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا تو اس لڑکی نے قبر سے نکل کر جواب دیا کہ اے حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوں پھر آپ نے اس لڑکی سے فرمایا کہ ''کیا تم پھر دنیا میں لوٹ کر آنا پسند کرتی ہو لڑکی نے جواب دیا کہ ''نہیں یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں باپ سے

زیادہ مہربان اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔" (زرقانی علی المواہب جلد۵ ص۱۸۲ و شفاء جلد ص ۲۱۱)

پکی ہوئی بکری زندہ ہوگئی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور روٹیوں کا چورہ کر کے ثرید بنایا اور اس کو بارگاہ نبوت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کو تناول فرمایا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام ہڈیوں کو ایک برتن میں جمع فرمایا اور ان ہڈیوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ کلمات ارشاد فرما دیئے تو یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ بکری زندہ ہو کر کھڑی ہوگئی اور دُم ہلانے لگی پھر آپ نے فرمایا کہ اے جابر! تم اپنی بکری اپنے گھر لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس بکری کو لے کر مکان میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے آ گئی؟ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے اپنی اس بکری کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ذبح کیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس بکری کو زندہ فرما دیا۔ یہ سن کر ان کی بیوی نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔

اس حدیث کو جلیل القدر محدث ابونعیم نے روایت کیا ہے اور مشہور حافظ الحدیث محمد بن المنذر نے بھی "کتاب العجائب والغرائب" میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد۵ ص۱۸۴ و خصائص کبریٰ جلد۲ ص ٦٧)

عالم جنات کے معجزات

جن نے اسلام کی ترغیب دلائی

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک جن میرا تابع ہو گیا تھا وہ آئندہ کی خبریں مجھے دیا کرتا تھا' اور میں لوگوں کو وہ خبریں بتا کر نذرانے وصول کیا کرتا تھا۔ ایک بار اس جن نے مجھے آ کر جگایا اور کہا کہ اٹھ اور ہوش میں آ اگر تجھ میں کچھ شعور ہے تو چل اور بنی ہاشم کے سردار کے دربار میں حاضر ہو کر ان کا دیدار کر جو لوی بن غالب کی اولاد میں پیغمبر ہو کر تشریف لائے ہیں۔ حضرت سواد بن قارب کہتے ہیں کہ مسلسل تین راتیں ایسی گزریں کہ میرا یہ جن مجھے نیند سے جگا جگا کر برابر یہی کہتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے دل میں اسلام کی اُلفت و محبت پیدا ہوگئی اور میں اپنے گھر سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

اقدس میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر ''خوش آمدید'' کہا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ کس سبب سے تم یہاں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے پہلے آپ اس کو سن لیجئے آپ نے فرمایا کہ پڑھو' چنانچہ میں نے اپنا قصیدہ بائیہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں نظم کیا تھا پڑھ کر رحمت عالم ﷺ کو سنایا اس قصیدہ کا آخری شعر یہ ہے کہ۔

وَکُنْ لِیْ شَفِیْعًا یَوْمَ لَاذُوْ شَفَاعَةٍ
سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِبْنِ قَارِبِ

یعنی آپ اس دن میرے شفیع بن جایئے جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کی نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہو گا نہ کوئی نفع پہنچانے والا ہو گا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔ (الکلام المبین ص ۸۷ بحوالہ بیہقی)

جنوں کا سلام و پیغام

ابن سعد نے جعد بن قیس مرادی سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی حج کا ارادہ کر کے اپنے وطن سے روانہ ہوئے یمن کے ایک جنگل میں ہم لوگ چل رہے تھے کہ ناگہاں اشعار پڑھنے کی آواز آئی ہم نے ان اشعار کو غور سے سنا تو ان کا مضمون یہ تھا کہ اے سوارو! جب تم لوگ زمزم اور حطیم پر پہنچو تو حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں ہمارا سلام عرض کر دینا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور ہمارا یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ ہم آپ کے دین کے فرماں بردار ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نے ہم لوگوں کو اس بات کی وصیت فرمائی تھی۔ یقیناً یہ یمن کے جنگل میں رہنے والے جنوں کی آواز تھی۔

(الکلام المبین ص ۹۳ بحوالہ ابن سعد)

جن سانپ کی شکل میں آیا

خطیب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بہت بڑے کالے سانپ نے آپ کی طرف رُخ کیا لوگوں نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا' لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس آنے دو۔ جب یہ آپ کے پاس پہنچا تو اپنا سر آپ کے کانوں کے پاس کر دیا پھر آپ نے اس سانپ کے منہ کے قریب

اپنا منہ کر کے چپکے چپکے کچھ ارشاد فرمایا اس کے بعد اسی جگہ یکبارگی وہ سانپ اس طرح غائب ہو گیا کہ گویا زمین اس کو نگل گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے سانپ کو اپنے کانوں تک پہنچنے دیا' یہ منظر دیکھ کر ہم لوگ ڈر گئے کہ کہیں یہ سانپ آپ کو کاٹ نہ لے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنوں کی جماعت کا بھیجا ہوا ایک جن تھا فلاں سورہ میں سے کچھ آیتیں یہ بھول گیا۔ ان آیتوں کو دریافت کرنے کے لئے جنوں نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا۔ میں نے اس کو وہ آیتیں بتا دیں اور وہ ان کو یاد کرتا ہوا چلا گیا۔ (الکلام المبین ص ۹۴)

عناصر اربعہ کے عالم میں معجزات

انگشت مبارک کی نہریں

احادیث کی تلاش و جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

۶ھ میں رسول اکرم ﷺ عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے میدان میں اتر پڑے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک ہو گیا اور حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے محتاج ہو گئے۔ اس وقت رحمت عالم ﷺ کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا اور آپ نے ایک بڑے پیالے میں اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ کی مبارک انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو کا لشکر سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے وضو و غسل بھی کیا جانوروں کو بھی پلایا تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی بھر لیا۔ پھر آپ نے پیالہ میں سے دست مبارک کو اٹھا لیا اور پانی ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت تم لوگ کتنے آدمی تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ پندرہ سو کی تعداد میں تھے! مگر پانی اس قدر زیادہ تھا کہ مو كنا مائة الف لكفنا۔ (مشکوٰۃ جلد۲ ص۵۳۲ باب المعجزات)

اگر ہم لوگ ایک لاکھ بھی ہوتے تو سب کو یہ پانی کافی ہو جاتا۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس و حضرت براء بن عازب

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتوں سے بھی انگلیوں سے پانی کی نہریں جاری ہونے کی حدیثیں مروی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ (بخاری جلد۱ ص۵۰۴ و ص۵۰۵ علامات النبوۃ)

سبحان اللہ! اس حسین منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے

اُنگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

زمین نے لاش کو ٹھکرا دیا

ایک نصرانی مسلمان ہو کر دربارِ نبوت میں رہنے لگا سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ چکا تھا۔ خوشخط کاتب تھا' اس لئے اس کو وحی لکھنے کی خدمت سپرد کر دی گئی۔ مگر یہ بدنصیب پھر کافر و مرتد ہو کر کفار سے جاملا اور کہنے لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا میں ان کو لکھ کر دے دیا کرتا تھا۔ قہرِ الٰہی نے اس گستاخ کو اپنی گرفت میں پکڑ لیا اور یہ مر گیا۔ نصرانیوں نے اس کو دفن کیا مگر زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ نصرانیوں نے گہری قبر کھود کر تین مرتبہ اس کو دفن کیا مگر ہر مرتبہ زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ چنانچہ نصرانیوں نے بھی اس بات کا یقین کر لیا کہ اسکی لاش کو زمین کے باہر نکال پھینکنا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے اس لئے ان لوگوں نے اس کی لاش کو زمین پر ڈال دیا۔

(بخاری جلد۱ ص۵۱۱ علامات النبوۃ)

جنگِ خندق کی آندھی

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ (بخاری جلد۲ ص۵۸۹ غزوۂ خندق) یعنی پروا ہوا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کی گئی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ غزوہ خندق میں قبائل قریش و غطفان اور قریظہ و بنی النضیر کے یہود اور دوسرے مشرکین نے متحدہ افواج کے دل بادل لشکروں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی اور مسلمانوں نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر ان افواج کے حملوں سے پناہ لی۔ تو ان شیطانی لشکروں نے مدینہ کا ایسا سخت محاصرہ کر لیا کہ مدینہ کے اندر مدینہ کے باہر سے ایک گیہوں کا دانہ' اور ایک قطرہ پانی کا جانا محال ہو گیا تھا صحابہ کرام ان مصائب و شدائد سے گو

پریشان حال تھے۔ مگر ان کے جوشِ ایمانی کے استقلال میں بال برابر فرق نہیں آیا تھا۔ ٹھیک اس حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ پورب کی طرف سے ایک ایسی زوردار آندھی ہوئی جس میں کڑاکے کا جاڑا بھی تھا اور اس میں اس شدت کے جھونکے اور جھٹکے تھے کہ گرد وغبار کا بادل چھا گیا۔ کفار کی آنکھیں دھول اور کنکریوں سے بھر گئیں ان کے چولہوں کی آگ بجھ گئی اور بڑی بڑی دیگیں چولہوں سے الٹ پلٹ کر دور تک لڑھکتی ہوئی چلی گئیں۔ خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں اور خیمے اڑ اڑ کر پھٹ گئے' گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرا کر لڑنے لگے۔ غرض یہ آندھی کفار کے لئے ایک ایسا عذاب شدید بن کر ان پر مسلط ہو گئی کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ فرار پر مجبور ہو گئے۔ اور بدحواسی کے عالم میں سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ یہی وہ آندھی ہے جس کا ذکر خداوند قدوس نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ اَنَا رُسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (احزاب)

اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد
کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر
آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے
اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

آگ جلا نہ سکی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ آگ ان چیزوں کو نہ جلا سکی جن کو آپ کی ذات سے کوئی تعلق رہا ہو۔

چنانچہ قطب الدین قسطلانی علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب ''جمل الایجاز فی الاعجاز'' میں لکھا ہے کہ وہ آگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غیب کے مطابق ۶۵۴ھ میں مدینہ منورہ کے پاس قبیلہ قریظہ کی پہاڑیوں سے نمودار ہوئی وہ پتھروں کو جلا دیتی تھی اور کچھ پتھروں کو گلا دیتی تھی۔ یہ آگ جب بڑھتے بڑھتے حرم مدینہ کے قریب ایک پتھر کے پاس پہنچی جس کا آدھا حصہ حرم مدینہ میں داخل تھا اور آدھا حصہ حرم مدینہ سے خارج تھا تو پتھر کا جو حصہ خارج حرم تھا۔ اس کو اس آگ نے جلا دیا لیکن جب اس نصف حصہ تک پہنچی جو حرم مدینہ میں داخل تھا تو فوراً ہی وہ آگ بجھ گئی۔

اس طرح امام قرطبی علیہ الرحمتہ نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ آگ مدینہ طیبہ کے قریب

سے ظاہر ہوئی اور دریا کی طرح موج مارتی ہوئی یمن کے ایک گاؤں تک پہنچ گئی اور اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔ مگر مدینہ طیبہ کی جانب اس آگ میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم صبح جیسی ہوائیں آتی تھیں اس آگ کا واقعہ چند اوراق سے پہلے ہم مفصل طور پر لکھ چکے ہیں۔

(الکلام المبین ص ۱۰۷)

اسی طرح ''نسیم الریاض'' میں لکھا ہے کہ ''عدیم بن طاہر علوی'' کے پاس چودہ موئے مبارک تھے انہوں نے ان کو امیر حلب کے دربار میں پیش کیا۔ امیر حلب نے خوش ہو کر اس مقدس تحفہ کو قبول کیا اور علوی صاحب کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ لیکن اس کے بعد جب دوبارہ علوی صاحب امیر حلب کے دربار میں گئے تو امیر نے تیوری چڑھا کر بہت ہی ترشروئی کے ساتھ بات کی اور ان کی طرف سے نہایت ہی بے التفاتی کے ساتھ منہ پھیر لیا۔ علوی صاحب نے اس بے توجہی اور ترش روئی کا سبب پوچھا تو امیر حلب نے کہا کہ میں نے لوگوں کی زبانی یہ سنا ہے کہ تم جو موئے مبارک میرے پاس لائے تھے ان کی کچھ اصل اور کوئی سند نہیں ہے علوی صاحب نے کہا کہ آپ ان مقدس بالوں کو میرے سامنے لائیے جب وہ آ گئے تو انہوں نے آگ منگوائی اور موئے مبارک کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا پوری آگ جل جل کر راکھ ہو گئی مگر موئے مبارک پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ بلکہ آگ کے شعلوں میں موئے مبارک کی چمک دمک اور زیادہ نکھر گئی یہ منظر دیکھ کر امیر حلب نے علوی صاحب کے قدموں کا بوسہ لیا اور پھر اس قدر انعام و اکرام سے علوی صاحب کو نوازا کہ اہل درباران کے اعزاز و وقار کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

(الکلام المبین ص ۱۰۸)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دسترخوان کی روایت مشہور ہے کہ چونکہ اس دسترخواں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اور روئے اقدس کو صاف کر لیا تھا اس لئے یہ دسترخوان آگ کے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا جاتا مگر آگ اس کو جلاتی نہیں تھی بلکہ اس کو صاف ستھرا کر دیتی تھی۔ (مثنوی شریف مولانا روم)

ایک ضروری انتباہ

یہ سلطان کونین و شہنشاہ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہزاروں معجزات میں سے چند ہیں جن کے تذکروں سے احادیث و سیرت نبویہ کی کتابیں مالا مال ہیں۔ ہم نے ان چند معجزات کو بلا

کسی تصنع کے سادہ الفاظ میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا ہے تا کہ ان نورانی معجزات کو پڑھ کر ناظرین کے سینوں میں عظمت مصطفی اور محبت رسول کے ہزاروں ایمانی چراغ روشن ہو جائیں اور ہر مسلمان اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم، اور ان کے اکرام و احترام کی رفعت کو پہچان لے اور اس کے گلشن ایمان میں ہر لحظہ اور ہر آن محبت و عظمت رسول کے ہزاروں پھول کھلتے رہیں اور وہ جوشِ عرفان و جذبۂ ایمان کے ساتھ دونوں جہاں میں یہ اعلان کرتا رہے کہ

اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں !
ایمان یہ کہتا ہے ''مری جان ہیں یہ''

اور شاید ان لوگوں کو بھی اس سے کچھ عبرت حاصل ہو جنہوں نے سیرت نبویہ کے موضوع پر قلم گھس کر اور کاغذ سیاہ کر کے سرور انبیاء محبوب کبریا ﷺ کی مقدس پیغمبرانہ زندگی کو ایک عام انسان کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اور بار بار اپنے اس مکروہ نظریہ اور گندے نصب العین کا اعلان کرتے رہتے ہیں کہ پیغمبر خدا کی سیرت میں ایسے کمالات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے جس سے لوگ پیغمبر اسلام کو عام انسانوں کی سطح سے اونچا سمجھنے لگیں۔ (والعیاذ باللہ)

بہرحال اس پر تمام اہل حق کا اجماع و اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو جن جن معجزات سے سرفراز فرمایا ہے ان تمام معجزات کو حضور اکرم ﷺ کی ذات والاصفات میں جمع فرما دیا ہے۔ اور ان کے علاوہ بے شمار ایسے معجزات سے بھی حضرت حق جل جلالہ نے اپنے آخری پیغمبر شفیع محشر ﷺ کو ممتاز فرمایا جو آپ کے خصائص کہلاتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کے وہ کمالات و معجزات ہیں جو کسی نبی و رسول کو نہیں عطا کیے گئے مثلاً۔

چند خصائص کبریٰ

۱- آپ کا پیدائش کے اعتبار سے ''اول الانبیاء'' ہونا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ كَانَ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ یعنی حضور ﷺ اس وقت شرف نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جسم و روح کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔ (زُرقانی علی المواہب جلد۵ ص۲۴۲)

۲- آپ کا خاتم النبیین ہونا!
۳- تمام مخلوق آپ کے لئے پیدا ہوئی۔
۴- آپ کا مقدس نام عرش اور جنت کی پیشانیوں پر تحریر کیا گیا۔
۵- تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی بشارت دی گئی۔
۶- آپ کی ولادت کے وقت تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔
۷- آپ کا شق صدر ہوا۔
۸- آپ کو معراج کا شرف عطا کیا گیا اور آپ کی سواری کے لئے براق پیدا کیا گیا۔
۹- آپ پر نازل ہونے والی کتاب تبدیل و تحریف سے محفوظ کر دی گئی اور قیامت تک اس کی بقاء و حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی۔
۱۰- آپ کو آیۃ الکرسی عطا کی گئی۔
۱۱- آپ کو تمام خزائن الارض کی کنجیاں عطا کر دی گئیں۔
۱۲- آپ کو جوامع الکلم کے معجزہ سے سرفراز کیا گیا۔
۱۳- آپ کو رسالت عامہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا۔
۱۴- آپ کی تصدیق کے لئے معجزہ شق القمر ظہور میں آیا۔
۱۵- آپ کے لئے اموال غنیمت کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔
۱۶- تمام روئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مسجد اور پاکی حاصل کرنے (تیمّم) کا سامان بنا دیا۔
۱۷- آپ کے بعض معجزات (قرآن مجید) قیامت تک باقی رہیں گے۔
۱۸- اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ان کا نام لے کر پکارا مگر آپ کو اچھے اچھے القاب سے پکارا۔
۱۹- اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''حبیب اللہ'' کے معزز لقب سے سربلند فرمایا۔
۲۰- اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت آپ کی حیات آپ کے شہر آپ کے زمانے کی قسم یاد فرمائی۔
۲۱- آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔
۲۲- آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ''اکرام الخلق'' ہیں۔
۲۳- قبر میں آپ کی ذات کے بارے میں منکر و نکیر سوال کریں گے۔

۲۴-آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ٹھہرایا گیا۔

۲۵-ہر نمازی پر واجب کر دیا گیا کہ بحالت نماز اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر آپ کو سلام کرے۔

۲۶-اگر کسی نمازی کو بحالت نماز حضور ﷺ پکاریں تو وہ نماز چھوڑ کر آپ کی پکار پر دوڑ پڑے یہ اس پر واجب ہے اور ایسا کرنے سے اس کی نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔

۲۷-اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا آپ کو مختار بنا دیا ہے۔ آپ جس کے لئے جو چاہیں حلال فرما دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حرام فرما دیں۔

۲۸-آپ کے منبر اور قبر انور کے درمیان کی زمین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

۲۹-صور پھونکنے پر سب سے پہلے آپ اپنی قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے۔

۳۰-آپ کو مقام محمود عطا کیا گیا۔

۳۱-آپ کو شفاعت کبریٰ کے اعزاز سے نوازا گیا۔

۳۲-آپ کو قیامت کے دن ''لواء الحمد'' عطا کیا گیا۔

۳۳-آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

۳۴-آپ کو حوض کوثر عطا کیا گیا۔

۳۵-قیامت کے دن ہر شخص کا نسب و تعلق منقطع ہو جائے گا مگر آپ کا سب و تعلق منقطع نہیں ہوگا۔

۳۶-آپ کے سوا کسی نبی کے پاس حضرت اسرافیل علیہ السلام نہیں اترے۔

۳۷-آپ کے دربار میں بلند آواز سے بولنے والے کے اعمال صالحہ برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۸-آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا حرام کر دیا گیا۔

۲۹-آپ کی ادنیٰ سی گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔

۴۰-آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ معجزات عطا کئے گئے۔

(فہرست زُرقانی علی المواہب جلد ۵)

اکیسواں باب

اُمت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی امت کی ہدایت و اصلاح اور ان کی صلاح و فلاح کے لئے جیسی جیسی تکلیفیں برداشت فرمائیں اور اس راہ میں آپ کو جو جو مشکلات درپیش ہوئیں ان کا کچھ حال آپ اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ پھر آپ کو اپنی امت سے جو بے پناہ محبت اور اسکی نجات و مغفرت کی فکر اور ایک ایک امتی پر آپ کی شفقت و رحمت کی جو کیفیت ہے اس پر قرآن میں خداوند قدوس کا فرمان گواہ ہے کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(سورۂ توبہ)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بہت ہی نہایت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔

پوری پوری راتیں جاگ کر عبادت میں مصروف رہتے اور امت کی مغفرت کے لئے دربار باری میں انتہائی بے قراری کے ساتھ گریہ و زاری فرماتے رہتے۔ یہاں تک کہ کھڑے کھڑے اکثر آپ کے پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضور سرور انبیاء محبوب کبریا ﷺ نے اپنی امت کے لئے جو مشقتیں اٹھائیں ان کا تقاضا ہے کہ امت پر حضور ﷺ کے کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کرنا ہر امتی پر فرض و واجب ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مقدس حقوق کو اپنی کتاب ''شفاء شریف'' میں بہت ہی مفصل طور پر بیان فرمایا ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آٹھ حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ایمان بالرسول

(۲) اتباع سنت رسول

(۳) اطاعت رسول

(۴) محبت رسول

(۵) تعظیم رسول

(۶) مدح رسول

(۷) درود شریف

(۸) قرآن کی زیارت

(۱) ایمان بالرسول

حضورِ اقدس ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں صدقِ دل سے اس کو سچا ماننا ہر ہر امتی پر فرضِ عین ہے اور ہر مومن کا اس پر ایمان ہے کہ بغیر رسول پر ایمان لائے ہوئے ہرگز ہرگز کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں خداوند عالم جل جلالہ کا فرمان ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا (سورہ فتح)

جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان نہ لایا تو یقیناً ہم نے کافروں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت نے نہایت وضاحت اور صفائی کے ساتھ یہ فیصلہ کر دیا کہ جو لوگ رسول کی رسالت پر ایمان نہیں لائیں گے وہ اگرچہ خدا کی توحید کا عمر بھر ڈنکا بجاتے رہیں مگر وہ کافر اور جہنمی ہی رہیں گے۔ اس لئے اسلام کا بنیادی کلمہ یعنی کلمہ طیبہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے یعنی مسلمان ہونے کے لئے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۲) اتباعِ سنتِ رسول

حضورِ اقدس ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور آپ کی سنت مقدسہ کی اتباع اور پیروی ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے۔ رب العزت جل جلالہ کا فرمان ہے کہ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران)

(اے رسول) فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اسی لئے آسمانِ امت کے چمکتے ہوئے ستارے ہدایت کے چاند تارے اللہ و رسول کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ہر سنت کریمہ کی اتباع اور پیروی کو اپنی زندگی کے ہر دم قدم پر اپنے لئے لازم الایمان اور واجب العمل سمجھتے تھے۔ اور بال برابر بھی کسی معاملہ میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی مقدس سنتوں سے انحراف یا ترک گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

صدیق اکبر کی آخری تمنا

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پہلے اُمُ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کفن مبارک میں کتنے کپڑے تھے اور آپ کی وفات کس دن ہوئی؟ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی یہ انتہائی تمنا تھی کہ زندگی کے ہر لمحات میں تو میں نے اپنے تمام معاملات میں حضور اکرم ﷺ کی مبارک سنتوں کی مکمل طور سے اتباع کی ہے مرنے کے بعد کفن اور وفات کے دن میں بھی مجھے آپ کی اتباع سنت نصیب ہو جائے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۸۶ باب موت الاثنین)

حضرت ابو ہریرہ اور بھنی ہوئی بکری

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جس کے سامنے کھانے کے لئے بھنی ہوئی مسلم بکری رکھی ہوئی تھی۔ لوگوں نے آپ کو کھانے کے لئے بلایا تو آپ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی میں بھلا ان لذیذ اور پر تکلف کھانوں کو کھانا کیونکر گوارا کر سکتا ہوں؟ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۴۴۶ باب فضل الفقراء)

حضرت عباس کا پرنالہ

منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا۔ اور اس مکان کا پرنالہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں کے اوپر گرا کرتا تھا۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ خدا کی قسم! اس پرنالہ کو رسول اللہ ﷺ نے میری گردن پر سوار ہو کر اپنے مقدس ہاتھوں سے لگایا تھا۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا کہ اے عباس! مجھے اسکا علم نہ تھا اب میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس پرنالہ کو پھر اسی جگہ لگا دیجئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (وفاء الوفا جلد ۱ ص ۳۲۸)

(۳) اطاعتِ رسول

یہ بھی ہر امتی پر رسول اللہ ﷺ کا حق ہے کہ ہر امتی ہر حال میں آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرے اور آپ جس بات کا حکم دے دیں بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی اس کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہ کرے۔ کیونکہ آپ کی اطاعت اور آپ کے احکام کے آگے

سرِ تسلیم خم کر دینا ہر امتی پر فرض عین ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ۔

۱- اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوالرَّسُوْلَ (نساء)	حکم مانو اللہ کا' اور حکم مانو رسول کا
۲- مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء)	جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔
۳- وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء)	اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

قرآن مجید کی یہ مقدس آیات اعلان کر رہی ہیں کہ اطاعت رسول کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اطاعتِ رسول کرنے والوں ہی کے لئے ایسے ایسے بلند درجات ہیں کہ وہ حضرات انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ رہیں گے۔

ہر امتی کے لئے اطاعت رسول کی کیا شان ہونی چاہیے۔ اس کا جلوہ دیکھنا ہو تو اس روایت کو بغور پڑھیے۔

سونے کی انگوٹھی پھینک دی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہے۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کے انگارہ کو اپنے ہاتھ میں ڈالے؟ حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تو اپنی انگوٹھی کو اٹھا لے اور اس کو بیچ کر اس سے نفع اٹھا۔ تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا۔ تو اب میں اس انگوٹھی کو کبھی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ (اور وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا) (مشکوٰۃ جلد۲ ص۳۷۸ باب الخاتم)

(۴۰) محبتِ رسول

اسی طرح ہر امتی پر رسول اللہ ﷺ کا حق ہے کہ وہ سارے جہان سے بڑھ کر آپ سے محبت رکھے اور ساری دنیا کی محبوب چیزوں کو آپ کی محبت کے قدموں پر قربان کر دے خداوند قدوس جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (سورۂ توبہ)

(اے رسول) آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان یہ چیزیں اللہ اور اسکے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت فرض عین ہے۔ کیونکہ اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم ایمان لائے ہو اور اللہ ورسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اب اس کے بعد اگر تم لوگ کسی غیر کی محبت کو اللہ ورسول کی محبت پر ترجیح دو گے تو خوب سمجھ لو کہ تمہارا ایمان اور اللہ ورسول کی محبت کا دعویٰ بالکل غلط ہو جائے گا اور تم عذاب الٰہی اور قہر خداوندی سے نہ بچ سکو گے۔

نیز آیت کے آخری ٹکڑے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت نہیں یقیناً بلاشبہ اس کے ایمان میں خلل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری جلد۱ ص ۷ باب حب الرسول)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی والہانہ محبت تھی اگر آپ کو اس کی تجلیوں کا نظارہ کرنا ہے تو مندرجہ ذیل واقعات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔

ایک بڑھیا کا جذبۂ محبت

آپ جنگِ اُحد کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ شیطان نے بے پر کی یہ خبر اڑا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ ہولناک خبر جب مدینہ منورہ میں پہنچی تو وہاں کی زمین دہل گئی۔ یہاں تک کہ وہاں کی پردہ نشین عورتوں کے دل و دماغ میں صدمات غم کا بھونچال آ

گیا۔ اور قبیلہ بنی دینار کی ایک عورت اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے گھر سے نکل پڑی اور میدان جنگ کی طرف چل پڑی۔ راستے میں اس کو اپنے باپ اور بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر ملی مگر اس نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اور لوگوں سے یہی پوچھتی رہی کہ مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ الحمد للہ! آپ ہر طرح بخیریت ہیں تو اس سے اس بڑھیا کی تسلی نہیں ہوئی اور کہنے لگی کہ تم لوگ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرا دو۔ جب لوگوں نے اس کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا اور اس نے جمال نبوت کو دیکھا تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ جملہ نکل پڑا کہ۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ	آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ ص ۹۹ مطبوعہ مصر)

بڑھ کر اُس نے رُخِ انور کو جو دیکھا تو کہا!
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہہ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرت ثمامہ کا اعلانِ محبت

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ایمان لا کر کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم! پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا۔ لیکن آج آپ کا وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ مگر اب آپ کا وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ لیکن اب آپ کا وہی شہر میرے نزدیک تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۲۷ باب وفد بنی حنیفہ)

بسترِ موت پر عشقِ رسول

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے غم سے نڈھال ہو کر کہا کہ وَاحَرَبَاہ (ہائے رے غم) یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بستر موت پر تڑپ کر کہا کہ۔

وَاطَرَبَاهُ غَدًا اَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَصَحْبِهٖ (زُرقانی علی المواہب)

واہ رے! خوشی میں کل تمام دوستوں سے یعنی محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا۔

حضرت علی اور محبتِ رسول

حضرت علی ؓ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! حضور ﷺ ہمارے مال، ہماری اولاد ہمارے باپ ہماری ماں اور سخت پیاس کے وقت پانی سے بھی بڑھ کر ہمارے نزدیک محبوب ہیں۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۱۸)

عبداللہ بن عمر کا عشق

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ لوگوں نے ان کو اس مرض کے علاج کے طور پر یہ عمل بتایا کہ تمام دنیا میں آپ کو سب سے زائد جس سے محبت ہو اس کو یاد کر کے پکاریئے یہ مرض جاتا رہے گا۔ یہ سن کر آپ نے ''یا محمد'' (صلی اللہ علیک وسلم کا نعرہ مارا اور آپ کا پاؤں اچھا ہو گیا۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۱۸)

کدو سے محبت

حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ ایک درزی نے حضور ﷺ کی دعوت کی میں بھی ساتھ میں تھا۔ جو کی روٹی اور شوربا آپ کے سامنے لایا گیا جس میں خشک گوشت کی بوٹیاں اور کدو کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ پیالے کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے تناول فرماتے تھے۔ اسی لئے میں اس دن سے کدو کو ہمیشہ محبوب رکھتا ہوں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۸۱۷ باب المرق)

منقول ہے کہ حضرت امام ابو یوسف (شاگرد امام ابوحنیفہ) علیہ الرحمۃ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا کہ حضورِ اقدس ﷺ کو کدو بہت زیادہ پسند تھا۔ اس مجلس میں ایک شخص نے کہہ دیا کہ ''اَنَـا مَـا اُحِبـهٗ'' (میں تو اس کو پسند نہیں کرتا) یہ سن کر حضرت امام ابو یوسف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ۔

جَدِّدِ الْاِیْمَانَ وَاِلَّا لَا قْتُلَنَّكَ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۷۷)

اپنے ایمان کی تجدید کرو ورنہ میں ضرور تجھ کو قتل کر ڈالوں گا۔

سوتے وقت رسول کی یاد

عبدہ بنت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ ہر رات حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو انتہائی شوق و اشتیاق کے ساتھ حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کبار، مہاجرین و انصار کو نام لے لے کر یاد کرتے اور یہ دعا مانگتے کہ یا اللہ! میرا دل ان حضرات کی محبت میں بے قرار ہے اور میرا اشتیاق اب حد سے بڑھ چکا ہے۔ لہٰذا تو مجھے جلد وفات دے کر ان لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ یہی کہتے کہتے ان کو نیند آ جاتی تھی۔ اللہ اکبر ۔ (شفاء شریف جلد۲ ص ۱۷)

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صل علیٰ کہتے کہتے

محبتِ رسول کی نشانیاں

واضح رہے کہ محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والے تو بہت لوگ ہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ اس کی چند نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر اس بات کی پہچان ہوتی ہے کہ واقعی اس کے دل میں محبتِ رسول کا چراغ روشن ہے۔ ان علامتوں میں سے چند یہ ہیں۔

۱- آپ کے اقوال و افعال کی پیروی، آپ کی سنتوں پر عمل، آپ کے اوامر و نواہی کی فرمانبرداری غرض شریعت مطہرہ پر پورے طور سے عامل ہو جانا۔

۲- آپ کا ذکر شریف بکثرت کرنا، بہت زیادہ درود شریف پڑھنا، آپ کے ذکر کی مجالس مقدسہ مثلاً میلاد شریف، اور دینی جلسوں کا شوق اور ان مجالس مبارکہ میں حاضری۔

۳- حضور ﷺ اور تمام ان لوگوں اور ان چیزوں سے محبت، اور ان کا ادب و احترام جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت و تعلق حاصل ہے۔ مثلاً صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات، اہل بیت اطہار، شہر مدینہ، قبر انور، مسجد نبوی، آپ کے آثار شریفہ و مشاہد مقدسہ، قرآن مجید و احادیث مبارکہ، سب کی تعظیم و توقیر اور ان کا ادب و احترام کرنا۔

۴- حضور ﷺ کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں یعنی بد دینوں، بد مذہبوں سے دشمنی رکھنا۔

۵- دنیا سے بے رغبتی، اور فقیری کو مالداری سے بہتر سمجھنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقر و فاقہ اس سے بھی زیادہ جلدی

پہنچتا ہے جیسے کہ پانی کا سیلاب اپنے منتہی کی طرف۔ (ترمذی جلد۲ص ۵۸ ابواب الزہد)

(۵) تعظیم رسول

اُمت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق میں ایک نہایت ہی اَہم اور بہت ہی بڑا حق یہ بھی ہے کہ ہر امتی پر فرض عین ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ سے نسبت و تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی تعظیم و توقیر اور ان کا ادب و احترام کرے۔ اور ہرگز ہرگز کبھی ان کی شان میں کوئی بے ادبی نہ کرے احکم الحاکمین جل جلالہٗ کا فرمان والا شان ہے کہ۔

اِنَّا اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا (سورۃ الفتح)

بے شک ہم نے تمہیں (اے رسول) بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔ تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

حضور کی توہین کرنے والا کافر ہے

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس بات پر تمام علماء امت کا اجماع ہے کہ

> حضور ﷺ کو گالی دینے والا یا ان کی ذات، ان کے خاندان، اُن کے دین، ان کی کسی خصلت میں نقص بتانے والا یا اس کی طرف اشارہ کنایہ کرنے والا، یا حضور کو بدگوئی کے طریقے پر کسی چیز سے تشبیہ دینے والا یا آپ کو عیب لگانے والا، یا آپ کی شان کو چھوٹی بتانے والا یا آپ کی تحقیر کرنے والا، بادشاہ اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح حضور ﷺ پر لعنت کرنے والا یا آپ کے لئے بددعا کرنے والا یا آپ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرنے والا جو آپ کے منصب کے لائق نہ ہو یا آپ کے لئے کسی مضرت کی تمنا کرنے والا، یا آپ کی مقدس جناب میں کوئی ایسا کلام بولنے والا جس سے آپ کی شان میں استخفاف ہوتا ہو یا کسی آزمائش یا امتحان کی باتوں سے آپ کو عار دلانے والا بھی سلطان اسلام کے حکم سے قتل کر دیا جائے گا۔ اور وہ مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس مسئلہ میں علماء امصار اور سلف صالحین کے مابین کوئی اختلاف نہیں

ہے کہ ایسا شخص کافر قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا محمد بن سحنون علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور توہین رسالت کرنے والے کی دنیا میں یہ سزا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔

(شفاء شریف جلد۲ ص ۱۸۱ و ص ۱۹۰)

اسی طرح حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلقین یعنی آپ کے اصحاب، آپ کے اہل بیت، آپ کی ازواج مطہرات وغیرہ کو گالی دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت و آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے اصحاب کو گالی دینا، یا انکی شان میں تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ (شفاء شریف جلد۲ ص ۲۶۶)

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام حضورِ اقدس ﷺ کا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے اور آپ کی مقدس بارگاہ میں اتنی تعظیم و تکریم کا مظاہرہ کرتے تھے۔ کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جب کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار مکہ کے نمائندہ بن کر میدان حدیبیہ میں گئے تھے تو وہاں سے واپس آ کر انہوں نے کفار کے مجمع میں علی الاعلان یہ کہا تھا کہ۔

اے میری قوم! میں نے بادشاہ رُوم' قیصر' اور بادشاہ فارس کسریٰ اور بادشاہ حبشہ نجاشی، سب کا دربار دیکھا ہے مگر خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمد (ﷺ) کے اصحاب محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۸۰ باب الشروط فی الجہاد وغیرہ)

چنانچہ مندرجہ ذیل مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے اصحاب کبار اپنے آقائے نامدار کے دربار میں کس قدر تعظیم و تکریم کے جذبات سے سرشار رہتے تھے۔

سر پر چڑیاں

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

جس وقت آپ کلام فرماتے تھے تو آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے صحابہ کرام اس

طرح سر جھکا کر خاموش اور سکون کے ساتھ بیٹھے رہا کرتے تھے کہ گویا انکے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہو جاتے تو صحابہ کرام گفتگو کرتے اور کبھی آپ کے سامنے کلام میں متنازعہ نہیں کرتے اور جو آپ کے سامنے کلام کرتا آپ توجہ کے ساتھ اس کے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جاتا۔ (شمائل ترمذی ص ۲۵ باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ)

حضرت عمرو بن العاص کے تین دور

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بستر موت پر اپنے صاحبزادے سے اپنی زندگی کے تین دور کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پہلی حالت یہ تھی کہ میں کفر کی حالت میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا جانی دشمن تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً میں دوزخی ہوتا۔ دوسری حالت مسلمان ہونے کے بعد تھی کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب نہ تھا۔ اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ عظمت و جلالت والا کوئی بھی نہ تھا۔ اور میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مجھ سے حضور ﷺ کا حلیہ دریافت کیا جائے تو میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا اگر میں اس حال پر مر گیا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا۔ تیسری حالت میری گورنری اور حکومت کی تھی جس میں مجھے اپنا حال معلوم نہیں۔

(مسلم جلد ۱ ص ۷۶ باب کون الاسلام یہدم ما کان قبلہ)

کون بڑا؟

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت قباث بن آشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ؟ انہوں نے کہا کہ بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ مگر میری پیدائش حضور سے پہلے ہوئی ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۲ باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ)

حضرت براء کا ادب

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ سے کچھ دریافت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر کمال ادب اور آپ کی ہیبت سے برسوں دریافت نہیں کر سکتا تھا۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۳۲)

آثار شریفہ کی تعظیم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے ادب و احترام کو حضرات صحابہ کرام اپنے ایمان کی جان سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ چیزیں کہ جن کو آپ کی ذات والا سے کچھ تعلق و انتساب ہو ان کی تعظیم و توقیر کو بھی اپنے لئے لازم الایمان جانتے تھے۔ اسی طرح تابعین اور دوسرے سلف صالحین بھی آپ کے تبرکات کا بے حد احترام اور ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں جو اہل ایمان کے لئے نہایت ہی عبرت خیز و نصیحت آموز ہیں۔

۱- حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند مقدس بال سلے ہوئے تھے۔ کسی جنگ میں ان کی ٹوپی سر سے گر پڑی۔ تو آپ نے اتنا زبردست حملہ کر دیا کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے آپ کے لشکر والوں نے ایک ٹوپی کے لئے اتنے شدید حملہ کو پسند نہیں کیا۔ لوگوں کا طعنہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں نے ٹوپی کے لئے یہ حملہ نہیں کیا تھا بلکہ میرے اس حملہ کی یہ وجہ تھی کہ میری اس ٹوپی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں مجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ میں ان کی برکتوں سے کہیں محروم نہ ہو جاؤں اور یہ کفار کے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائیں اس لئے میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس ٹوپی کو اٹھا کر ہی دم لیا۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۴۴)

۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف پر جس جگہ آپ بیٹھتے تھے خاص اس جگہ پر اپنا ہاتھ پھرا کر اپنے چہرے پر مسح کیا کرتے تھے۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۴۴)

۳- حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی اور مسجد حرام کے موذن ہیں ان کے سر کے اگلے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا۔ جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اس جوڑے کو کھول دیتے تو بال زمین سے لگ جاتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان بالوں کو منڈواتے کیوں نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ان بالوں کو منڈوا نہیں سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے ان بالوں کو اپنے دست مبارک سے مسح فرما دیا ہے۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۴۴)

۴- حضرت ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمائش کی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس بال ہے میں جب مر جاؤں تو اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے ان کی وصیت کے مطابق ان کی زبان کے

نیچے رکھ دیا اور وہ اسی حالت میں دفن ہوئے۔ (اصابہ ترجمہ انس بن مالک)

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ عادل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے چند موئے مبارک اور ناخن دکھا کر لوگوں سے وصیت فرمائی کہ ان تبرکات کو آپ لوگ میرے کفن میں رکھ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۰۰)

۵- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو چند گھوڑے عنایت فرمائے تو میں نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا آپ اپنی سواری کے لئے رکھ لیجئے۔

۶- حضرت احمد بن فضلویہ جن کا لقب ''زاہد'' ہے۔ یہ بہت بڑے مجاہد تھے اور تیراندازی میں بہت ہی باکمال تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب سے مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کمان بھی اُٹھائی ہے۔ اس وقت سے میں کمان کا اتنا ادب واحترام کرتا ہوں کہ بلا وضو کسی کمان کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۴۴)

۷- حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ کہہ دیا کہ ''مدینہ کی مٹی خراب ہے'' یہ سن کر حضرت امام موصوف نے یہ فتویٰ دیا کہ اس گستاخ کو تیس درے لگائے جائیں اور اس کو قید میں ڈال دیا جائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس شخص کو قتل کر دینے کی ضرورت ہے جو یہ کہے کہ مدینہ کی مٹی اچھی نہیں ہے۔ (شفاء شریف جلد ۲ ص ۴۴)

۸- ایک دن سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضور ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ رونق افروز تھے۔ آپ نے حضرت سہل بن سعد سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پیالہ میں آپ کو پانی پلایا' حضرت ابوحازم کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت سہل بن سعد کے یہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور برکت حاصل کرنے کے لئے ہم لوگوں نے اسی پیالے میں پانی پیا۔ اس پیالہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ عادل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سہل بن سعد سے مانگ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۶ باب اباحۃ النبیذ الذی الخ)

۹- جب بنو خلیفہ کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو اس وفد میں حضرت سیار بن طلق یمامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اپنے پیراہن شریف کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیے میں اس سے اپنا دل بہلایا کروں گا۔

حضور نے ان کی درخواست منظور فرما کر ان کو پیراہن شریف کا ایک ٹکڑا دے دیا ان کے پوتے محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے والد کہتے تھے کہ وہ مقدس ٹکڑا برسہا برس ہمارے پاس تھا اور ہم اس کو دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔

(اصابہ ترجمہ سیار بن طلق)

مشک کا منہ کاٹ لیا

۱۰- ایک صحابیہ حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر حضور ﷺ تشریف لے گئے اور ان کی مشک کے منہ سے آپ نے منہ لگا کر پانی نوش فرما لیا تو حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس مشک کا منہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۳ باب الشرب قائماً)

۱۱- حضور اقدس ﷺ کی مقدس تلوار ''ذوالفقار'' حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد وہ مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت مسور بن مخرمہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا مجھے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ بنوامیہ آپ سے اس تلوار کو چھین لیں گے۔ اس لئے آپ مجھے وہ تلوار دے دیجئے جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی اس کو مجھ سے نہیں چھین سکتا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۴۳۸ باب ما ذکر من درع النبی ﷺ)

(۶) مدحِ رسول

ہر اُمتی پر یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا حق ہے جس کو ادا کرنا امت پر لازم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مدح و ثنا کا ہمیشہ اعلان اور چرچا کرتے رہیں اور ان کے فضائل و کمالات کو علی الاعلان بیان کرتے رہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و محاسن کا ذکر جمیل رب العالمین جل جلالہ اور تمام انبیاء و مرسلین کا مقدس طریقہ ہے۔ حضرت حق جل مجدہٗ نے قرآن کریم کو اپنے حبیب ﷺ کی مدح و ثناء کے قسم قسم کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک حسین گلدستہ بنا کر نازل فرمایا ہے۔ اور پورے قرآن میں آپ کی مقدس نعت و صفات کی آیات بینات اس طرح چمک چمک کر جگمگا رہی ہیں جس طرح آسمان پر ستاروں کی برات اپنی تجلیات کا نور بکھیرتی رہتی ہے۔ اور انبیاء سابقین کی مقدس آسمانی کتابیں بھی اعلان کر رہی ہیں کہ ہر نبی و رسول اللہ کے حبیب ﷺ کی مدح و ثنا کا نقیب اور ان کے مجاہد و محاسن کا خطیب بن کر عمر بھر فضائل

مصطفیٰ ﷺ کے فضل و کمال اور ان کے جاہ و جلال کا ڈنکا بجاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے مقدس دور میں ہزاروں اصحاب کبار ہر کوچہ و بازار اور میدان کارزار میں نعت رسول کے نغموں سے انقلاب عظیم برپا کر کے ایسے ایسے عظیم شاہکار عالم وجود میں لائے کہ کائنات ہستی میں ہدایت کی نسیم بہار سے ہزاروں گلزار نمودار ہو گئے۔ اور دورِ صحابہ سے آج تک پیارے رسول کے خوش نصیب مداحوں نے نظم و نثر میں نعت پاک کا جتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ اگر ان کا شمار کیا جائے تو دفتروں کے اوراق تو کیا روئے زمین کی وسعت بھی ان کی تاب نہ لا سکے گی۔

حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کعب بن زہیر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دربار نبوت کا شاعر ہونے کی حیثیت سے ایسی ایسی نعت پاک کی مثالیں پیش کیں کہ آج تک بڑے بڑے باکمال شعراء ان کو سن کر سر دھنتے رہتے ہیں اور ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ قیامت تک حضور سرورِ عالم ﷺ کی مدح و ثنا کا چرچا نظم و نثر میں اسی شان سے ہوتا رہے گا۔

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

(۷) درود شریف

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا رہے چنانچہ خالق کائنات جل جلالہ کا حکم ہے کہ۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب)	بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو! تم بھی ان پر درود بھیجتے رہو اور ان پر سلام بھیجتے رہو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے۔

اللہ اکبر! شہنشاہ کونین ﷺ کی شان محبوبیت کا کیا کہنا؟ ایک حقیر و ذلیل بندہ خدا کے پیغمبر جمیل کی بارگاہِ عظمت میں درود شریف کا ہدیہ بھیجتا ہے۔ تو خداوند جلیل اس کے

بدلے میں دس رحمتیں اس بندے پر نازل فرماتا ہے۔

دُرود شریف کے فضائل و فوائد بہت زیادہ ہیں یہاں بہ نظر اختصار ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ خداوند کریم ہم تمام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(۸) قبر انور کی زیارت

حضور اقدس ﷺ کے روضہ مُقدسہ کی زیارت سنت موکدہ قریب واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

(سورۂ نساء)

اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آ جاتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول ان کے لئے بخشش کی دعا فرماتے تو یہ لوگ خدا کو بہت زیادہ بخشنے والا مہربان پاتے۔

اس آیت میں گناہگاروں کے گناہ کی بخشش کے لئے ارحم الراحمین نے تین شرطیں لگائی ہیں اول دربار رسول میں حاضری، دوم استغفار، سوئم رسول کی دعائے مغفرت۔

اور یہ حکم حضور ﷺ کی ظاہری دُنیوی حیات ہی تک محدود نہیں بلکہ روضہ اقدس میں حاضری بھی یقیناً دربار رسول ہی میں حاضری ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے تصریح فرما دی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار کا یہ فیض آپ کی وفات اقدس سے منقطع نہیں ہوا ہے اس لئے جو گناہگار قبر انور کے پاس حاضر ہو جائے اور وہاں خدا سے استغفار کرے۔ اور چونکہ حضور ﷺ تو اپنی قبر انور میں اپنی امت کے لئے استغفار فرماتے ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا اس گناہگار کے لئے مغفرت کی تینوں شرطیں پائی گئیں۔ اس لئے اِن شاءَ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت مغفرت ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ چاروں مذاہب کے علماء کرام نے مناسک حج و زیارت کی کتابوں میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص بھی روضہ منورہ پر حاضری دے اس کے لئے مستحب ہے کہ اس آیت کو پڑھے اور پھر خدا سے اپنی مغفرت کی دعا مانگے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بہت سی حدیثیں بھی روضہ منورہ کی زیارت کے

فضائل میں وارد ہوئی ہیں جن کو علامہ سمہودی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''وفاء الوفا'' اور دوسرے مستند سلف صالحین علماء دین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔ ہم یہاں مثال کے طور پر صرف تین چیزیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ (دارقطنی وبیہقی وغیرہ)	جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔
(۲) مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ (کامل ابن عدی)	جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔
(۳) مَنْ زَارَ فِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ مَّاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۔ (دارقطنی وغیرہ)	جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری حیات میں میری زیارت کی اور جو حرمین شریفین میں سے ایک میں مر گیا وہ قیامت کے دن امن والوں کی جماعت میں اٹھایا جائیگا۔

اسی لئے صحابہ کرام کے مقدس زمانے سے لے کر آج تک تمام دنیا کے مسلمان قبر منور کی زیارت کرتے اور آپ کی مقدس جناب میں توسل اور استغاثہ کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ مبارک سلسلہ جاری رہے گا۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وفات اقدس کے تین دن بعد ایک اعرابی مسلمان آیا اور قبر انور پر گر کر لپٹ گیا پھر کچھ مٹی اپنے سر پر ڈال کر یوں عرض کرنے لگا کہ۔

> یارسول اللہ! (ﷺ) آپ نے جو کچھ فرمایا ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا جس میں اس نے ارشاد فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ تو یارسول اللہ! (ﷺ) میں نے اپنی جان پر (گناہ) کر کے ظلم کیا ہے اس لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ میرے حق میں مغفرت کی دعا فرمائیں۔ اعرابی کی اس فریاد کے جواب میں قبر انور سے آواز آئی کہ ''اے اعرابی! تو بخش دیا گیا۔''

(وفاء الوفا جلد۲ ص۴۱۲)

ضروری تنبیہ

ناظرین کرام یہ سن کر حیران ہوں گے کہ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ گنبد خضرا کے اندر مواجہہ اقدس اور اس کے قریب مسجد نبوی کی دیواروں پر قبر انور کی زیارت کے فضائل کے بارے میں جو حدیثیں کندہ کی ہوئی تھیں۔ نجدی حکومت نے ان حدیثوں پر مسالہ لگوا کر ان کو مٹانے کی کوشش کی ہے اگرچہ اب بھی اس کے بعض حروف ظاہر ہیں۔ اسی طرح مسجد نبوی کے گنبدوں کے اندرونی حصہ میں قصیدہ بردہ شریف کے جن اشعار میں توسل واستغاثہ کے مضامین تھے ان سب کو مٹا دیا گیا ہے۔ باقی اشعار باقی گنبدوں پر اس وقت تک باقی تھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ جولائی ۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے اسکے بعد وہاں کیا تبدیلی ہوئی؟ اس کا حال نئے حجاج کرام سے دریافت کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ کا فتویٰ

بعض لوگ انبیاء کرام اور اولیاء وشہداء کے مزاروں کی طرف سفر کرنے کو حرام وناجائز بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہابیوں کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو کھلے الفاظ میں یہ فتویٰ دے دیا کہ حضور اکرم ﷺ کے روضہ مبارکہ کے قصد سے سفر کرنا گناہ ہے اس لئے اس سفر میں نمازوں کے اندر قصر جائز نہیں۔ (معاذ اللہ)

ابن تیمیہ کے اس فتویٰ سے شام ومصر میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا۔ چنانچہ شامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں علماء حق سے استفتاء طلب کیا اور علامہ برہان بن الفرکاح فزاری نے تقریباً چالیس سطروں میں فتویٰ لکھ کر ابن تیمیہ کو ''کافر'' بتایا اور علامہ شہاب بن جہبل نے اس فتوی پر اپنی مہر تصدیق لگائی۔ پھر مصر میں یہی فتویٰ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چاروں مذاہب کے قاضیوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنانچہ علامہ بدر بن جماعہ شافعی نے اس پر یہ فیصلہ تحریر فرمایا کہ ابن تیمیہ کو ایسے فتاویٰ باطلہ سے بزجر وتوبیخ منع کیا جائے اگر باز نہ آئے تو اس کو قید کیا جائے اور محمد بن الجریری حنفی نے یہ حکم دیا کہ اس وقت بلا کسی شرط کے اُس کو قید کیا جائے اور محمد ابن ابی بکر مالکی نے یہ حکم دیا کہ اس کو اس قسم کی زجر وتوبیخ کی جائے کہ وہ ایسے مفاسد سے باز آ جائے اور احمد بن عمر مقدسی حنبلی نے بھی ایسا ہی حکم لکھا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق کے قلعہ کے اندر قید کیا گیا اور جیل خانہ ہی میں ۲۰

ذوالقعدہ ۷۲۸ھ کو وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ مواخذہ اخروی ابھی باقی ہے۔

(منقول از سیرت رسول عربی ص ۵۳۳)

حدیث لاتشد الرحال

ابن تیمیہ اور اس کی معنوی اولاد یعنی فرقہ وہابیہ قبر انور کی زیارت سے منع کرنے کے لئے بخاری کی اس حدیث کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔	کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین ہی مسجدوں یعنی مسجد حرام و مسجد رسول و مسجد اقصیٰ کی طرف!

(بخاری جلد ۱ ص ۱۵۸ باب **فضل الصلوة فی مسجد مکة و المدینة**)

اس حدیث کا سیدھا سادہ مطلب جس کو تمام شراح حدیث نے سمجھا ہے یہی ہے کہ تمام دنیا میں تین ہی مسجدیں یعنی مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ ایسی مساجد ہیں جن کو تمام دنیا کی مسجدوں پر اجر و ثواب کے معاملہ میں ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔ لہٰذا ان تین مسجدوں کی طرف کجاوے باندھ کر دور دور سے سفر کر کے جانا چاہیے لیکن ان تمام مسجدوں کے سوا چونکہ دنیا بھر کی تمام مسجدیں اجر و ثواب کے معاملہ میں برابر ہیں۔ اس لئے ان تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف کجاوے باندھ کر دور دور سے سفر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث کو مشاہدہ مقابر کی طرف سفر کرنے یا نہ کرنے سے تو کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر اس بات کو عالموں کی زبان میں سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ اس حدیث میں **لا الیٰ ثلثة مساجد** مستثنیٰ مفرغ ہے اور مستثنیٰ ’’مفرغ‘‘ میں ’’مستثنیٰ منہ‘‘ ہمیشہ وہی مقدر مانا جائے گا جو مستثنیٰ کی نوع ہو مثلاً ’’**ما جاء فی الازید**‘‘ میں لفظ جسم یا حیوان کو مستثنیٰ منہ مقدر نہیں مانا جائے گا اور اس عبارت کا مطلب **ماجاء فی جسم الازید** یا **ماجاء فی حیوان الازید** نہیں مانا جائے گا بلکہ اس کا مطلب یہی مانا جائے گا کہ **ماجاء فی رجل الازید** تو اس حدیث میں بھی ’’مستثنیٰ منہ بجز لفظ ’’مسجد‘‘ اور کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا حدیث کی اصل

عبارت یہ ہوئی کہ **لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثة مساجد** یعنی تین مسجدوں کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں۔

چنانچہ اس حدیث کی بعض روایات میں یہ لفظ آیا بھی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ **لا ینبغی للمطی ان تشد رحتله الی مسجد یبتغی فیه الصلوٰة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی هذا** (قسطلانی وعمدۃ، انفاری) یعنی سواریوں پر کجاوے کسی مسجد کی طرف بقصد نماز نہ باندھے جائیں سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ اس حدیث میں ''مستثنیٰ منہ'' ذکر کر دیا گیا ہے اور وہ الیٰ مسجد ہے بہر حال وہابیہ خذلہم اللہ نے عداوت رسول میں اس حدیث کا مطلب بیان کرنے میں اتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے کہ قیامت تک تمام اہل علم انکی اس جہالت پر ماتم کرتے رہیں گے۔

بارگاہِ خداوندی میں رسول کا وسیلہ

حضور اقدس ﷺ کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا کر دعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسی کو توسل و استغاثہ و تشفع وغیرہ مختلف الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کے دربار میں وسیلہ بنانا یہ حضرات انبیاء مرسلین کی سنت اور سلف صالحین کا مقدس طریقہ ہے۔ اور یہ توسل حضور ﷺ کی ولادت شریفہ سے پہلے آپ کی ظاہری حیات میں اور آپ کی وفات اقدس کے بعد تینوں حالتوں میں ثابت ہے۔ چنانچہ ہم یہاں تینوں حالتوں میں آپ سے توسل کرنے کی چند مثالیں نہایت ہی اختصار کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ولادت سے قبل توسل

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آ کر باری تعالیٰ سے یوں دعا مانگی کہ۔

یَـارَبِّ اَسْـئَلُكَ بِـحَقِّ مُـحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ۔	اے میرے پروردگار میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے ابھی تک ان کو پیدا بھی نہیں فرمایا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے

میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا فرما کر میرے بدن میں روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش مجید کے پایوں پر **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا ہے۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر کرایا ہے وہ یقیناً تیرا سب سے بڑا محبوب ہوگا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم (علیہ السلام) بے شک تم نے سچ کہا وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں۔ چونکہ تم نے ان کو میرے دربار میں وسیلہ بنایا ہے اس لئے میں نے تم کو معاف کر دیا اور سن لو کہ اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت فرمایا ہے۔

(روح البیان سورۂ احزاب ص ۲۳۰)

(۲) ظاہری حیاتِ اقدس میں توسل

حضرات صحابہ کرام آپ کی مقدس مجالس میں حاضر ہو کر جس طرح اپنی دین و دنیا کی تمام حاجتیں طلب فرماتے تھے اسی طرح اپنی دعاؤں میں آپ کو وسیلہ بھی بنایا کرتے تھے۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنی دعاؤں میں رسول کی مقدس ذات کو خداوند تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ بنائیں۔ چنانچہ "معجزات" کے ذکر میں آپ ایک نابینا کے بارے میں یہ حدیث پڑھ چکے کہ۔

ایک نابینا بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت بخشے آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو صبر کر صبر تیرے حق میں اچھا ہے۔ جب اس نے دعا کے لئے اصرار کیا تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ تم اچھی طرح وضو کر کے یوں دعا مانگو کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی' نبی رحمت کا وسیلہ پیش کرتا ہوں یا محمد! (ﷺ) میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے اپنی اس ضرورت میں تا کہ وہ پوری ہو جائے یا اللہ تو میرے حق میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا کہ ھذا حدیث

حسن صحیح غریب اور امام بیہقی وطبرانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے کہ اس نابینا نے ایسا کیا اور اس کی آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ (وفاء الوفا جلد۲ ص۴۳۰)

دعاء نبوی میں وسیلہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا اور ان کی قبر تیار ہوگئی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی قبر کی لحد کھودی پھر اس قبر میں لیٹ کر آپ نے یوں دعا فرمائی کہ۔

> یا اللہ! میری ماں (چچی) فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ فرما دے۔ بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔ (وفاء الوفاء جلد۲ ص۸۹)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ابو طالب کی کفالت میں تھے تو حضور کی یہ چچی یعنی ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد آپ کا بڑا خاص خیال رکھتی تھیں یہ اسی احسان کا بدلہ تھا کہ آپ نے ان کو اپنی چادر مبارک کا کفن پہنایا اور خود اپنے دست رحمت سے اُن کی قبر کی لحد کھودی اور ان کی قبر میں کچھ دیر لیٹ کر دعا فرمائی۔

اللہ اکبر! اس قبر میں قیامت تک رحمت کے پھولوں کی بارش ہوتی رہے گی۔ جس قبر والے پر رحمۃ للعالمین کی رحمت کا اتنا بڑا کرم ہوا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى نَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةَ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ دَائِمًا اَبَدًا

(۳) وفات اقدس کے بعد توسل

وفات اقدس کے بعد بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے بلکہ آپ کو پکارا کر آپ سے استغاثہ کیا کرتے تھے۔

بارش کے لئے استغاثہ

حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! صلی اللہ علیک وسلم) اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔ وہ ہلاک ہو رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان سے ارشاد فرمایا کہ تم حضرت عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو

اور بشارت دے دو کہ بارش ہوگی۔ اور یہ بھی کہہ دو کہ وہ نرمی اختیار کریں اس شخص نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر خبر کر دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو دیئے پھر کہا اے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اسی چیز میں کہ جس سے میں عاجز ہوں۔ (وفاء الوفاء)

فتح کے لئے آپ کا وسیلہ

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اپنا خط امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مقام ''یرموک'' میں بھیجا اور سلامتی کی دعا مانگی حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد نبوی سے باہر آئے تو ان کو خیال آیا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے روضۂ اقدس پر سلام نہیں عرض کیا۔ چنانچہ واپس جا کر جب قبر انور کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں حضرت عائشہ، حضرت عباس و حضرت علی و حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر تھے۔ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات سے جنگ یرموک میں اسلام کی فتح کے لئے دعا کی درخواست کی۔ تو حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی کہ۔

> ''یا اللہ! ہم اس نبی مصطفیٰ اور رسول مجتبیٰ کہ جن کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور خدا نے ان کو معاف فرما دیا ان ہی کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ تو حضرت عبداللہ بن قرط پر اس کا راستہ آسان کر دے اور دور کو نزدیک کر دے اور اپنے نبی کے اصحاب کی مدد فرما کر ان کو فتح عطا فرما دے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اب آپ جایئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر و عباس و علی و حسن و حسین و ازواج نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا کو رد نہیں فرمائے گا جب کہ ان لوگوں نے اس کی بارگاہ میں اس نبی کا وسیلہ پکڑا ہے جو اکرام الخلق ہیں۔ (فتوح الشام جلد اول ص ۱۰۵)

حضرت عمر کی دعاء میں وسیلہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ان کے دور خلافت میں قحط پڑ جاتا تھا تو وہ بارش کے لئے اس طرح دعا مانگا کرتے تھے کہ۔

یا اللہ! ہم تیرے نبی کو وسیلہ بنا کر دعا مانگا کرتے تھے تو اس وقت تو ہم کو بارش دیا کرتا تھا اب ہم تیرے دربار میں تیرے نبی کے چچا (حضرت عباس) کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے ہیں

لہٰذا تو ہم کو بارش عطا فرما۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۳۷ باب سوال الناس الامام الاستسقاء)

الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد تابعین و تبع تابعین اور دوسرے سلف صالحین نے ہمیشہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات اقدس سے توسل و استغاثہ کا سلسلہ جاری رکھا اور بحمدہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت میں آج تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ اور ان شاءَ اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس سلسلہ میں سینکڑوں ایمان افروز واقعات پیش نظر ہیں۔ لیکن کتاب کے طویل ہو جانے کا خطرہ قلم پر کرفیو لگائے ہوئے ہے پھر بھی چند واقعات تحریر کرتا ہوں۔

حضور نے اَسّی (۸۰) دینار عطا فرمائے

مشہور حافظ الحدیث حضرت محمد بن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسی دینار بطور امانت رکھے اور یہ کہہ کر جہاد میں چلا گیا کہ میری واپسی تک اگر تمہیں اس کی ضرورت پڑے تو خود خرچ کر لینا۔ والد نے قحط سالی میں یہ رقم خرچ کر ڈالی اس شخص نے جہاد سے واپس آ کر اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔ والد نے اس سے وعدہ کر لیا کہ کل آنا اور رات مسجد نبوی میں گزاری کبھی قبر انور سے لپٹتے کبھی منبر اطہر سے چمٹتے اسی حال میں صبح کر دی ابھی کچھ اندھیرا ہی تھا کہ ناگہاں ایک شخص نمودار ہوا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اے ابو محمد! یہ لو والد نے ہاتھ بڑھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تھیلی ہے جس میں اسی دینار ہیں صبح کو والد نے وہی دینار اس شخص کو دے دیئے۔

قبر انور سے روٹی ملی

مشہور بزرگ اور صوفی حضرت ابن جلا رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا میں نے قبر انور پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ کا مہمان ہوں اتنا عرض کر کے میں سو گیا خواب میں حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی آدھی میں نے کھالی جب آنکھ کھلی تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

امام طبرانی کو کیسے کھانا ملا؟

امام ابوبکر مقری کہتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی اور ابو شیخ تینوں حرم نبوی میں فاقہ سے تھے جب عشاء کا وقت آیا تو میں نے قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ!

(صلی اللہ علیک وسلم) ہم لوگ بھوکے ہیں۔'' یہ عرض کر کے میں لوٹ آیا۔ امام ابوالقاسم طبرانی نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو رزق آئے گا یا موت ابوبکر مقری کا بیان ہے کہ میں اور ابوالشیخ تو سو گئے مگر طبرانی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک علوی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ دو غلام ہیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے جو قسم قسم کے کھانوں سے بھری ہوئی ہے ہم لوگوں نے بیٹھ کر کھایا اور خیال کیا کہ بچے ہوئے کھانے کو غلام لے لے گا مگر وہ باقی کھانا بھی ہمارے پاس چھوڑ کر چلا گیا جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے کہا کہ کیا تم نے حضور نبی ﷺ سے فریاد کی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ کھانا لے جاؤں۔

ایک ظالم پر فالج گرا

ایک شخص نے روضہ اقدس کے پاس نماز فجر کے لئے اذان دی اور جونہی اس نے ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کہا۔ خدام مسجد میں سے ایک شخص نے اٹھ کر اس کو ایک تھپڑ مارا اس شخص نے رو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ''آپ کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے؟'' اسی وقت اس خادم پر فالج گرا۔ اسے وہاں سے اٹھا کر لئے گئے اور وہ تین دن کے بعد مر گیا۔ (تذکرۃ الحفاظ مصباح الظلام وکتاب الوفاء وغیرہ)

الغرض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رضی اللہ عنہم سے توسل اور استغاثہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں علماء ربانیین و اولیاء کاملین ہر دور میں بزرگان دین سے نظم و نثر میں توسل و استغاثہ کرتے رہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مقدس مذہب ہے۔

حضرت امام اعظم کا استغاثہ

اگر ہم اس کی مثالیں تحریر کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی مثال کے طور پر ہم صرف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قصیدہ میں سے تین اشعار تبرکاً نقل کرتے ہیں جن میں حضرت امام موصوف نے کس طرح دربار رسالت میں اپنا استغاثہ پیش کیا ہے اس کو بہ نگاہ عبرت دیکھئے اور انہی اشعار پر ہم اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا
اَجْوُاْ رِضَاكَ وَاحْتَمِیْ بِحَمَاكَ

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُؤٌ
كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاكَ

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ
لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ

(قصیدۂ نعمانیہ)

ترجمہ: اے سید السادات! میں آپ کے پاس قصد کر کے آیا ہوں میں آپ کی خوشنودی کا امیدوار ہوں' اور آپ کی پناہ گاہ میں پناہ گزین ہوں' آپ کی وہ ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی آدمی پیدا نہ کیا جاتا' اور نہ کوئی مخلوق عالم وجود میں آتی' میں آپ کے جود و کرم کا امیدوار ہوں' آپ کے سوا تمام مخلوق میں ابوحنیفہ کا کوئی سہارا نہیں!

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین واکرم الصلوۃ وافضل السلام علی سید المرسلین و آلہ الطیبین اصحابہ المکرمین وعلی اهل طاعته اجمعین برحمته وهو ارحم الراحمین امین یارب العالمین

هدیۂ سلام

بحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سلام اے مصطفیٰ محبوب رحمٰں، یا رسول اللہ
سلام اے مجتبیٰ محبوب یزداں، یا رسول اللہ
سلام اے مطلع انور سبحاں، یا رسول اللہ
سلام اے منبع انہار احساں، یا رسول اللہ
سلام اے تاجدار بزم امکاں، یا رسول اللہ
سلام اے شہر یارِ ملک عرفاں، یا رسول اللہ
سلام اے یاور محتاج و سلطاں، یا رسول اللہ
سلام اے گوہر تاج سلیماں، یا رسول اللہ
سلام اے کارسازِ درد منداں، یا رسول اللہ
سلام اے سرفراز عرشِ یزداں، یا رسول اللہ
سلام اے قبلۂ دل، کعبہ جاں، یا رسول اللہ
سلام اے روح ملت، جانِ ایماں یا رسول اللہ
سلام اے خاتم دورِ رسولاں، یا رسول اللہ
سلام اے کاشف اسرارِ پنہاں یا رسول اللہ

قطعۂ تاریخ تصنیف

از مولوی فضل رسول بن حضرت مصنف مدظلہ العالی

خدا کی شان ! لکھی اعظمی نے جب سیرت
تو خوب خوب ہوئی ملحدوں کی بیخ کنی !
نشان حق سے مٹایا طلسم باطل کو !
حریم کعبہ میں جیسی ہوئی تھی بت شکنی
ہے تاجدارِ دو عالم کی سیرتِ اقدس
ہے اس کے حرفوں پہ قربان گوہر یمنی
لکھی کتاب بہت مختصر مگر جامع
کہ سب خرید سکیں ہوں غریب یا کہ دھنی
قبول کرے الٰہی اسے دو عالم میں
بحق آل محمدؐ پیمبر مدنی . !
کہا یہ ہاتف غیبی نے فضل سے ہنس کر
کہ اس کتاب کی تاریخ کتنی اچھی بنی
ملا کے چار سروں کو نکالئے تاریخ !
سرولی سر صوفی سر شریف و غنی

ولی کا سر ''واؤ'' صوفی کا سر ''ص'' شریف کا سر ''ش'' غنی کا سر ''غ''
ان چار حرفوں کو بحساب ابجد جوڑ دینے سے ١٣٩٦ھ ہو جاتے ہیں اس طرح سے

و	ص	ش	غ	
٦	٩٠	٣٠٠	١٠٠٠	١٣٩٦ھ

قطعہ سالِ طباعت

خدا کی قسم مجھ پہ فضل خدا ہے
کہ سر پر میرے دامن مصطفٰی ہے
میرے دل میں ہے الفت شاہ طیبہ
میرے سر میں سوداء خیرالوریٰ ہے
میں قربان ہوں ان کے نقش قدم پر
مرا دین و ایمان ان کی ادا ہے
نہیں میرے اعمال بخشش کے قابل
مجھے آسرا ان کا روزِ جزا ہے
ضعیفی میں اک دن خیال آیا مجھ کو
کہ اب جلد ہی موت کا سامنا ہے
خداوند کو منہ دکھانا پڑے گا !
عمل ہی وہاں پر مدارِ جزا ہے
مگر میرے اعمال اچھے نہیں ہیں !
جرائم سے آلودہ دامن مرا ہے
میں کس طرح جاؤں گا دربار رب میں
گناہوں کا سر پر مرے ٹوکرا ہے

اچانک مرے دل سے آواز آئی
نہ گھبرا کہ تیرا وسیلہ بڑا ہے
شفیع دو عالم کا تو مدح خواں ہے
تجھے ان کی رحمت سے حصہ ملا ہے
ترا حشر اس شان و شوکت سے ہو گا
کہ تیرے لئے ہر طرف مرحبا ہے
خدا پیار رحمت سے دیکھے گا تجھ کو
ترے ہاتھ میں ''سیرۃ المصطفیٰ'' ہے
ہزاروں درود اس میں لکھے ہیں تو نے
نبی کی اداؤں کا یہ تذکرہ ہے
خدا کو نہ کیوں پیار آئے گا تجھ پر
کہ تو مدح خوانِ حبیب خدا ہے
ہوئی اس طرح دل کو میرے تسلی
کہ محشر میں اب پار بیڑا میرا ہے
ہوئی مجھ کو جب فکر سالِ طباعت
کہا مجھ سے ہاتف نے کیا سوچتا ہے
لکھ اے اعظمیؔ اس کا سال طباعت
شمیم نبی سیرت المصطفیٰ ہے

۱۳۹۷ھ

دُعاء

اے خداوند جہاں، اے کردگار
تری رحمت کا ہوں میں امیدوار
گو کہ میں اک بندۂ ناکارہ ہوں
بے کس و مجبور ہوں و بے چارہ ہوں
تیری رحمت سے مگر دلشاد ہوں
نعمتوں کے باغ کا شمشاد ہوں
تو نے ایسا فضل مجھ پر کر دیا !
رحمتوں سے میرا دامن بھر دیا !
میری قسمت اس طرح نوری ہوئی
سیرت ختم الرسل پوری ہوئی
کس زباں سے شکر تیرا ہو ادا
میں ترا بندہ ہوں، تو میرا خدا
اے خدا جب تک رہیں لیل و نہار
دو جہاں میں ہو یہ میری یادگار
غنچۂ اُمید کھل کر پھول ہو !
نور کی سرکار میں مقبول ہو
آنکھ روشن، پڑھ کے ہر دل سیر ہو
اور میرا ''خاتمہ بالخیر ہو

ہوں مرے ماں باپ یارب جنتی
از طفیل ‘‘رَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِیْ’’

میرے سب استاد بھی، احباب بھی
جنت الفردوس پا جائیں سبھی

کر دعائے اعظمیؔ یا رب قبول
بہر اصحابِ نبی، آلِ رسول

○

رحمتوں کے تاج والے   دو جہاں کے راج والے
عرش کی معراج والے   عاصیوں کی لاج والے
یا نبی سلام علیک - یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک - صلواۃ اللہ علیک
ہوا جب تیرا اشارا   کیا چاند کو دو پارا
حق کے تم ہو حق تمہارا   عاصیوں کو ہو سہارا
یا نبی سلام علیک - یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک - صلواۃ اللہ علیک
اک اور عرض کریں ہم   میرے مولا جب مریں ہم
کلمہ آپ کا پڑھیں ہم   اور بعد اس کے یہ کہیں ہم
یا نبی سلام علیک - یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک - صلواۃ اللہ علیک
از طفیل غوث اعظم   بادشاہ ہر دو عالم
صدقۂ امام اعظم   دور ہوں سبھی کے رنج و غم
یا نبی سلام علیک - یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک - صلواۃ اللہ علیک
اے خدا کے لاڈلے پیارے رسول
یہ سلام عاجزانہ ہو قبول

* * *

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام   شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند   اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں   اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا   اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئیں دم میں دم آ گیا   اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام
دور نزدیک کے سننے والے وہ کان   کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام
کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی   آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں   ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں   اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں   اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا   موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں   انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا   اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گذر کی قسم   اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب   تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں   شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور   بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام